UNIVERSAL
LIBRARY
OU_226083
UNIVERSAL
LIBRARY

تحقیقِ جلیل

ترجمہ

اسرار التنزیل

مصنفہ

جناب امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ مصنف تفسیر کبیر

حسب فرمائش

کتب خانہ اسلامی پنجاب لاہور

اسلامیہ سٹیم پریس لاہور میں چھپی

دفعہ اوّل   تعداد ۲۰۰۰   قیمت مجلد ۹ر

فہرست مضامین کتاب

اس میں تین مقالے ہیں پہلا مقالہ علم کی فضیلت میں اور اس مقالہ میں دس فصلیں ہیں۔ پہلی فصل مطلق علم کی فضیلت میں۔ دوسری فصل فضیلتِ علم میں۔ جو توریت و زبور و انجیل سے ثابت ہوئی۔ تیسری فصل فضیلت علم میں جو حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوئی۔ چوتھی فصل اس بیان میں کہ مال پر علم کو فضیلت ہے۔ پانچویں فصل علم کی حقیقت اور اُس کی کیفیت اور ماہیت میں۔ چھٹی فصل کہ عقلی دلائل سے بھی علم کی فضیلت اور اُس کے درجہ کی کمالیت ثابت ہوتی ہے۔ ساتویں فصل علوم کے اقسام کی شرح میں۔ آٹھویں فصل علم اصول کی فضیلت میں۔ نانویں فصل اس بیان میں کہ مقلد کا ایمان درست نہیں ہوتا۔ دسویں فصل قرآن اور تفسیر کی فضیلتوں کے بیان میں +

دوسرا مقالہ خداوند تعالیٰ کی ہستی کے دلائل میں۔ اس مقالہ میں گیارہ فصلیں ہیں۔ پہلی فصل خدا کی ہستی پر کھلی باطن دلیلوں میں۔ دوسری فصل خدا کی ہستی کے ثبوت پر جزوی ظاہری دلیلوں میں۔ تیسری فصل اس بیان میں کہ افلاک خود خداوند تعالیٰ کی ہستی کا ثبوت دیتے ہیں۔ چوتھی فصل اس بیان میں کہ زمین کے حالات خدا کی ہستی بتلاتے ہیں۔ پانچویں فصل اس بیان میں کہ آفتاب بھی خدا کی شہادت دیتا ہے۔ چھٹی فصل اس بیان میں کہ چاند کے حالات سے بھی خدا کی ہستی ثابت ہوتی ہے۔ ساتویں فصل اس بیان میں کہ ستاروں کے طلوع اور غروب ہونے سے خدا کی کمال قدرت اور اس کی بے انتہا حکمتوں کا ثبوت ملتا ہے۔ آٹھویں فصل اس بیان میں کہ رات اور دن کے حالات بھی خدا کی ہستی کے مثبت ہیں۔ نانویں فصل اس بیان میں کہ برجوں کے حالات خدا کی ہستی اور اس کی کمال قدرت اور ارادہ پر بیّن برہان ہیں۔ دسویں فصل اس بیان میں کہ خدا کی ہستی پر ستاروں کے احوال سے دلیل ملتی ہے۔ گیارھویں فصل اس بیان میں کہ سایہ کے احوال سے اللہ تعالیٰ کی کمال حکمت ثابت ہوتی ہے +

تیسرا مقالہ اس بیان میں کہ وجودِ انسان وجودِ خالق پر دلیل ہے۔ اور اس میں پانچ باب ہیں۔ پہلا باب اس بیان میں کہ انسان کی پیدائش سے خدا کی ہستی پر دلیل کیونکر لا سکتے ہیں۔ اور اس باب میں چار فصلیں ہیں پہلی فصل انسان کی پیدائش کی حکمت کے فائدوں میں۔ دوسری فصل اس بیان میں کہ انسان کی کمال قدرت کا نشان ہے۔ تیسری فصل۔ آدمؑ کی پیدائش کے بیان میں۔ چوتھی فصل انسان کی پیدائش کے مرتبوں میں اور اس کی سرشت کے عجیب حالات اور بسیط اعضاؤں کی شرح میں۔ دوسرا باب آدمی کے بسیط اعضاؤں کی پیدائش کے عجیب و غریب حالات ہیں۔ اس باب کی آٹھ فصلیں ہیں۔ پہلی فصل دماغ کی پیدائش کے عجائبات اور اس کے فائدوں میں۔ دوسری فصل آنکھوں کی پیدائش کے عجائبات میں۔ تیسری فصل کانوں کے فائدوں اور ان کے عجائب حالات میں۔ چوتھی فصل آنکھ پر کانوں کی بزرگی کے بیان میں۔ پانچویں فصل ناک کے فائدوں کے بیان میں اور اُن سے خدا کی حکمت پر دلیل۔ چھٹی فصل منہ کے فائدوں کے بیان میں اور اس سے خداوند تعالیٰ کی حکمت کا ثبوت۔ ساتویں فصل۔ انسان کے چہرہ کی پیدائش کے عجائبات سے خدا کی حکمت پر دلیلیں۔ آٹھویں فصل آدمی کے بدن کی شبیہہ میں خدا کی حکمت سے۔ چوتھا باب انسان کی روح اور اس کے احوال کی معرفت میں۔ اس باب میں چار فصلیں ہیں پہلی فصل انسان کی روح کی حقیقت میں۔ دوسری فصل متعلقات روح انسانی کے بیان میں +

تیسری فصل۔ انسان کے ارواح کے مرتبوں کے بیان میں۔ چوتھی فصل اس بیان میں کہ جسموں سے ارواح کا تعلق خدا کی کمال قدرت اور حکمت پر دلیل ہے۔ پانچواں باب۔ انسانی قوتوں کے بیان میں +

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

بے شمار حمد اور بے نہایت مدح اُس خدا کی شان کے لائق ہے کہ جسکی ذات کے سوا کسی دوسرے وجود کے لئے واجب الوجود کی صفت ناممکن ہے اور اُس کے غیر پر امکان حقیقی کا وصف ناممکن ہے۔ اس کی حقیقت کی کنہ امکان کے نقصان سے بے نشان ہے۔ اسکے فضل کا فیض کل ممکنات پر بے انتہا ہے۔ وہ جوہر نہیں۔ کیونکہ اضداد اور اربعہ عناصر کے شمار اُس میں نہیں۔ وہ جسم نہیں۔ کیونکہ ابعاد ثلاثہ یعنے طول۔ عرض۔ عمق سے موصوف نہیں۔ وہ جگہوں اور موضوعات کا محتاج نہیں۔ تاکہ صورت یا عرض ہو۔ اُس کی ذات اس کی طالب نہیں۔ کہ فائدہ کو لے اور ضرر کو دفع کرے تاکہ غرضوں کے حاصل کرنے اور چیزوں کے مالک ہونے کا فاعل بنے۔ مساوات یا فرق کو قبول نہیں کرتا۔ تاکہ متصل یا منفصل ہو۔ مشابہت اور لامشابہت کی بحث اُس میں نہیں ہو سکتی۔ تاکہ کیف کی جنس سے ایک فرد ہو۔ اُس کی ماہیت کسی غیر سے متعلق نہیں کہ نسبت اور اضافت کے باب سے ہو۔ اُس کی ذات اور صفات میں عدم کو کچھ دخل نہیں کہ حاجتوں کا محل ٹھیرے۔ اُس کی ذات بعض ہونے اور قسمت پذیر ہونے کی تہمت سے پاک ہے۔ اس کی صفتیں کثرت اور غیریت کی مناسبت سے خالی ہیں۔ اُس کے افعال مادہ اور مُدّت کی سبقت اور آلات اور اسباب کی حاجت سے پاک ہیں۔ اُس کی جبّاری اور جہانداری ضد اور شرکت سے خالی ہے لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ "اُس کی مانند کوئی شے نہیں" ایک نفی ہے اُس کے جلال کو لازم وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖ "نہیں احاطہ کر سکتے اُس کے ذرا سے علم کو" ایک تنزیہ ہے اُس کے کمال کو شامل لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ "وہ نہیں سوال کیا جائیگا اس سے جو وہ کرتا ہے"۔ اس کے فعلوں کے فرمان پر تنبیہ ہے عقل کو آنکھیں اسکے جلال کے مطالعہ میں حیران ہیں۔ صدیقوں کی صفائی اُس کے کمال کے راستہ میں مکدر ہے۔ اس کی حمدیت کا کمال خیال کے پیمانہ میں نہیں سما سکتا۔ اس کی احدیت کا جلال قیاس میں نہیں آسکتا۔ ہستی میں سب ہستیوں سے پہلے ہے۔ اس لئے اس کے ازلی ہونے کی صفت ہو الاول ہے۔ اس کی ہستی تمام ہستیوں کی نسبت ہو جانے کے بعد رہیگی۔ اس لئے اس کی

ہیشگی کی صفت ہُوالآخر ہے۔ جب کائنات کی اکائیاں اور ممکنات کے فرد سب اُس کے بے مانند ہونے کی دلیل ہیں۔ اِس لئے ہوالظاہر کا مضمون اس کے ظہور کے نور کو لازم ہے۔ جب عقلوں اور فکروں کا ادراک اُس کی بے نہایت خدائی کی کنہ کو احاطہ کرنے سے کوتاہ ہے۔ اس لئے اُس کی جباری اور عظمت کی نعمت ہوالباطن ہے۔ اور صدیقوں اور اس کے راستہ میں چلنے والے سالکوں کے کام کا حاصل اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ سبحان ربك رب العزت عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین "پاک ہے تیرا رب جو صاحب عزت ہے۔ اُس صفت سے جو کرتے ہیں اور سلام ہے رسولوں پر اور حمد خاص ہے واسطے اللہ کے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے"۔ اور بیشمار صلوٰۃ اور درود محمد صلعم کے پاک مرقد پر ہو۔ اور اس کے یاروں اور اس کے خاندان پر اور بہت بہت سلام اور تسلیم ہو۔ اور بے نہایت ثناء اس خدا کے لائق ہے جس نے ہمارے زمانہ کو ساتھ عدل جہان کے سلطان بڑے بادشاہ۔ دُنیا اور دین میں سب سے بڑے فریادرس۔ اسلام اور مسلمانوں کے عزت دینے والے۔ تمام مخلوق میں شاہنشاہ۔ زمینوں میں خدا کے سایہ ابوالفتح بن سام امیر المومنین کے آراستہ کیا۔ اُس کی رعایت اور عمدہ عنایت اور مہربانی اور عدل کے سبب سے دُنیا کے میدان کو بُری اور ممنوع چیزوں سے خالی کر دیا ہے۔ اور ہر طرح کے عقلی اور نقلی علموں کو اُس کے زمانہ میں بڑی تازگی ہو گئی ہے۔ اور دلیل اور قرآن کی حقیقتیں اور ہر طرح کی باریکیاں کامل طور سے مروّج ہو کر ظاہر ہو گئی ہیں۔ جب یہ مخلص دُعاگو بادشاہ کی درگاہ میں پہنچا۔ اور اس کی روشن پیشانی میں نیک خُلق کی علامتیں دیکھیں تو نبی کے اُس قول کے موافق تھادوا وتحابوا "ایک دوسرے کو ہدیے دو اور ایکدوسرے سے دوستی کرو" چاہا کہ کچھ ہدیہ ہاتھ میں لیکر بطور تحفہ پیش کرے اور جب کل دنیا حقیر تھی جیسا کہ فرمایا قل متاع الدنیا قلیل "کہہ اے نبی دنیا کی متاع ایک حقیر چیز ہے" بہتر یہ دیکھا کہ ایسا تحفہ ہو جو دین سے تعلق رکھے کیونکہ یہ قول وارد ہے وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ "اور باقی رہنے والی نیکیاں بہتر ہیں تیرے رب کے پاس" اس لئے ان لطیفوں اور نکتوں کو جو دین کے راستے میں کام آئیں۔ جن کو ۴۰ سال میں جمع کیا تھا۔ اس کتاب میں اکٹھا کیا۔ اور ان کے جمع کرنے میں خدا کے فضل پر بھروسہ رکھا اور چار قسم پر ان کو ترتیب دی۔ پہلی قسم علم اصول میں ہے۔ دوسری قسم علم فقہ میں۔ تیسری قسم علم اخلاق میں۔ چوتھی قسم دعا اور اُس کے شرائط میں اللہ جو پاک اور بلند ہے اس کتاب کو صدق اور صفائی کا سبب بنائے اور اس سے فائدہ حاصل کرنیوالے کے دل کو راہ کی آلودگی سے نگاہ رکھے انہٗ خیر مامول و اکرم مسئول تحقیق وہ اچھی امیدگاہ اور عمدہ مطلوب ہے مصنف

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

التحقیق الجلیل

ترجمہ

اسرار التنزیل

باب ا

پہلا مقالہ

پہلی قسم علم کے بیان میں۔ اس قسم کے اصول ایک مقالہ میں بیان کئے گئے ہیں۔ اور اس مقالہ کی دس فصلیں ہیں +

فصل ا

مطلق علم کی بزرگی میں

علم کی فضیلت کی دلیلیں کئی قسم کی ہیں بعض قرآن سے ہیں بعض توریت۔ زبور اور انجیل سے۔ بعض حدیثوں سے لیگئی ہیں اور بعض آثار سے۔ قرآن میں جو دلیلیں مذکور ہوئی ہیں وہ بہت ہیں لیکن ان میں سے دس اس جگہ بیان کرتے ہیں +

پہلی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء یعنے خدا سے کسی کو خوف نہیں ہے مگر عالموں کو۔ اور دوسری آیت میں فرمایا ہے جزاؤھم عند ربھم جنت عدن تجری من تحتھا الانھار یعنے بدلا ان کا ان کے رب کے ہاں باغ ہیں بسنے کے نیچے بہتی ہیں اُن کے نہریں۔ یہاں تک کہ فرمایا ذٰلک لمن خشی ربہ یعنے بہشت اسے نصیب ہوگا

جس کے دل میں خدا کا خوف ہوگا۔ دوسری جگہ فرمایا ہے ولمن خاف مقام ربہ جنتان اور جو کوئی ڈرا۔ کھڑا ہونے سے اپنے رب کے آگے اُس کو ہیں دو باغ" پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم کے سوا دوسرے کو خدا کا خوف نہیں ہوتا۔ اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ خدا سے ڈرنے والوں کے سوا دوسرے کو بہشت حاصل نہیں ہوگا۔ پس ان دونوں آیتوں سے لازم آتا ہے۔ کہ علماء کے سوا دوسروں کو بہشت حاصل نہیں ہوگا۔ یہ معنی جو قرآن کی آیتوں سے معلوم ہوئے ہیں۔ حدیثوں میں بھی آئے ہیں۔ کیونکہ مصطفی صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ رب العزت نے فرمایا ہے بعزتی وجلالی لا اجمع علے عبدی خوفین مجھے اپنی عزت اور جلال کی قسم ہے۔ کہ میں بندہ پر دو خوف جمع نہیں کروں گا ولا اجمع امنین اور نہ دو امن جمع کروں گا ماذا امنني في الدنيا اخفته في الاخرة۔ اگر کوئی دنیا میں مجھ سے بے خوف رہا۔ تو قیامت میں اُس کو ڈراؤں گا واذا خافني في الدنيا امنته يوم القيمة اور اگر دُنیا میں مجھ سے ڈرا تو قیامت کے دن اُس کو بے خوف کروں گا۔ یہ مضمون جیسا کہ قرآن کی آیت سے معلوم ہوا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے اس کی تاکید پائی گئی ہے۔ اسی طرح عقلی دلیل سے بھی اس کی صحت ظاہر ہے۔ کیونکہ آدمی اُس وقت خداشناس ہوتا ہے جب وہ عقلی دلیل سے بھی جان لے۔ کہ خدا تعالےٰ کلی جزوی تمام معلومات کا عالم ہے۔ اور جب اس قدر جان لیتا ہے تو اس کو اس میں شک نہیں رہتا۔ کہ جو کچھ ظاہر یا پوشیدہ بندہ سے ظہور میں آتا ہے خدا تعالیٰ وہ سب جانتا ہے اور اس طرح انسان اُس وقت خداشناس ہوتا ہے جب یہ جان لیتا ہے کہ اللہ جلشانہ اس سے پاک ہے۔ کہ اس کا کوئی فعل بے فائدہ یا کھیل یا باطل ہو۔ جیسا کہ فرمایا ہے وما خلقنا السماء والارض وما بينهما باطلا۔ ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں میں ہے نکما نہیں پیدا کیا۔ اور یہ بھی ہے کہ کوئی کام بے ہودہ یا بے فائدہ کرنا یا تو نادانی کے سبب سے ہوتا ہے کہ آدمی نہ کرنے لائق کام کو نہیں سمجھتا کہ نہ کرے۔ یا بخل کے سبب سے ہوتا ہے۔ اور جب خدا تعالیٰ پر جہل اور عجز اور بخل کا الزام لگانا محال ہے تو اُس کے فعل میں عبث اور باطل کا پایا جانا ہی محال ہے اور جب انسان نے یہ جان لیا۔ کہ جو کچھ وہ کرتا ہے اس کو جانتا ہے اور اس پر قادر ہے۔ کہ اس کے کئے کی اُس کو پوری پوری جزا سزا دے اور ایسا عادل ہے کہ ظلم پر راضی نہیں ہوتا۔ جیسا کہ وارد ہے وما ربك بظلام للعبيد لازم ہوگا۔ کہ جس شخص نے ان باتوں پر یقین کیا۔ اُس کے دل

میں خوفِ خدا ضرور ہو۔ اور جو ان باتوں سے جاہل ہوگا۔ اُس کے دل میں خوفِ خدا قرار نہیں پکڑیگا۔ پس اس بیان سے معلوم ہوا۔ کہ خدا تعالےٰ کا خوف عارف اور عالم آدمی کے سوا دوسرے کے دل میں نہیں ٹھیرتا۔ اور یہ بھی کہ بہشت ڈرنے والوں کے سوا دوسروں کو حاصل نہیں ہوگا۔ کیونکہ جس قدر انسان کو خوفِ خدا زیادہ ہوتا ہے۔ اسی قدر ہی اُس کو طاعت پر بھی استقامت زیادہ ہوتی ہے اور بہشت میں بھی ایسا ہی شخص جائیگا۔ اس لئے عقلی دلیل سے بھی ظاہر ہے۔ کہ جو آدمی خدا تعالیٰ کا زیادہ عالم ہوتا ہے۔ خدا سے اس کو خوف بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اور بہشت میں اُس کا قرب بہت آگے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ پس مذکورہ دو مقدموں سے لازم آتا ہے۔ کہ جو آدمی زیادہ عالم ہے۔ وہ بہشت میں اُس کے زیادہ نزدیک ہے۔ اور علم کی فضیلت پر یہ بہت بڑی دلیل ہے +

دوسری دلیل علم کی فضیلت پر یہ ہے۔ کہ بہت سے مفسّروں کے قول کے موافق پہلی آیت جو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر بھیجی ہے وہ یہ ہے اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ الآیۃ یعنے اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے آدمی کو بستہ خون سے پیدا کیا۔ اُس کے بعد فرمایا ہے وربّك الاکرام الذی علم بالقلم یعنے تیرا اکرم پروردگار وہ ہے۔ جس نے آدمی کو قلم سے علم سکھایا۔ ظاہر میں اس آیت پر سوال لازم آتا ہے اور وہ یہ ہے۔ کہ کلام میں کسی قسم کا تناسب ہونا ضروری ہے۔ اور اس ایک آیت میں دو باتیں بیان کی ہیں پہلی یہ کہ آدمی کو خون بستہ سے پیدا کیا۔ دوسری یہ کہ نادان ہونے کے بعد انسان کو دانا بنایا۔ اور خون بستہ اور صفت علم کے ذکر کرنے میں کچھ مناسبت نہیں۔ اور ایسی بات خدا عزوجل کے کلام میں کیونکر ہوسکتی ہے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں صفتوں کے ذکر میں بہت شریف باریکی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آدمی کے حال کی ابتداء یہ ہے کہ پہلے تو وہ علقہ یعنی خون بستہ ہوتا ہے جو سب چیزوں سے زیادہ خسیس ہے۔ اور آدمی کا انجام یہ ہے کہ وہ موجودات کی حقیقتوں کو معلوم کرلیتا ہے۔ اور یہ حالت تمام درجوں سے اعلےٰ ہے۔ پس گویا یوں فرمایا۔ کہ اے انسان تیری پہلی حالت جب تو خون بستہ تھا نہایت ہی ذلیل حالت تھی۔ ایسی ذلیل حالت سے ایسی اعلیٰ درجہ کی حالت پر پہنچنا اس بےعلت صانع کی قدرت۔ مشیت اور حکمت کے اثر پر دلیل قاطع ہے +

تیسری دلیل علم کی بزرگی میں یہ ہے کہ حقتعالیٰ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرمایا ہے

وقل رب زدنی علما۔ اے محمد عرض کر کہ اے میرے پروردگار میری دانش زیادہ کر۔ اور دوسری کسی صفت اور حالت کے واسطے اس طرح نہ ارشاد فرمایا پس اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ سب صفتوں سے بہت اچھی صفت علم اور دانش ہے۔ قتادہ رضہ نے کہا ہے۔ کہ اگر علم کی انتہاء ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام کو وہاں تک رسائی ضرور ہوتی۔ مگر ان کو وہاں تک رسائی نہیں ہوئی۔ اگر علم کی انتہا تک پہنچ جاتے۔ تو حضرت خضر علیہ السلام کے پاس جا کر یہ نہ کہتے ھل اتبعك علی ان تعلمن مما علمت رشدا۔ کیا میں تیرے ساتھ رہوں۔ اس پر کہ مجھ کو سکھا دے جو تجھ کو سکھائی ہے بھلی راہ۔ اور جب موسیٰ علیہ السلام باوجود ایسے اولو العزم اور مقرب ہونے کے علم کی انتہاء کو نہ پہنچے۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم کوئی ایک بے پایاں خزانہ ہے +

چوتھی دلیل علم کی بزرگی میں یہ ہے کہ سردار انبیاء صلے اللہ علیہ وسلم پر خداوند تعالےٰ کے بیشمار فضل تھے۔ مگر علم کی رحمت کے سوا لفظ عظیم کسی وصل کی نسبت ارشاد نہیں فرمایا۔ جیسا کہ فرمایا ہے وعلمك مالم تكن تعلم وكان فضل الله عليك عظيما۔ اور تجھ کو سکھایا جو تو نہیں جانتا تھا۔ اور اللہ کا فضل تجھ پر بڑا ہے"۔ اور نیز آپ کے حسن اخلاق کی صفت میں فرمایا ہے وانك لعلے خلق عظيم" اور بیشک تو بڑے خلق پر ہے" پس اس سے معلوم ہوا دو صفتوں سے زیادہ اور کوئی کامل نہیں۔ ایک علم دوسری خلق۔ وجہ یہ ہے کہ علم سے خدا تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہوتی ہے اور نیک خلق سے لوگوں کی رضامندی +

پانچویں دلیل علم کی فضیلت میں یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے تمام دنیا کو قلیل (تھوڑا) فرمایا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ۔ یعنی کہہ اے محمد دنیا کا متاع بہت ہی تھوڑی سی چیز ہے۔ اور ظاہر ہے کہ کل دنیا میں سے ایک آدمی کا نصیب کل دنیا کی نسبت تھوڑا ہوتا ہے لیکن علم اور حکمت کو لفظ کثیر کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا۔ اور جس کو سمجھ دی گئی تو بیشک اس نے بڑی دولت پائی"۔ پس اس سے معلوم ہوا۔ کہ دنیا کا بہت بڑا حصہ بھی بہت تھوڑا ہے۔ اور علم اور حکمت کی تھوڑی مقدار بھی بہت بڑی دولت ہے۔ پس اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ جسمانی اور حسی لذتوں سے علم و حکمت کا ہونا بہتر ہے۔ اور یاد رہے۔ کہ یہ نکتہ جو میں نے قرآن کی آیت سے نکالا ہے عقلی دلیل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ دنیا اور دنیا کی تمام لذتیں شہوت کا سبب ہیں۔ اور علم اور حکمت اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا سبب ہے۔ پس جس قدر فرق خدا تعالیٰ کی رضا اور شہوت و غضب

کی رضا میں ہے۔ اسی قدر فرق روحانی لذتوں میں جن کا منشاء علم اور حکمت ہے۔ اور جسمانی اور حسی لذتوں کے درمیان ہے +

چھٹی دلیل علم کی بزرگی میں یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ " تو کہہ کیں برابر ہوتے ہیں سمجھ والے اور بے سمجھ" اور دوسری جگہ فرمایا ہے قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ "کہو کیں برابر ہوتا ہے اندھا اور دیکھتا" پس جس طرح پلید اور پاک اور اندھے اور بینا اور اندھیرے اور نور اور سایہ اور دھوپ کی شدت میں کچھ نسبت نہیں ہوتی۔ اسی طرح دانا اور نادان میں کچھ نسبت نہیں ہوتی +

ساتویں دلیل علم کی بزرگی میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو آیتوں میں علماء کو اپنے ذکر کے مرتبے سے دوسرے مرتبے پر یاد کیا ہے۔ اور دو دوسری آیتوں میں واسطہ کو درمیان سے اُٹھا دیا ہے۔ اور اپنے ذکر کے بعد علماء کے سوا اور کسی کو یاد نہیں کیا۔ پہلی دو آیتوں میں سے ایک یہ ہے شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ۔ اللہ نے گواہی دی کہ کوئی معبود نہیں اس کے سوا اور فرشتوں نے اور علم والوں نے۔ اس آیت میں اپنے ذکر کے بعد ملائکہ کا ذکر کیا ہے۔ اور اُس کے بعد علماء کا۔ اور دوسری آیت میں یہ ارشاد کیا ہے أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ۔ حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو اختیار والے ہیں تم میں سے ایمانداروں کے واسطے اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کے ساتھ ہی اولوالامر کی اطاعت کو بھی ذکر فرمایا ہے۔ اور اولوالامر علماء ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بادشاہوں کی تلوار عالموں کی قلم کے تابع ہے۔ لیکن عالم لوگوں کا قلم بادشاہوں کی تلوار کا تابع نہیں ہوتا۔ اور دوسری دو آیتیں جن میں واسطہ کو اُٹھا دیا ہے۔ اور اپنے ذکر کے بعد انہیں یاد کیا ہے وہ یہ ہیں۔ فرمایا ہے وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ اور اُن کی حقیقت کوئی نہیں جانتا سوا اللہ کے اور جو مضبوط علم والے ہیں۔ یعنے متشابہ آیتوں کی تاویل کوئی نہیں جانتا۔ مگر خدا تعالےٰ جانتا ہے۔ اور وہ جانتے ہیں۔ جو علم میں قدم مضبوط رکھتے ہیں۔ اور دوسری یہ ہے كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِندَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ " اللہ بس ہے گواہ میرے اور تمہارے درمیان اور جس کو خبر ہے کتاب کی"۔ یعنے کہہ اے محمدؐ کہ میرے پیغمبر ہونے کی صحت میں خدا تعالےٰ گواہ کافی ہے اور وہ لوگ جو خدا کی کتابوں کے عالم ہیں۔ اس تقریر سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ علم اور

معرفت کی صفت کے بغیر مخلوق میں سے افضل اور کامل ہونے کا درجہ کسی شخص کو حاصل نہیں ہوتا
آٹھویں دلیل علم کی فضیلت میں یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے یرفع اللہ الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجاتٍ تم لوگوں میں سے جو ایمان لائے ہیں۔ اور جن کو علم دیا گیا ہے اللہ ان کے درجے بلند کرے گا۔ پہلے تو یہ فرمایا ہے یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ یعنے اللہ مومنوں کے درجے بلند کرتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا ہے وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰت۔ یعنے اور بلند کرتا ہے درجے ان لوگوں کے جو علم دئے گئے۔ پس لائق یہ ہے کہ یہ درجے استغراق کے طریق پر اہل علم کے لئے مخصوص ہوں۔ اس لئے لازم آتا ہے کہ قرب اور ثواب کے تمام درجے اس قول کے تحت میں ہوں۔ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ اور جب یہ سب درجے اس قول کے ماتحت ہوئے۔ تو اس سے یہ لازم آتا ہے۔ کہ اہل علم کے درجے سب لوگوں کے درجوں سے زیادہ کامل ہوں +

نانویں دلیل علم کی فضیلت میں وہ کہ حق تعالےٰ حضرت سلیمان علیہ السلام سے حکایت کرتے ہیں۔ جب سلیمان نے عرض کی کہ هَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ۔ بخش مجھ کو وہ بادشاہی کہ نہ دی جائے کسی کو پیچھے میرے“ تو حق تعالیٰ نے آپ کے حق میں فرمایا فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَيْثُ اَصَابَ پھر ہم نے ہوا اس کے تابع کر دی۔ اس کے حکم سے نرم نرم چلتی جہاں پہنچنا چاہتا۔ پس سلیمان علیہ السلام نے باوجود اس کے کہ سب جہان آپ کے فرمان میں تھا اور جن اور انسان سب تابعدار تھے۔ اس پر فخر نہیں کیا۔ اور علم منطق الطیر کے جاننے سے فخر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بطور حکایت کے ان سے فرمایا ہے عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ۔ ہم کو سکھائی ہے بولی اُڑتے جانوروں کی اور دیا ہم کو ہر چیز میں سے بیشک یہی ہے صریح بڑائی۔ اور علم منطق الطیر اس سے زیادہ نہیں۔ کہ مرغ بولے اور انسان سمجھ جائے کہ اس آواز سے مرغ کا مطلب کیا ہے پس جب اتنا علم سب جہان کے ملک سے بہتر ہے تو جو آدمی حق تعالیٰ کی پاک ذات اور اُس کے جلال کی صفتوں اور اس کے افعال کی حکمت کا عالم ہوگا۔ وہ زیادہ فضل ہوگا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان علموں کو دنیا کے علموں سے کچھ نسبت نہیں +

دسویں دلیل علم کی بزرگی میں یہ ہے کہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کے پیدا ہونے کے وقت کہا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ۔

کیا تو بنائے گا اس میں جو شخص فساد کرے وہاں اور کرے خون اور ہم پڑھتے ہیں خوبیاں اور یاد کرتے ہیں تیری ذاتِ پاک کو" یعنے ایسی قوم کی پیدائش میں کیا حکمت ہے جو ناحق فساد اور خون ریزی کرے۔ درگاہ رب العزت سے جواب آیا اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ مجھ کو معلوم ہے جو تم نہیں جانتے" یعنے پیدا کرنے والا میں ہوں۔ پیدائش میں وہ حکمت جانتا ہوں جسے تم نہیں جانتے۔ اس کے بعد فرمایا وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ سکھائے آدم کو نام سارے پھر وہ پیش کئے آگے فرشتوں کے" یعنے آدم علیہ السلام کو عالم بنایا اور ایسا کہا کہ آدمؑ کا علم فرشتوں کے علم سے بھی بڑھ گیا۔ اور اس سے آدم علیہ السلام کے حال کا کمال جتلا دیا اور اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ کی حکمت کا بھید ظاہر کر دیا۔ اگر خدا تعالے کی مخلوقات میں کوئی چیز علم سے زیادہ شریف اور کامل ہوتی۔ تو آدم کے حال کا کمال اس چیز سے ظاہر ہونا چاہئے تھا۔ اور جب آدم علیہ السلام کے پیدا کرنے میں حق تعالیٰ کی حکمت کی معرفت علم کے سوا کوئی چیز نہیں تھی۔ تو اس سے سمجھ لینا چاہئے کہ علم ایک اشرف درجہ اور اعلےٰ حکمت کا نام ہے +

فصل ۲

ان دلیلوں کے بیان میں جو توریت اور زبور اور انجیل سے ثابت ہیں

توریت کی دلیل۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے یَا مُوْسٰی عَظِّمِ الْحِكْمَةَ "اے موسیٰ حکمت کی تعظیم کر۔ فَاِنِّیْ لَا اَجْعَلُ الْحِكْمَةَ فِیْ قَلْبِ عَبْدٍ اِلَّا وَاَرَدْتُ اَنْ اَغْفِرَ لَهٗ کیونکہ میں حکمت اسی بندہ کے دل میں ڈالتا ہوں جس کو میں بخشدینا چاہتا ہوں۔ فَتَعَلَّمْهَا ثُمَّ اعْمَلْ بِهَا ثُمَّ بُذَّ الَیْهَا لِیْ تَنَالَ كَرَامَتِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ۔ پس پہلے علم اور حکمت سیکھ پھر اس پر عمل کر اوروں کو سکھلا تاکہ تو دنیا اور آخرت میں میری کرامتوں کا مستحق بنے +

زبور کی دلیل۔ زبور میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یَا دَاؤدُ اِذَا رَاَیْتَ عَاقِلًا فَكُنْ لَهٗ خَادِمًا اے داؤد جہاں کہیں کسی دانا کو تو دیکھے اس کی خدمت کر) اور دوسری روایت میں فرمایا ہے قُلْ لِاَحْبَارِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ (اے داؤد بنی اسرائیل کے علما کو کہو) خَالِطُوْا مِنَ النَّاسِ الْاَتْقِیَاءَ (پرہیزگار آدمیوں سے دوستی کرو)۔ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْهِمْ تَقِیًّا فَخَالِطُوا الْعُلَمَاءَ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَخَالِطُوا الْعُقَلَاءَ (پس اگر ان میں پرہیزگار نہ ملیں تو علماء کے ساتھ دوستی کرو

اور اگر وہ نہ ملیں تو عقلا کے ساتھ دوستی کرو) فَاِنَّ التَّقْوٰی وَالْعِلْمَ وَالْعَقْلَ ثَلٰثُ مَرَاتِبَ ۔ (کیونکہ تقوے اور علم اور عقل کے تین مرتبے ہیں)۔ مَا جَعَلْتُ وَاحِدًا مِّنْهُنَّ فِیْ اَحَدٍ مِّنْ خَلْقِیْ وَ اَنَا اُرِیْدُ ھَلَاکَہٗ ۔ ان صفتوں میں سے کوئی ایک صفت اسی شخص میں ہیں نے پیدا کی ہے جس کو میں نے عذاب سے آزاد کر دیا ہے ✦

سوال ۔ جب تقوے کو علم پر مقدم رکھا ہے ۔ تو اس سے لازم آتا ہے کہ تقوے علم سے افضل ہو ۔ جواب ۔ ہم کہتے ہیں جب تک علم نہ ہو تقوے نہیں ہوتا ۔ کیونکہ جو آدمی عالم نہیں ہوتا وہ نہیں جانتا کہ کرنے والا کونسا کام ہے اور نہ کرنے والا کونسا پس بغیر علم کے تقوی نہیں ہوسکتا ۔ پس متقی وہ شخص ہوتا ہے جو عالم اور عامل ہو ۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ۔ عالم باعمل عالم بے عمل سے بہتر ہوتا ہے ✦

انجیل کی دلیل ۔ اللہ تعالیٰ سترھویں سورہ میں فرماتا ہے وَیْلٌ لِّمَنْ یَسْمَعُ بِالْعِلْمِ فَلَمْ یَطْلُبْہُ کَیْفَ یُحْشَرُ مَعَ الْجُھَّالِ اِلَی النَّارِ ۔ اس شخص پر افسوس ہے جو علم کی کوئی بات سُنے اور پھر اس کو طلب نہ کرے بیشک اُس کا حشر جاہلوں کے ساتھ دوزخ میں ہوگا ۔ اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَ تَعَلَّمُوْا ۔ علم کی تلاش کرو اور اسے سیکھو ۔ وَلَا تَقُوْلُوْا نَخَافُ اَنْ نَّعْلَمَ فَلَا نَعْمَلُ اور یہ نہ کہو ہم ڈرتے ہیں کہ علم سیکھیں اور اس پر عمل نہ کریں ۔ وَلٰکِنْ قُوْلُوْا نَرْجُوْا اَنْ نَّعْلَمَ فَنَعْمَلُ ۔ لیکن یہ کہو ہمیں امید ہے کہ علم سیکھ کر اس پر عمل کرینگے ۔ وَالْعِلْمُ یَشْفَعُ لِصَاحِبِہٖ کیونکہ علم آدمی کے گناہوں کا شفیع ہوگا ۔ وَحَقٌّ عَلَی اللّٰہِ اَنْ لَّا یُخْزِیَہٗ خداوند تعالیٰ کے کرم پر علم کا یہ حق ہے کہ اسے عذاب اور ذلت سے بچائے ۔ اللہ تعالیٰ فرمائیگا یَا مَعْشَرَ الْعُلَمَاءِ مَا ظَنُّکُمْ بِرَبِّکُمْ یعنے اے اہل علم کے گروہ تمہارا اپنے خدا پر کیا گمان ہے ۔ فَیَقُوْلُوْنَ ظَنُّنَا اَنْ تَرْحَمَنَا وَ تَغْفِرَ لَنَا تو وہ عرض کرینگے ہمیں یقین ہے کہ تو ہم پر رحم کرے گا اور ہمارے گناہوں کو بخش دے گا فَیَقُوْلُ اللّٰہُ تَعَالٰی فَاِنِّیْ قَدْ فَعَلْتُ پس خداوند تعالیٰ فرمائیگا کہ میں نے تم کو بخش دیا ۔ اِنِّیْ اسْتَوْدَعْتُکُمْ حِکْمَتِیْ لَا لِشَرٍّ اَرَدْتُ بِکُمْ بَلِ الْخَیْرِ فَادْخُلُوْا جَنَّتِیْ بِرَحْمَتِیْ میں نے تمہارے دل میں اپنی حکمت کو امانت رکھا ہے ۔ اس سے تمہارے ساتھ شر کا ارادہ نہیں بلکہ خیر کا ہے پس داخل ہو جاؤ بہشت میں میری رحمت سے ۔ مقاتل بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں قال اللہ تعالیٰ فی الانجیل یا عیسی اعظم العلماء واعترف فضیلتھم ۔ اللہ تعالیٰ نے انجیل میں فرمایا ہے اے عیسیٰ عالموں کی تعظیم کر اور ان کی بزرگی کو پہچان ۔ فَاِنِّیْ فَضَّلْتُھُمْ عَلٰی جَمِیْعِ خَلْقِیْ

اِلاَّ النَّبِیِّیْنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ کیونکہ میں نے ان کو سوا نبیوں اور پیغمبروں کے تمام لوگوں پر بزرگی دی ہے ۔ کَفَضْلِ الشَّمْسِ عَلَی الْکَوَاکِبِ جیسی کہ آفتاب کو دوسرے ستاروں پر بزرگی ہے وَکَفَضْلِ الْاٰخِرَۃِ عَلَی الدُّنْیَا اور جیسی کہ آخرت کی دنیا پر فضیلت ہے ۔ وَکَفَضْلِیْ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ اور جیسے میری بزرگی ہر ایک شئے پر ہے +

فصل ۔ ۳

حدیثوں سے علم کی بزرگی کے بیان میں

حدیثوں سے علم کی فضیلت کی دلیلیں بہت ہی کثرت سے ہیں + پہلی حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تَفَکُّرُ سَاعَۃٍ خَیْرٌ مِنْ عِبَادَۃِ سِتِّیْنَ سَنَۃٍ یعنے ایک ساعت فکر کرنا ساٹھ سال کی بندگی سے افضل ہے ۔ اس بات کی عقلاً تین صورتوں سے تاکید ہوتی ہے ۔ پہلی یہ کہ تفکر انسان کو خداوند تعالےٰ کی معرفت تک پہنچاتا ہے ۔ اور طاعت انسان کو بدلے کا مستحق بناتی ہے اور بدلہ نفس کا حصہ ہے ۔ اور خدا تعالےٰ کی معرفت نفس کے حصہ سے بہت بڑھ کر ہے ۔ اس لئے ثابت ہوا کہ فکر کرنا عبادت سے افضل ہے ۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ فکر روح کا کام ہے اور بندگی جسم کا کام ۔ اور روح جسم سے اشرف ہے ۔ اس لئے معلوم ہوا کہ فکر کرنا بندگی سے بہتر ہے ۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ بغیر بندگی کے فکر کرنا نجات کا سبب ہے اس لئے کہ کافر توحید کی دلیلوں میں فکر کرے ۔ تو وہ عارف ہو جاتا ہے ۔ اور اگر اسی حال میں مرجائے تو بالاتفاق بہشتی ہو جاتا ہے ۔ لیکن اگر وہ معرفت کے سوا ہزار سال تک عمل کرے تو ہرگز ناجی نہیں ہو گا ۔ پس فکر بندگی کا محتاج نہیں ۔ اور بندگی فکر کی محتاج ہے ۔ اس لئے فکر بندگی سے افضل ہے +

دوسری حدیث ۔ ثابت رضؓ انس رضؓ سے روایت کرتا ہے ۔ کہ سرور انبیا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مَنْ اَحَبَّ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی عُتَقَاءِ اللّٰہِ تَعَالٰی فَلْیَنْظُرْ اِلَی الْعُلَمَاءِ وَالْمُتَعَلِّمِیْنَ جو شخص یہ چاہے کہ ان لوگوں کو دیکھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے دوزخ سے آزاد کر دیا ہے تو اُسے کہدے کہ وہ عالموں اور طالب علموں کو دیکھے ۔ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَا مِنْ مُتَعَلِّمٍ یَخْتَلِفُ اِلٰی بَابِ عَالِمٍ اِلَّا کَتَبَ اللّٰہُ تَعَالٰی لَہٗ بِکُلِّ قَدَمٍ عِبَادَۃَ سَنَۃٍ پس اس خدا کی قسم ہے کہ جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے ۔ طالب عالم کے درواز

بڑھ جاتا ہے خداوند تعالیٰ اس کے ہر ایک قدم پر اپنے کرم سے ایک سال کی عبادت کا ثواب لکھتا ہے۔ وَيُبْنَى لَهٗ بِكُلِّ قَدَمٍ مَدِيْنَةٌ فِى الْجَنَّةِ۔ اور ہر ایک قدم پر اس کے لئے بہشت میں ایک شہر بناتا ہے وَيَمْشِىْ عَلَى الْاَرْضِ وَالْاَرْضُ يَسْتَغْفِرُ لَهٗ اور وہ جس زمین پر چلتا ہے زمین اس کے واسطے بخشش کی دعا کرتی ہے وَيُصْبِحُ مَغْفُوْرًا لَهٗ اور صبح کو بخشا ہوا اٹھتا ہے وَشَهِدَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ لَهُمْ بِاَنَّهُمْ عُتَقَاءُ اللّٰهِ تَعَالٰى مِنَ النَّارِ اور فرشتے ان کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ لوگ دوزخ کی آگ سے آزاد ہیں +

تیسری حدیث پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم سے ابوہریرہ رضہ روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا ہے مَنْ صَلّٰى خَلْفَ عَالِمٍ مِنَ الْعُلَمَاءِ فَكَاَنَّمَا صَلّٰى خَلْفَ نَبِيٍّ مِنَ الْاَنْبِيَآءِ جس آدمی نے کسی عالم کے پیچھے نماز پڑھی گویا وہ نماز اس نے پیغمبروں میں سے کسی پیغمبر کے پیچھے پڑھی +

چوتھی حدیث ابن عمر رضہ سرور انبیاء صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا ہے فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ سَبْعِيْنَ دَرَجَةً عابد پر عالم کی بزرگی ستر درجہ ہے مِنْ كُلِّ دَرَجَةٍ حُضْرُ الْفَرَسِ سَبْعِيْنَ عَامًا ہر ایک درجہ ستر سال تک دوڑنے والے گھوڑے کی راہ کے برابر ہے اِنَّ الشَّيْطَانَ يَضَعُ الْبِدْعَةَ لِلنَّاسِ فَيُبْصِرُهَا الْعَالِمُ فَيُزِيْلُهَا۔ بیشک شیطان لوگوں کے رستے میں بدعت رکھ دیتا ہے۔ پس عالم اس کو دیکھ کر دور کر دیتا ہے وَالْعَابِدُ يَشْتَغِلُ عَلٰى عِبَادَتِهٖ اور عابد آدمی اپنی عبادت میں ہی مشغول رہتا ہے۔ اور دوسرے لوگوں کو اس سے کچھ فائدہ نہیں پہنچتا +

پانچویں حدیث۔ سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے جب علی بن ابیطالب رضہ کو یمن کیطرف بھیجا۔ تو آپ نے فرمایا یاعلی لان يَهْدِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا اے علی اگر خدا تعالیٰ تیرے سبب سے ایک آدمی کو ہدایت دے۔ خَيْرٌ لَكَ مِمَّا تَطْلُعُ عَلَيْهِ الشَّمْسُ وَتَغْرُبُ۔ تو تیرے لئے ان تمام چیزوں سے جس پر آفتاب چمکتا ہے۔ اور پھر غروب ہو جاتا ہے بہتر ہے +

چھٹی حدیث۔ مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُحَدِّثَ بِهِ النَّاسَ ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ تَعَالٰى۔ جو آدمی اس واسطے علم کی طلب کرتا ہے کہ خدا کی رضامندی کے لئے اس سے لوگوں کو ہدایت کرے۔ اَعْطَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَجْرَ سَبْعِيْنَ نَبِيًّا اللہ تعالیٰ اس کو ستر پیغمبروں کا ثواب بخشتا ہے +

ساتویں حدیث۔ عامر جہنی رض سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا ہے یُؤتیٰ مِدَادُ طَالِبِ الْعِلْمِ وَدَمُ الشُّهَدَاءِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لَا یَفْضُلُ اَحَدُهُمَا عَلَى الْاٰخَرِ قیامت کے دن طالب علموں کی سیاہی اور شہیدوں کا خون لایا جائے گا۔ اُن میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت نہیں ہوگی۔ اور ایک روایت میں آیا ہے یُرَجَّحُ مِدَادُ الْعُلَمَاءِ طالب علموں کی سیاہی کو ترجیح دی جائے گی ✤

آٹھویں حدیث۔ عبداللہ بن عمر رض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے یَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى لِلْعُلَمَاءِ اِنِّیْ لَمْ اَضَعْ عِلْمِیْ فِیْكُمْ وَاَنَا اُرِیْدُ اَنْ اُعَذِّبَكُمْ اللہ تعالےٰ علماء کو فرماتا ہے۔ میں نے تمہارے دل میں علم اسواسطے نہیں رکھا۔ کہ تم کو عذاب دوں۔ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ بہشت میں داخل ہو جاؤ میں نے تم کو بخشدیا ✤

نانویں حدیث۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے لَا تُجَالِسُوْا كُلَّ عَالِمٍ اِلَّا عَالِمًا یَدْعُوْكُمْ مِنَ الْخَمْسِ اِلَى الْخَمْسِ کسی عالم کے پاس نہ بیٹھو مگر اس کے پاس جو تمہیں پانچ چیزوں سے ہٹا کر پانچ چیزوں کی طرف بلائے۔ مِنَ الشَّكِّ اِلَى الْیَقِیْنِ شک سے یقین کی طرف بلالے وَمِنَ الْكِبْرِ اِلَى التَّوَاضُعِ اور تکبر سے تواضع کی طرف۔ وَمِنَ الْعَدَاوَةِ اِلَى النَّصِیْحَةِ اور دشمنی سے خیر خواہی کی طرف۔ وَمِنَ الرِّیَاءِ اِلَى الْاِخْلَاصِ اور ریا سے اخلاص کی طرف۔ وَمِنَ الرَّغْبَةِ اِلَى الزُّهْدِ اور دنیا کی جانب رغبت کرنے سے زہد کی طرف ✤

دسویں حدیث۔ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے عَشَرَةٌ یُسْتَجَابُ لَهُمُ الدَّعْوَةُ دس آدمیوں کی دعا قبول ہو جاتی ہے۔ ان میں سے ایک عالم ہے۔ دوسرا طالب علم۔ تیسرا صاحب خوش خُو۔ چوتھا بیمار۔ پانچواں یتیم۔ چھٹا غازی۔ ساتواں حاجی۔ آٹھواں وہ شخص جو لوگوں کو نصیحت کرے۔ نانواں وہ لڑکا جو اپنے ماں باپ کا فرمانبردار ہو۔ دسویں وہ عورت ہے جو اپنے شوہر کی فرمانبردار ہو۔

علم کی فضیلت میں حدیثیں تو کثرت سے آئی ہیں۔ مگر اس مختصر کتاب میں ان پر ہی کفایت کی گئی ہے ✤

فصل ۔ ۴

مال پر علم کی فضیلت ۔ آثار سے مال پر علم کی بزرگی

امیر المومنین علی بن ابیطالبؓ نے اپنے ایک شاگرد کمیل بن زیاد کو فرمایا اَیْ کُمَیْلُ اَلْعِلْمُ خَیْرٌ مِنَ الْمَالِ علم مال سے بہتر ہے ۔ لِاَنَّ الْعِلْمَ یَحْرُسُكَ وَاَنْتَ تَحْرُسُ الْمَالَ اس لئے کہ علم تو تجھے نگاہ رکھنے والا ہے ۔ اور تو مال کو نگاہ رکھنے والا وَالْمَالُ یَنْقُصُ بِالنَّفَقَةِ وَالْعِلْمُ یَزْدَادُ بِالْاِنْفَاقِ اور مال خرچ کرنے سے کم ہو جاتا ہے ۔ اور علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے یہ دو دلیلیں مال پر علم کی بزرگی میں حضرت علی رضؓ سے روایت کی گئی ہیں اور ان کے سوا آٹھ اور دلیلیں مجھ عاجز کو ملی ہیں ۔ پس کل دس ہوئیں ۔ اور وہ یہ ہیں +

پہلی دلیل یہ ہے ۔ کہ مال کے باعث سب دوست دشمن بنجاتے ہیں ۔ اس لئے کہ وہ انسان کے مال کے خواہاں ہیں نہ اس کے ۔ اور علم کے سبب تمام دشمن دوست بنجاتے ہیں ۔ کیونکہ ہر ایک شخص جب یہ جان لیتا ہے کہ فلاں بڑا عالم ہے ۔ تو وہ اُس کی خدمت کرتا ہے ۔ اور جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ بسبب مال کے دوست دشمن بنجاتے ہیں اور بسبب علم کے دشمن دوست ۔ تو اس میں کوئی شک نہیں کہ علم مال سے افضل ہے +

دوسری دلیل یہ ہے ۔ مال سے دنیا حاصل ہوتی ہے ۔ یعنے انسان دولتمند ہو جاتا ہے اور خدا عزوجل سے دور جا پڑتا ہے اور علم اللہ تعالےٰ کے پاس پہنچاتا ہے ۔ اور دنیا سے دور کرتا ہے ۔ اس لئے علم مال سے بہتر ہے +

تیسری دلیل ۔ مال کے باعث انسان کو جو بزرگی حاصل ہوتی ہے وہ زوال کے خطرہ میں ہوتی ہے ۔ کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص صبح کو مالدار ہے ۔ اور شام کے وقت درویش ۔ اور علم کے سبب جو عزت حاصل ہوتی ہے وہ زایل نہیں ہوتی ۔ اس لئے علم مال سے بہتر ہے ۔ ایک حکیم سے کہا گیا کہ آنکھوں سے نہ دیکھ اُس نے آنکھیں بند کر لیں ۔ پھر کہا کچھ نہ سُن اُس نے دونوں کان بند کر لئے ۔ پھر کہا نہ بول حکیم نے مُنہ کو بند کر لیا ۔ پھر کہا کچھ نہ جان یعنے کچھ علم حاصل نہ کر ۔ جواب دیا یہ ایک بات نہیں ہو سکتی +

چوتھی دلیل ۔ مرنے کے بعد مال تیرے پیچھے رہ جاتا ہے ۔ ساتھ نہیں جاتا ۔ اور علم مرنے کے بعد تیرے ساتھ رہتا ہے ۔ اس لئے علم مال سے افضل ہے +

پانچویں دلیل - مال ایک ایسا جسم ہے جو تیری ذات سے غیر ہے - اور علم وہ نور ہے جو تیری ذات میں سب جگہ چمکتا ہے - اس لئے علم مال سے بہتر ہے ۔

چھٹی دلیل - قارون کے پاس بہت مال تھا - مگر اس کا انجام یہ ہوا - فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ہم نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا - ادریس علیہ السلام عالم تھے اُن کو اس سے یہ حاصل ہوا - وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا اور اٹھایا ہم نے اُس کو ایک بلند مکان پر اس لئے علم مال سے بہتر ہے ۔

ساتویں دلیل - مال دار ہونا تو نمرود - فرعون - قارون اور ہامان کی صفت ہے - اور عالم ہونا فرشتوں پیغمبروں اور ولیوں کی صفت ہے - اس لئے علم مال سے بہتر ہے ۔

آٹھویں دلیل - علم تو روح کا مخدوم ہے اور مال جسم کا خادم اس لئے علم مال سے بہتر ہے ۔

پس ان دس دلیلوں سے معلوم ہوا - کہ بہر حال علم مال سے افضل و بہتر ہے - ایک جاہل نے کسی حکیم سے پوچھا - کہ میں عالموں کو ہمیشہ بادشاہوں کے دروازہ پر جمے ہوئے دیکھتا ہوں - اور ایسا نادر ہوا ہے کہ بادشاہ بھی کسی عالم کے دروازہ پر گیا ہو - اگر علم مال سے بہتر ہوتا تو یہ معاملہ اس کے برعکس ہوتا - حکیم نے جواب دیا - کہ عالم جانتا ہے کہ علم میں بھی فائدہ ہے اور مال میں بھی - اس لئے دونوں چیزوں کی طلب کرتا ہے - اور جاہل یہ نہیں جانتا کہ علم میں کیا فائدے ہیں اسلئے وہ علم کی تلاش نہیں کرتا - پس یہ بات تو علم کے کمال اور جہل کے نقصان پر دلالت کرتی ہے ۔

اور اثر - عبداللہ بن زبیر رض سے ان کے لڑکپن کے زمانہ میں لوگوں نے پوچھا کہ تم عالم اور درویش ہونا بہتر سمجھتے ہو یا تونگر اور جاہل ہونا - آپ نے فرمایا - علم کا درویشی کے ساتھ ہونا اچھا ہے - کیونکہ جب میں عالم ہونگا تو ہو سکتا ہے کہ علم کے سبب مالدار ہو جاؤں اور اُس وقت عالم بھی ہونگا - اور مالدار بھی - اور اگر جاہل رہا تو ممکن ہے کہ جہالت کے باعث کوئی ایسا کام کر لوں کہ مال نہ رہے تو پھر میرے پاس جہالت اور درویشی دونوں باقی رہجائینگی ۔

اور اثر - ابن عباس رض نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو علم اور مال میں مخیر کیا " یعنے اختیار دیا کہ دونوں میں سے جو چاہے اُسے پسند کر لے " سلیمان ع نے علم کو اختیار کیا - جس کا نتیجہ یہ ہوا علم بھی حاصل ہو گیا - اور ملک اور مال بھی ۔

اور اثر۔ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے اپنے بیٹے کو یہ وصیت کی ہے
یَا بُنَیَّ عَلَیْکَ بِالْاَدَبِ فَاِنَّہٗ صَفَاءُ الرُّوْحِ وَدَلِیْلٌ عَلَی الْمُرُوَّۃِ وَاَنِیْسٌ فِی الْوَحْشَۃِ وَصَاحِبٌ فِی الْغُرْبَۃِ وَقَرِیْنٌ فِی الْحَضَرِ وَصَدْرٌ فِی الْمَجْلِسِ وَوَسِیْلَۃٌ اِلٰی تَحْصِیْلِ الْمَطَالِبِ وَغِنًی عِنْدَ الْعَدَمِ وَرِفْعَۃٌ لِلْخَسِیْسِ وَکَمَالٌ لِلشَّرِیْفِ وَجَلَالَۃٌ لِلْمُلُوْکِ۔ اے بیٹا علم اور ادب سیکھ۔ کیونکہ علم میں دس فائدے ہیں (۱) عالم ہونا روح کے جوہر کی صفائی اور مروت کے کمال پر دلیل ہوتی ہے۔ (۲) تنہائی کے وقت میں تیرا غمخوار اور ہمنشین ہوتا ہے۔ (۳) غربت میں تیرا رفیق بنا رہتا ہے۔ (۴) حضرت میں تیرا ساتھی بنتا ہے۔ (۵) تو جس مجلس میں جائے علم تجھے اس مجلس کی صدر گاہ پر بٹھلاتا ہے۔ (۶) تیری ہر ایک مراد علم کے سبب حاصل ہو سکتی ہے۔ (۷) اگر تو درویش ہو تو علم تیرا مال بنتا ہے۔ (۸) اگر کوئی مرد اصیل نہ ہو۔ تو عالم بن کر وہ بھی عزیز ہو جاتا ہے۔ (۹) اگر مرد اصیل ہو تو اس کا علم حاصل کرنا اسکی اصالت اور عزت کو اور بڑھاتا ہے اگر مرد بادشاہ ہو تو علم اس کی بزرگی اور رعب کو زیادہ کرتا ہے۔

کتاب کلیلہ دمنہ میں لکھا ہے کہ تین گروہ ایسے ہیں کہ ان کے حقوق کی حفاظت اور رعایت میں کبھی کوتاہی نہیں کرنی چاہئے۔ عالم۔ بادشاہ اور بھائی + جو شخص علماء کے حقوق کی حفاظت اور رعایت میں کوتاہی کرتا ہے وہ اپنے دین کو ضائع کر دیتا ہے۔ اور جو بادشاہ کے حقوق کی حفاظت اور رعایت میں کوتاہی کرتا ہے وہ دنیا کھو بیٹھتا ہے۔ اور جو بھائیوں کے حقوق کی حفاظت اور رعایت میں کوتاہی کرتا ہے وہ اپنی مروت کی صفت کو ضائع کر دیتا ہے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے فَاحْتَمَلَ السَّیْلُ زَبَدًا رَّابِیًا پھر اوپر لا یا پر و کار یلا جھاگ پھولا ہوا۔ بعض مفسر اس آیت کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں۔ کہ یہاں سیل سے مراد علم ہے۔ اور علم اور سیل کے درمیان پانچ وجہ سے مشابہت ہے۔ (۱) جس طرح پانی آسمان سے اترا ہے اسی طرح علم آسمان سے نازل ہوا ہے۔ (۲) زمین کی بہتری بارش میں ہے اور لوگوں کے مال کی بہتری علم اور ایمان میں۔ (۳) جیسے زراعت اور نباتات کا زمین سے اگنا پانی کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ اسی طرح لوگوں سے طاعت اور خیرات کا ظہور علم اور حکمت کی برکت سے ہوتا ہے۔ (۴) جب تک بادل نہ گرجے اور بجلی نہ چمکے مینہ نہیں برستا۔ اسی طرح جب تک وعدے اور وعید اور ترغیب اور ترہیب والے مضامین نہ سنے جائیں علم اور عمل ظاہر نہیں ہوتا۔ (۵)۔ جیسا کہ بارش تب ہی مفید ہوتی ہے کہ اندازہ سے ہو۔ اگر اندازہ کی حد سے زیادہ یا کم ہو تو نقصان

پہنچاتی ہے۔ یہی علم کا حال ہے۔ سب چیزوں کے علم کی تلاش کے پیچھے نہیں پڑنا چاہئیے۔ خدا تعالیٰ کی صمدیت کی معرفت کی کنہ اور اس کی الٰہیت کی حکمت کے اسرار میں غوض کرنا جائز نہیں +

بعض مشائخ علیہم الرحمۃ نے فرمایا ہے۔ کہ حقتعالیٰ نے دنیا کو پانچ چیزوں سے آراستہ کیا ہے (۱) عالموں کے علم سے۔ (۲) بادشاہوں کے عدل سے۔ (۳) عابدوں کی طاعت سے۔ (۴) تاجروں کی امانت سے۔ (۵) درویشوں کے توکل سے۔ اور شیطان ملعون نے ان پانچ چیزوں کی بجائے اور پانچ خصلتیں رکھ دی ہیں۔ (۱) علم کی بجائے تو عالموں کے دلوں میں حسد بھر دیا ہے۔ (۲) بادشاہوں کے دلوں میں عدل کی بجائے ظلم رکھ دیا ہے۔ (۳) عابدوں کے دلوں میں عبادت کی بجائے ریاکاری ڈال دی ہے (۴) تاجروں کے دلوں میں امانت کی بجائے خیانت بھر دی ہے۔ (۵) درویشوں کے دلوں میں توکل کی بجائے حرص رکھ دی ہے۔ اور یہ بھی مشائخ علیہم الرحمۃ نے فرمایا ہے۔ کہ طلب علم میں مومن کی رغبت چھ جہت سے ہوتی ہے۔ اور یہ بھی فرمایا ہے کہ جو آدمی سات گروہ کے لوگوں کے پاس بیٹھتا ہے۔ اُسے سات صفتیں حاصل ہوتی ہیں۔ جو مالداروں کے پاس بیٹھتا اور اُن کی باتیں سنتا ہے۔ اُس کے دل میں دنیا کی دوستی گڑ جاتی ہے اور خداوند تعالیٰ کی نعمت کا کفران اُسکے دل میں آ جاتا ہے۔ دوم جو درویشوں کے پاس بیٹھتا ہے اور اُن کی باتیں سنتا ہے۔ اس کے دل میں زہد کی دوستی ہو جاتی ہے اور نعمت کی حالت میں شکر گزار رہتا ہے۔ اور مصیبت کے وقت میں صابر ہوتا ہے اور ہر حال میں خدا کی قضا پر راضی رہتا ہے۔ سوم جو بادشاہوں کے پاس بیٹھتا ہے تکبر اور خودپسندی اس پر غالب آ جاتی ہے۔ چہارم۔ جو عورتوں کے پاس اُٹھتا بیٹھتا اور اُن کے کہنے پر عمل کرتا ہے۔ جہالت اور بلادت یعنے کند ذہنی اُس پر غلبہ پا لیتی ہے پنجم۔ جو بچوں اور لڑکوں کے پاس بیٹھتا ہے اُس کے دل میں گناہ کا ڈر نہیں رہتا۔ ششم۔ جو اہل صلاح کے ساتھ صحبت رکھتا ہے اُس میں طاعت زیادہ ہوتی ہے۔ ہفتم۔ جو عالموں کے پاس بیٹھتا ہے اس کے روح کے جوہر میں روشنی اور صفائی بڑھتی ہے۔ اور ایسا ہو جاتا ہے جیسا کہ یہ کہا ہے اٰخِرُ دَرَجَاتِ الْاِنْسَانِیَّۃِ اَوَّلُ دَرَجَاتِ الْمَلٰٓئِکَۃِ +

خلیل بن احمد بصری رح کہتے ہیں۔ کہ لوگوں کے چار گروہ ہیں۔ ایک تو وہ ہے جو علم رکھتا ہے اور اسے اپنے عالم ہونے کی خبر بھی ہے اسکی متابعت کرنی چاہئیے۔ دوسرا وہ ہے۔ کہ جانتا ہے لیکن یہ نہیں جانتا۔ کہ میں جانتا ہوں۔ یہ سویا ہوا ہے اس کو جگانا چاہئیے۔

تیسرا وہ ہے کہ نہیں جانتا لیکن یہ بھی جانتا ہے کہ میں نہیں جانتا۔ یہ تلاش کرنے والا ہے۔ اسے رہنمائی کرنی چاہیئے۔ چوتھا وہ ہے کہ نہیں جانتا اور اپنے نہ جاننے سے بھی بے خبر ہے اور اس کو اپنے نہ جاننے کا پختہ خیال ہوتا ہے۔ وہ شیطان مردود ہے۔ اس سے دُور رہنا چاہیئے +

فصل ۵

علم کی حقیقت اور اس کی کیفیت و ماہیت

اشیاء کی حقیقتوں کی پہچان دو نوع پر ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ کسی مُعرِّف کی تعریف سے معرفت حاصل ہو۔ چنانچہ اگر وہ تعریف اس کی ماہیت کے اجزاء کے ذکر کرنے سے ہوگی تو اسے حد کہینگے۔ اور اگر اس کی پہچان آثار اور اُس کے لوازم سے ہو تو اُسے رسم کہتے ہیں۔ دوسری یہ کہ کسی مُعرِّف کی تعریف اور کسی حد اور رسم کے ذکر کے سوا عقلمندوں کو کسی چیز کی معرفت حاصل ہو۔ اور یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ ایسا بھی نہیں۔ کہ تمام حقیقتوں کی معرفت کسی مُعرِّف یا کسی حد اور رسم پر ہی موقوف ہے۔ "ایسا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جس معرِّف سے تعریف کرینگے اس کے لئے بھی دوسرے معرِّف اور حد اور رسم کی حاجت پڑے گی"۔ اگر ایسا ہو تو اس سے دور اور تسلسل لازم آتا ہے۔ اور یہ دونوں محال ہیں پس ضرور ہے کہ بعض حقیقتوں کی معرفت حد اور رسم کی محتاج نہ ہو۔" اور ہماری رائے یہ ہے۔ کہ علم کی حقیقت کی معرفت حد اور رسم کی احتیاج سے مستغنی ہے۔ بلکہ عقلمندوں کے واسطے علم کی حقیقت کی معرفت ایک بدیہی معرفت ہے۔ اور اس دعوے پر ہمارے پاس دو دلیلیں ہیں:۔

پہلی دلیل یہ ہے کہ تمام اہل عقل کو عقل کے ذریعہ بدیہی طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ ایک دو کا نصف ہے اور دو ایک کا دوچند۔ اور ہر ایک شخص بدیہی طور پر جانتا ہے کہ یہ علم اس کے دل کو حاصل اور اس کے دماغ میں موجود ہے۔ اور جب ان علموں کے حاصل ہونے کی اطلاع عقلاً بدیہی بات ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ علم کی حقیقت کا جاننا بدیہی اور اوّلی ہو +

دوسری دلیل یہ ہے کہ تمام معلومات کا انکشاف علم کے ذریعہ ہوتا ہے پھر کیونکر ہو سکتا ہے کہ علم

کی حقیقت کا انکشاف کسی دوسری چیز سے ہو۔ اور اس لئے لازم آتا ہے کہ علم کی ماہیت کا انکشاف وجود کے متعلق ہو۔ اور جب ایسا ہے تو درحقیقت علم کی حقیقت کا علم حد اور رسم کی تعریف سے مستغنی ہے اور سمجھ لینا چاہئے کہ علم کا تصور اگرچہ بدیہی اور اولی ہے لیکن عقلاً اسواسطے کہ اس کا انکشاف اور بیان کامل ہو جائے۔ عقلاً دو طریق سے بحث کی ہے +

پہلی قسم یہ ہے کہ جب کوئی اعتقاد دل میں پیدا ہوتا ہے تو وہ یا تو مضبوط ہوتا ہے یا متردد پس جو اعتقاد پکا ہوتا ہے اس کی دو حالتیں ہیں یا تو معتقد کے موافق ہوتا ہے۔ یا اس کے برخلاف اگر موافق ہوتا ہے تو پھر یا بالموجب ہوتا ہے یا لا بالموجب پس اگر اعتقاد پکا ہے۔ اور معتقد کے موافق ہے اور بالموجب ہے تو یہ علم ہوتا ہے اور اگر جازم اور موافق ہے۔ لیکن بالموجب نہیں۔ لا بالموجب ہے۔ تو اس اعتقاد کو تقلید کہتے ہیں اور اگر اعتقاد پکا ہے۔ اور معتقد کے موافق نہیں تو یہ جہل کہلاتا ہے۔ اور اگر پکا نہیں متردد ہے تو یہ تردد یا تو نفی اور اثبات کی دونوں جانبوں میں برابر ہوگا یا نہیں۔ اگر تردد دونوں جانب میں برابر ہو تو اسے شک کہتے ہیں۔ اگر برابر نہ ہو۔ بلکہ ایک طرف زیادتی ہو۔ اور ایک طرف کمی۔ تو جس طرف زیادتی ہوگی۔ وہ ظن ہوگا۔ اور جس طرف کمی ہوگی اُسے وہم کہیں گے +

دوسرا نوع گفتگو کا یہ ہے۔ کہ آدمی کے روح کو آئینہ کی مانند فرض کرو۔ اور آئینہ کے چہرے کی صفائی کو عقل سمجھو۔ اور جو صورتیں اور چیزیں آئینہ میں نمودار ہوتی ہیں۔ انہیں ان علموں کی مثال جانو جو عقل کی صفائی کی قوت سے روح میں ظاہر ہوتی ہیں۔ اور آئینہ میں اس چیز کی صورت کے سوا جس کو آئینہ کے ساتھ خاص مناسبت ہوتی ہے۔ دوسری کوئی چیز ظاہر نہیں ہوتی۔ یہی رُوح کی مثال ہے کہ جوہر روح میں ان علموں کے سوا اور کچھ ظاہر نہیں ہوتا کیونکہ جن کو رُوح کے ساتھ خاص مناسبت ہوتی ہے۔ اور جب آئینہ کی وضع کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پر بدل دیں تو وہ پہلی صورتیں زائل ہیں۔ اور دوسری صورتیں ظاہر ہو جاتی ہیں۔ یہی مثال ہے کہ نسبت نظر تفکر۔ اندیشہ اور دلوں کی مختلف ہوتی ہے بعض زائل ہو جاتے ہیں اور بعض دوسرے پیدا ہو جاتے ہیں یہ ہے ان تمام باتوں کا خلاصہ جنہیں علم کی معرفت اس کی ماہیت اور حقیقت کے کھولنے میں بیان کیا ہے +

فصل ۶

عقلی دلائل سے علم کی فضیلت اور اس کا درجۂ کمال

ہر ایک چیز کی فضیلت یہ ہوتی ہے کہ جو کچھ اس چیز کے حال کے کمال کے لئے مناسب ہو وہ اس چیز کو حاصل ہو۔ مثلاً ہاتھ کے حال کا کمال اس میں ہے کہ اس میں بطش کی طاقت ہو۔ اور ہاتھ میں اس قوت کا حاصل ہونا ہاتھ کی بزرگی کا باعث ہے۔ اسی طرح آنکھ کے حال کا کمال یہ ہے کہ اُس میں بینائی کی طاقت ہو۔ اور گوش کے کمال کا حال اس وقت ہوتا ہے کہ اس میں سننے کی طاقت ہو پس اس سے ظاہر ہے۔ کہ آنکھ کی فضیلت اس میں ہے کہ اس میں بینائی کی قوت ہو۔ اور کان کی فضیلت اس میں ہے کہ اس میں سننے کی قوت ہو۔ اور جب یہ مقدمہ معلوم ہوگیا۔ تو اب ہم یہ کہتے ہیں کہ آدمی دو جوہروں جسم اور روح سے مرکب ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جیسے جسم کے حال کا کمال تب ہی ہوتا ہے کہ اس میں روح ہو۔ اسی طرح روح کا کمال تب ہی ہوتا ہے کہ اس میں رُوح ہو۔ اسی طرح روح کا کمال اس وقت ہوتا ہے کہ اس میں علم اور معرفت ہو اور یہی سبب ہے کہ خدائے تعالےٰ نے قرآن میں علم کو روح کہا ہے جیسا کہ فرمایا ہے وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۔ اور دوسری آیت میں یہ فرمایا ہے يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ ۔ اور جب یہ ظاہر ہوگیا ہے۔ کہ انسان کی جزوں میں سے اشرف جز رُوح ہے۔ اور نیز معلوم ہوگیا۔ کہ روح کی اشرف حالت علم اور معرفت سے ہوتی ہے تو اس سے علم کی فضیلت کا درجہ ظاہر ہے کیونکہ انسان کی اشرف جز

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ ادراک عقلی حسّی ادراک سے زیادہ شریف ہے۔ اور اس مقدمہ کی صحت پر دس دلیلیں ہیں:-

پہلی دلیل یہ ہے۔ کہ قوت باصرہ اپنے آپ کو ادراک نہیں کرسکتی۔ اور نہ ہی اپنے ادراک کے آلہ کو سمجھ سکتی ہے لیکن قوتِ عاقلہ اپنے آپ کو ادراک کر لیتی ہے۔ پس اس سے لازم آتا ہے۔ کہ قوت عقلی قوتِ حسّی سے زیادہ کامل ہو+

+ جو چیز سے کہ انسان کے حال کا کمال علم اور معرفت کو ہے

دوسری دلیل یہ ہے کہ قوتِ باصرہ کلیات کا ادراک نہیں کرسکتی۔ مگر قوت عاقلہ کلیات کا ادراک کر لیتی ہے۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ قوتِ عقلی قوتِ حسی سے کمال میں زیادہ ہے اور اس امر کی دلیل کہ قوتِ باصرہ کلیات کا ادراک نہیں کرسکتی یہ ہے کہ قوت باصرہ کسی شخص

موجود چیز کے سوا دوسری چیز کو نہیں دیکھتی۔ اور اگر موجود کو دیکھتی ہے تو ظاہر ہے۔ کہ سب کو نہیں دیکھتی۔ کیونکہ سب اس کے سامنے موجود ہیں۔ اور اس کی دلیل کی قوت عاقلہ کلیات کی مدرک ہے یہ ہے کہ ہم جب چیزوں کی ماہیت کو عقل سے معلوم کرتے ہیں۔ تو جان لیتے ہیں کہ فلاں ماہیت کلی ہے اور اس کے نیچے بے انتہا جزئیات ہیں۔ اور اسکی دلیل کہ کلیات کا ادراک جزئیات کے ادراک سے زیادہ شریف ہے۔ یہ ہے کہ کلیات کا ادراک ممتنع التغیر ہے۔ اور جزئیات کا ہمارے حق میں واجب التغیر ہے۔ اور کلی کا ادراک جزئیات کے ادراک کا فائدہ دیتا ہے۔" یعنے جب کلی کا درک ہو جاتے۔ تو اس سے جزئیات کا ادراک بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ "لِاَنَّهٗ اِذَا ثبت حکما للماھیۃ ثبت لجمیع افرادھا ولا ینعکس کیونکہ جو حکم ماہیت کے واسطے ثابت ہوگا۔ وہ اس ماہیت کے تمام افراد کے واسطے بھی ہوگا لیکن اس کا عکس نہیں ہوتا یعنی جو حکم کسی جزئی کے واسطے ثابت ہوگا۔ وہ کلی کے واسطے نہیں ہوگا۔ پس اس سے ثابت ہے کہ عقلی ادراک حسی ادراک سے زیادہ شریف ہے۔

تیسری دلیل۔ عقلی ادراک نتیجہ دیتا ہے اور حسی ادراک نتیجہ پیدا نہیں کرتا۔ اس لئے عقل حس سے زیادہ شریف ہے اور اس کی دلیل کہ ادراک حسی نتیجہ نہیں دیتا یہ ہے۔ کہ کسی چیز کا احساس کبھی دوسری چیز کے احساس کا موجب نہیں ہوتا۔ اور اس کی دلیل کہ عقلی ادراک نتیجہ دینے والا ہے یہ ہے کہ جب دو مقدمے ہم عقل میں لاتے ہیں۔ تو ان سے ضرور نتیجہ معلوم ہو جاتا ہے۔

چوتھی دلیل۔ حسی قوت بہت عملوں پر قادر نہیں اور عقلی قوت قادر ہے اس لئے عقلی قوت حسی قوت سے زیادہ شریف ہے۔ اور اس کی دلیل کہ حسی قوت بہت عملوں پر قدرت نہیں رکھتی۔ یہ ہے کہ اگر دیکھی گئی چیزیں کثرت سے قوت باصرہ میں آئیں۔ تو بصر کی قوت ان کے تمیز کرنے سے عاجز ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر جلدی جلدی کثرت سے حروف کسی کے کان میں آئیں۔ تو قوتِ سمع ان سب کی تمیز سے عاجز ہو جاتی ہے پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسی قوت حسی افعال سے بہت عاجز ہے۔ اور اس کی دلیل کہ عقلی قوت بہت سے فعلوں پر قادر ہے یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جو ادی علوم کے حاصل کرنے پر بہت وقت صرف کرتا ہے۔ اور ہمیشہ اسی دھن میں رہتا ہے۔ باقی علموں کے حاصل کرنے پر اس کی طاقت بہت کامل ہو جاتی ہے۔ پس اس سے ظاہر

ہے کہ ادراک عقلی حسی ادراک سے زیادہ شریف ہے +

پانچویں دلیل۔ قوت باصرہ جب کسی قوی محسوس کا ادراک کرتی ہے۔ تو اس وقت ضعیف محسوس کے ادراک سے عاجز ہو جاتی ہے۔ مثلاً اگر آفتاب کے سامنے چراغ کو دیکھے تو اس وقت وہ چراغ کو نہیں دیکھ سکیگی۔ اور اگر بادل کی گرج کے وقت ضعیف آواز موجود ہو تو قوت سمع اس ضعیف آواز کا درک نہیں کرسکیگی۔ مگر عقلی قوت میں کامل معقولات کا ادراک ضعیف معقولات کے ادراک کا مانع نہیں پس اس سے ثابت ہے کہ عقل حس سے زیادہ شریف ہے +

چھٹی دلیل۔ حسی قوتیں چالیس سال کے بعد ضعیف ہو جاتی ہیں۔ اور عقلی قوتیں چالیس برس کے بعد زیادہ کمال حاصل کرتی ہیں۔ اور یہ اس پر دلیل ہے کہ جسم کا ضعف عقل کی تقویت اور زیادہ قوی ہونے کا باعث ہے اور ایسا ہونے سے لازم آتا ہے کہ جسم کی موت عقلی قوت کی موت کا سبب نہ ہو +

ساتویں دلیل۔ قوت باصرہ۔ قرب کی وجہ سے قریب کو اور بعد کی وجہ سے بعید کو نہیں دیکھتی۔ اور غائت درجہ کی چھوٹی چیز کو بھی نہیں دیکھتی۔ اور جو چیز نہایت درجہ کی لطیف ہو اُسے بھی نہیں دیکھتی۔ اور اگر درمیان میں کوئی پردہ حائل ہو۔ یا سامنے نہ ہو تو پھر بھی نہیں دیکھتی۔ مگر قوت عاقلہ چاہے کوئی چیز دور ہو چاہے نزدیک۔ چھوٹی ہو یا بڑی۔ کثیف ہو خواہ لطیف۔ سامنے ہو یا نہ ہو سب کا ادراک کرلیتی ہے۔ اس لئے عقلی قوت حسی قوت سے زیادہ شریف ہے +

آٹھویں دلیل۔ قوتِ باصرہ ہر چیز کے ظاہر کو دیکھتی ہے۔ مثلاً جب انسان کو دیکھتی ہے تو اس کی ظاہری سطح اور بدن کے رنگ کے سوا اور کچھ نہیں دیکھتی۔ اور سب داناؤں کا اس پر اتفاق ہے کہ تنہا سطح اور بدن کا رنگ ہی انسان نہیں پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قوتِ باصرہ چیزوں کی حقیقتوں کے ادراک سے عاجز ہے مگر عقلی قوت چیزوں کے باطن میں بھی گھس جاتی ہے۔ اور اس کے تمام اجزا کو اُس کی جزئیات سے معلوم کرلیتی ہے اور ذاتی لازم اور مقارن صفتوں میں تمیز کرلیتی ہے۔ پس حسی قوت عقلی قوت کے مقابلہ میں ویسی ہی ہے جیسا نور۔ اندھیرے اور بینا نابینا کے مقابلہ میں +

نانویں دلیل۔ جن چیزوں کو قوت باصرہ فی الحال ادراک کرتی ہے۔ وہ رنگ

ہیں اور جن چیزوں کو قوت عاقلہ فی الحال ادراک کرتی ہے وہ حقتعالیٰ کی پاک ذات اور اس کے جلال کی صفات اور اس کے کمال کی تعریفات ہیں۔ اِس لئے قوت عاقلہ کے شرف کو حسی قوت کے شرف کے ساتھ وہی نسبت ہے جو حق تعالیٰ کی ذات کے شرف کو رنگوں کے ساتھ +

دسویں دلیل۔ قوت حسی اکثر غلطی کرتی ہے۔ مثلاً ایک آدمی کشتی میں بیٹھا ہوا ہے وہ اسی کشتی کو ساکن دیکھتا ہے۔ اور دریا کے کنارہ کو متحرک۔ اور یقینی امر یہ ہوتا ہے۔ کہ کشتی متحرک ہوتی ہے اور دریا کا کنارہ ساکن۔ اسی طرح آدمی ستارہ کو چھوٹا سا دیکھتا ہے اور آگ کو رات کے وقت دور سے زیادہ اور بہت بڑی اور اصل میں یہ حس کی بہت ہی بڑی غلطیاں ہیں۔ اور غلط اور صحیح میں تمیز کرنے والی عقل ہے۔ اِس سے ثابت ہے کہ عقل حاکم ہے اور حس محکوم علیہ پس اس سے لازم آتا ہے کہ عقل حس سے زیادہ شریف ہو۔ اس لئے ظاہر ہے کہ انسان کے احوال کا اشرف حال ادراک ہے اور عقلی ادراک حسّی ادراک سے زیادہ شریف ہیں +

فصل

(علوم کے اقسام کی شرح)

علوم تین قسم پر ہیں۔ پہلی محض عقلی۔ دوسری صرف نقلی۔ تیسری وہ جس میں عقل اور نقل دونوں کو دخل ہے۔ اگر کسی چیز کی معرفت کا ثبوت اسی چیز کی معرفت پر موقوف ہو۔ تو اُس چیز کی معرفت محض عقلی ہوگی مثلاً محمد صلعم کی نبوت کی صحت اس معرفت پر موقوف ہے کہ عالم کا ایک پیدا کرنے والا ہے جو حی ہے اور عالم ہے اور قادر ہے اور ان مسئلوں کی معرفت رسول صلعم کے قول سے کوئی پہچان نہیں سکتا۔ وجہ یہ ہے کہ اگر ان مسئلوں کی معرفت رسول صلعم کے قول پر موقوف ہو تو اس سے دور لازم آتا ہے۔ اور جو چیز ایسی ہے کہ عقل میں اس کا وجود اور عدم برابر ہے۔ اس کا وجود خبر کے ساتھ معلوم ہوتا ہے۔ اور اس کی ہستی اور نیستی مخبر صادق کے قول سے معلوم ہوتی ہے۔ یہ محض نقلی ہے۔ مثلاً طاعتوں اور عبادتوں کے واجب ہونے کا علم۔ اور مخلوقات کے تمام قسموں کے وجود کا علم جیسے عرش۔ کرسی۔ بہشت۔ دوزخ۔ ثواب اور عذاب کی مقداریں یہ سب سمعی یعنے سُنے سنائے ہیں عقل کو ان میں دخل دینے

کی مجال نہیں۔ اور واجب جائز اور استحالہ پکڑنے والی چیزوں میں سے جس چیز کے ثبوت کی صحت کی معرفت اس کی اپنی ذات پر موقوف نہ ہو۔ ایسی چیز کا ثبوت عقل سے اور سماع دونوں سے کیا جا سکتا ہے۔ واجب امور کے واجب کرنے اور جائز چیزوں کے جواز یعنے اجازت دینے اور استحالہ پانے والی چیزوں کے استحالہ کے فتوے سے ایسی ہو کہ اس کے ثبوت کے صحیح ہونے کی معرفت اس پر موقوف نہیں۔ بلکہ اس کا ثبوت عقل سے بھی ہے اور شنوائی سے بھی۔ یہ علم عقلی اور نقلی دونوں ناموں سے نامزد ہوتا ہے۔ مثلاً صانع جل جلالہ کی وحدانیت کی معرفت عقلی دلائل سے بھی جائز ہے اور سمعی دلیلوں سے بھی۔ اور اس مقدمہ کے معلوم ہونے کے بعد ہم کہتے ہیں کہ جس مطلوب کا ثبوت مجرد عقل سے ممکن ہو۔ اس کو ہم علم اصول بولتے ہیں۔ اور جس کا ثبوت سمع کے سوا اور کسی چیز سے نہ کر سکیں اس کو علم فروع کہتے ہیں۔ پس اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دینی علم یا علم اصول ہوگا یا علم فروع۔ اب جاننا چاہئے کہ علم اصول کی ترتیب چار طریق پر ہے۔ ایک آفریدگار یعنے پیدا کرنے والے کی ذات کی معرفت ہے۔ دوسرا اس کی صفت کی معرفت تیسرا افعال کی معرفت۔ چوتھا نبوت اور رسالت کی معرفت +

پہلا طریق۔ خدا کی ذات کی معرفت یہ ہے کہ تو پہچان لے کہ عرش کے اوپر سے لیکر عالم کے آخر تک اجسام اور اعراض اور جواہر سب محدث اور مخلوق ہیں۔ اور نیست سے ہست ہوئے ہیں۔ اور یہ موجودات عرش۔ کرسی۔ آسمانوں کے طبقے۔ عناصر کے درجے۔ کانیں۔ نباتات یعنے اُگنے والی چیزیں۔ حیوان سب کی سب اپنے وجود میں پیدا کرنیوالے کی ایجاد کی محتاج ہیں +

دوسرا طریق۔ وہ صفات کی معرفت ہے اور وہ دو طرح کی ہیں۔ ایک تو وہ حق سے خدا تعالٰے کا تنزہ ایسی طرح سے واجب ہے جس سے معلوم ہو جائے کہ عالم کا پیدا کرنے والا محدث یا ممکن الوجود یا جسم یا جوہر یا عرض ہونے سے پاک ہے۔ اور نیز وہ پاک ہے اس سے کہ کسی احاطے اور مکان اور جہت میں اس کی نسبت کوئی بات یا کوئی خیال بیان کریں۔ ان میں سے ہر ایک چیز مربوب اور مخلوق ہے۔ اور ان کا پیدا کرنے والا اب اور خالق ہے۔ اور یہی مراد ہے اس سے جو اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ۔ دوسری وہ کہ تو یہ سمجھ جائے کہ اُس کی ذات جلال کی صفتوں اور کمال کی

نعتوں کے ساتھ موصوف ہے ۔ چنانچہ وہ حی ہے جیساکہ فرمایا ہے هُوَ الْحَيُّ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ (وہ زندہ ہے نہیں ہے کوئی معبود مگر وہی) ۔ اور عالم ہے جیساکہ ارشاد ہوا ہے وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ (اور پاس اس کے کُنجیاں ہیں غیب کی نہیں جانتا ان کو مگر وہی) ۔ اور قادر ہے جیساکہ فرمایا ہے قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰى أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِنْ فَوْقِكُمْ (کہ وہ قادر ہے اس پر کہ بھیجے اوپر تمہارے عذاب تمہارے اوپر سے) ۔ اور مرید یعنے ارادہ کرنے والا ہے جیساکہ وارد ہے يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (چاہتا ہے خدا تم پر آسانی اور نہیں چاہتا تم پر تنگی) ۔ اور سمیع اور بصیر ہے جیساکہ وارد ہے إِنَّنِي مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرٰى ۔ اور متکلم ہے جیساکہ وارد ہے وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللّٰهِ (اور اگر زمین میں جسقدر درخت ہیں قلمیں ہوں اور دریا کو سیاہی پہنچائیں ۔ اس کے پیچھے سے سات دریا نہ تو ختم ہوں کلمے خدا کے) ۔ اور رحیم ہے جیساکہ وارد ہے وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (اور میری رحمت پہنچ گئی ہے ہر ایک چیز پر) ۔ اور کریم ہے جیساکہ فرمایا ہے مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ۔ اور غفور ہے جیسے وارد ہے وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ (اور پروردگار تیرا بخشنے والا صاحب رحمت ہے) ۔ اور غافر ہے جیسے وارد ہے غَافِرِ الذَّنْبِ (بخشنے والا گناہ کا ہے) ۔ اور غفار ہے جیساکہ وارد ہے وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِمَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى (اور تحقیق میں بخشنے والا ہوں اُن کو جو توبہ کریں اور ایمان لائیں ۔ اور عمل کریں نیک پھر ہدایت پائیں) ۔ اور یاد رکھنا چاہئے کہ صفات مذکورہ بالا میں سے پہلی قسم کی صفتوں کو صفات جلال کہتے ہیں ۔ اور دوسری قسم کی صفات کو صفاتِ اکرام جیساکہ فرمایا ہے تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۔ برکت والا ہے نام تیرے پروردگار صاحب بزرگی اور عزت کا ۔

تیسرا طریق ۔ علم اصول میں خداوند تعالےٰ کی خالقیت کی معرفت ہے ۔ ظاہر ہے کہ جس آدمی کو مخلوقات کے دقیق اسرار پر زیادہ اطلاع ہوگی ۔ اس کو خداوند تعالےٰ کی حکمت اور اس کی کمال قدرت کا علم کامل تر ہوگا ۔ وجہ یہ ہے کہ جب کوئی یہ اعتقاد رکھے کہ شافعی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے عالم ہوئے ہیں ۔ اور ان کی تصنیف کی ہوئی بہت سی کتابوں کا مطالعہ کرے تو جس وقت امام موصوف کی تصانیف کا مطالعہ کرلیگا ۔ اس وقت

ان تصنیفوں کی باریکیوں پر اسکی اطلاع بہت بڑھ جائیگی۔ اور پھر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی بزرگی کے کمال پر اس کا علم زیادہ کامل ہو جائیگا۔ جب یہ معلوم ہو گیا۔ تو اس کے بعد ہم کہتے ہیں کہ روحانی اور جسمانی تمام جہان ایک تصنیف کی مانند ہے۔ جسے اللہ تعالے نے مرتب کیا ہے۔ پس زمین۔ آسمان۔ نباتات اور حیوانات کی عجیب و غریب پیدائش ہیں جو آدمی زیادہ تامل اور فکر کریگا۔ ضرور ہے کہ خدا کی حکمت اور قدرت کے کمال پر اس کا علم زیادہ ہوگا۔ جب یہ واضح ہو گیا۔ تو پھر ہم کہتے ہیں کہ ایک پتے کی پیدائش میں جو درخت سے گرتا ہے فکر کرنا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ کس قدر عجیب و غریب راز ظاہر ہوتے ہیں پتے کے درمیان میں ایک رگ دکھائی دیتی ہے۔ جو اول سے آخر تک سیدھی چلی گئی ہے۔ اور پھر اس بڑی رگ سے اور رگیں نکلی ہیں۔ اور پھر ہر ایک بڑی رگ سے دوسری باریک باریک رگیں پھوٹی ہیں اور اسی طرح ایک بڑی رگ سے دوسری باریک رگ نکلی ہوئی دکھائی دیتی ہے یہاں تک کہ وہ رگیں باریکی میں اس حد کو پہنچ جاتی ہیں کہ نگاہ سے بھی غائب ہو جاتی ہیں۔ اور ان رگوں کی پیدائش میں یہ حکمت رکھی گئی ہے۔ کہ جو غذا زمین کے نیچے سے درخت کے تنے میں آتی ہے اور تنے سے شاخوں میں اور شاخوں سے پتوں میں وہ غذا مصلحت اور حاجت کے اندازہ کے موافق اس مدبر عالم اور مقدر و جواد و عدم کی تقدیر کے مطابق پتے کی ہر ایک جز میں برابر پہنچتی رہے۔ جب ایک چیز پتے کی پیدائش میں اس کی حکمت کے یہ باریک اسرار ہیں۔ تو اس سے قیاس کرنا چاہئے۔ عرش۔ کرسی۔ آسمانوں کے طبقے۔ ستاروں اور سیاروں کی مقداریں اور سمندروں اور پہاڑوں اور معدنوں اور نباتات اور حیوانات کی ہیئت اور کیفیت کی طرح طرح کی بے انتہا حکمتوں کا۔ تاکہ معلوم ہو۔ سمجھنے میں عقل کس قدر عاجز ہے۔ اور روحانی اور جسمانی عالم کی پیدائش میں اُس کی خدائی کی کبریائی کا کمال کہاں تک ہے +

چوتھا طریق۔ علوم اصول میں نبوت کی معرفت ہے۔ عقل کو یہ طاقت حاصل نہیں کہ سب چیزوں کو پہچان لے۔ مثلاً ماہ رمضان کی آخری تاریخ اور ماہ شوال کی پہلی تاریخ یہ دو دن ایک دوسرے کے متصل ہوتے ہیں۔ اور شرع کا حکم یہ ہے کہ رمضان کے آخری دن روزہ کھولنا اور شوال کے پہلے دن روزہ رکھنا حرام ہے۔ اور اس کی معرفت کہ ایسا حکم کیوں ہوا ہے عقل سے حاصل نہیں ہوتی۔ یہ نبیوں اور رسولوں کے قول سے ہی معلوم

ہوتی ہے اس لئے خدا کی رحمت اور حکمت نے چاہا۔ کہ دنیا کے لوگوں میں پیغمبروں کو بھیجے۔ تاکہ وہ انہیں عبادتوں اور طاعتوں کی کیفیت بتلائیں۔ اور ان کو تعلیم دیں جیساکہ فرمایا ہے رُسُلاً مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ (بھیجا رسولوں کو جو خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے ہیں تاکہ ہو واسطے لوگوں کے اُس پر خدا کی حجت رسولوں کے بعد) پس علم اصول کے چاروں مرتبے یہ ہیں "جو مذکورہ بالا چار طریقوں میں بیان ہوئے ہیں" ✦

علم فروع - واضح ہو کہ علم فروع دو قسم پر ہے۔ ایک علم مقصود کہلاتا ہے۔ دوم علم تبع۔ پھر علم مقصود کی چار قسمیں ہیں۔ علم قرآن۔ علم اخبار۔ علم اصول فقہ۔ علم فقہ۔ اور اس تقسیم کی صحت پر دلیل یہ ہے کہ شرعی احکام کی دلیل یا قرآن ہے یا احادیث اور ان دلیلوں کی شرائط کا بیان علم اصول فقہ ہے اور علم فقہ کا مدلول۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ علم فروع جو مطلوب بالذات ہے ان چار قسموں سے باہر نہیں۔ اور علم فروع جو علم تبع کہلاتا ہے یہ علم عربی ہے کیونکہ ہماری شریعت عربی زبان میں ہے۔ اس لئے عربی کی معرفت لازم ہے ✦

علم عربی دو قسم پر ہے۔ ایک تو مفردات کا جاننا ہے۔ دوسرا مرکبات کا پہچاننا اور مفردات کے علم میں چار علم داخل ہیں:-

پہلا لغات عرب کے مفردات کا علم۔ دوسرا اشتقاق کا علم۔ اور پھر علم اشتقاق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اشتقاق اصغر کہلاتا ہے۔ دوسرا اشتقاق اکبر۔ اشتقاق اصغر تو یہ ہے کہ ایک لفظ کے بہت سے معنی ہوں اور محقق ادیب ان میں سے ایک معنی لیکر باقی سب معنی اس ایک اصل سے نکال لے۔ اور اشتقاق اکبر اسے کہتے ہیں کہ کسی ثلاثی لفظ کی چھ طرح پر الٹ پلٹ کریں اور ترکیب دیں۔ کامل ادیب ان میں سے ایک معنی لے اور باقی چھ ترکیبوں کے سب معنی کو اسی سے نکالے ✦ تیسرا علم۔ علم تصریف ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ ماضی مستقبل۔ امر اور نہی مصدر کے لفظ سے کیونکر نکالے جاتے ہیں ✦ چوتھا علم نحو ہے اور وہ یہ ہے کہ جب کوئی لفظ کسی چیز کا نام قرار دیں۔ تو وہ مسمّٰی اس مخصوص احوال پر رہے۔ جیسے فاعلیت ہے اور مفعولیت اور اضافت اور اس لفظ کے بھی احوال مخصوص ہوتے ہیں جیسے نصب۔ رفع اور جر ہیں۔ پس جیسے جوہر لفظ کو جوہر معنی کے مقابل میں رکھا ہے ویسے ہی لفظ کے احوال کو ان معنوی کے احوال کا

معرف بنایا ہے تاکہ وہ لفظ اصلی معنی کے مقابل اور لفظ کا احوال معنی کے احوال کے مقابل رہے دوسری قسم عربی علم کی وہ ہے جو مرکبات سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کی بھی چار قسمیں ہیں۔ اور پھر ان چاروں میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ کیونکہ عربی علم جو مرکبات سے علاقہ رکھتا ہے اس میں یا تو نظم کی بحث ہو گی یا امثال کی یا یہ بیان ہو گا۔ کہ ترکیبوں کی کیفیت کے قواعد کا ضبط اس طرح ہو سکتا ہے۔ پہلی قسم جو نظم کی بحث ہے۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں ایک تو شاعروں کے دیوانوں کی معرفت ہے اور دوسری علم عروض کا پہچاننا ہے۔ اور دوسری قسم اور وہ نثر کی بحث ہے وہ بھی دو قسم پر ہے ایک سالوں کا علم ہے دوسرا خطبوں کا۔ اور تیسری قسم جو امثال کی بحث ہے یہ بھی دو قسموں میں تقسیم ہوا ہے ایک امثال کے معنی کا جاننا دوسرا ان امثال کے نازل ہونے کے سبب کی شناخت کرنا۔ اور چوتھی قسم جس میں ترکیبوں کی کیفیت کے اصول اور قوانین سے بحث کرتے ہیں اور اس کو علم بیان کہتے ہیں۔ اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو یہ ہے۔ کہ سب لغتوں میں عام بحث ہو۔ دوسری یہ ہے کہ لغت عرب سے ہی مخصوص ہو۔ پس تمام دینی علموں کی شرح یہ ہے +

فصل

(علم اصول کی فضیلت)

اس مطلب پر ہماری دس دلیلیں ہیں :-

پہلی دلیل۔ علم کی فضیلت معلوم کے شرف کے مطابق ہوتی ہے۔ اور علم اصول کا معلوم اللہ تعالیٰ کی صفات اور ذات ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ حقتعالےٰ کی ذات اور صفات سب موجودات سے اشرف ہے بلکہ اس سے بھی پاک ہے کہ اس کے شرف کو کسی غیر کے شرف سے کچھ بھی نسبت ہو۔ پس اس سے لازم آتا ہے کہ علم کلام باقی سب علموں سے زیادہ شریف ہو +

دوسری دلیل۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دینی علم جو علم اصول کے سوا ہیں سب علم اصول کے محتاج ہیں۔ کیونکہ جب تک خدا تعالےٰ کی ہستی اور اس کے علم اور اس کی قدرت کا کمال ظاہر نہ ہو۔ کوئی مفسر قرآن کی تفسیر نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی محدث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

کی حدیثوں کے بیان کی طاقت رکھتا ہے۔ اور نہ فقیہہ کو یہ قدرت ہوتی ہے کہ وہ خداتعالےٰ
کے احکام بیان کرے اس لئے سب دینی علم جو اصول کے سوا ہیں علم اصول کے محتاج ہیں۔
اور علم اصول کسی دوسرے علم کا محتاج نہیں پس اس سے لازم آتا ہے۔ کہ علم کلام تمام علوم
سے زیادہ شرف رکھتا ہے +

تیسری دلیل ۔ جس چیز کی ضد زیادہ خسیس ہوتی ہے وہ چیز زیادہ شریف ہوتی ہے اور
علم اصول کی ضد کفر اور بدعت ہے۔ اس لئے ان دونوں یعنے کفر اور بدعت کی ضد سب چیزوں
سے زیادہ شریف اور کامل ہے اور وہ علم اصول ہے +

چوتھی دلیل ۔ ہر علم کی فضیلت یا تو اس کے موضوع کی فضیلت کے لحاظ سے ہوتی
ہے۔ اس واسطے کہ اس کی سخت حاجت ہے یا اس کی دلائل قوی ہیں اور علم اصول کا موضوع
حق تعالےٰ کی ذات اور صفات ہے اور دُنیا اور آخرت دونوں میں اس علم سے حاجت
کا ہونا بہت ہی کامل وجہوں سے ثابت ہے اور اسکی دلائل تمام علوم کے دلائل سے
زیادہ کامل ہیں۔ اس لئے لازم آیا۔ کہ علم اصول باقی علموں سے زیادہ شریف ہے +

پانچویں دلیل ۔ علم اصول منسوخ نہیں ہوتا اور نہ کسی حال میں تغیر پاتا ہے ! اور
علم فروع منسوخ ہوجاتا ہے ۔ اس لئے علم اصول علم فروع سے زیادہ شریف ہے +

چھٹی دلیل ۔ کوئی دانا علم اصول کے سوا نجات نہیں پا سکتا ۔ کیونکہ جب تک خدا شناس
نہ ہو ناجی نہیں ہوتا۔ لیکن ایسا ہو سکتا ہے کہ علم فروع کے سوا نجات حاصل ہو جائے کیونکہ
عقل اس بات کو مانتی ہے کہ جب تک کوئی آدمی حدِ بلوغ کو نہ پہنچے اللہ تعالےٰ نماز کی تکلیف
اس پر روا نہیں رکھتا۔ کیونکہ اگر کوئی آدمی چاشت کے وقت حد بلوغ کو پہنچیگا۔ لیکن وہ
اسی دن صبح کو مرجائے تو وہ اہل نجات سے ہوتا ہے اور اسی طرح زکوٰۃ اور روزہ اور حج
بھی واجب نہیں ہوتا۔ اور اگر کوئی عورت عورتوں کا عذر رکھتی ہو تو جب تک پندرہ دن نہ
گذر جائیں اللہ تعالےٰ اس پر بھی کسی عبادت کی تکلیف روا نہیں رکھتا۔ پس اگر اسی حال
میں یہ مرجائے اور کوئی عبادت نہ کی ہو تو اس پر اتفاق ہے کہ یہ شخص اہل نجات سے
ہوگا۔ اس لئے ثابت ہوا کہ نجات علم اصول پر موقوف ہے علم فروع پر موقوف نہیں اور
اس سے ظاہر ہے کہ علم اصول بزرگی اور فضیلت میں سب سے بڑھا ہوا ہے +

ساتویں دلیل ۔ یہ ہے کہ جو آیتیں احکام شریعت میں آئی ہیں وہ چھ سو سے کم ہیں

اوران کے سوا باقی تمام قرآن میں توحید۔ عدل۔ تنزیہ اور خدا کی بزرگی اور نبوت اور حشر اور نشر کے دلائل ہیں۔ اور قرآن کے قصوں سے مقصود اس کی قدرت اور عزت اور حکمت کا بیان ہے، جیسا کہ فرمایا ہے لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ پس اس سے ثابت ہے۔ کہ علم اصول علم فروع سے فضیلت اور بزرگی میں زیادہ ہے ✣

آٹھویں دلیل یہ ہے کہ جو آیت علم اصول سے تعلق رکھتی ہے وہ اس آیت سے زیادہ شریف ہوتی ہے جو علم فروع سے علاقہ رکھتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ دعاؤں اور خدا کی درگاہ میں عاجزی کرنے اور بیماری اور موت کے آنے کے وقت تمام عقلمند لوگ توحید کی آئتیں جیسے آیۃ الکرسی اور شہد اللہ اور آمن الرسول پڑھتے ہیں۔ اور اس کو قوارع القرآن کہتے ہیں۔ لیکن ان وقتوں میں حیض ہبہ وصیت اور میراث کی آیت کوئی شخص بھی نہیں پڑھتا۔ پس اس بیان سے معلوم ہوا۔ کہ علم اصول زیادہ شریف ہے ✣

نانویں دلیل۔ علم اصول عقل کو جلال کے نور اور علم فروع عقل کو صرف ان احکام کی شناخت تک پہنچاتا ہے جو مخلوق کے حق اور جل جلالہ کی صمدیت تک پہنچانے والا ہے۔ افعال کے متعلق خداوند تعالیٰ نے صادر فرمائے ہیں۔ اور ظاہر ہے خدا کی معرفت میں مستغرق رہنا۔ لوگوں کے احوال میں مشغول ہونے سے زیادہ شریف ہے۔ اس لئے لازم آیا کہ علم اصول زیادہ شریف ہے ✣

دسویں دلیل۔ توحید اور نبوت کے اصول کی تقریر میں مناظرہ کرنا سب پیغمبروں کا کام رہا ہے اور ہم ان میں سے بعض کا مناظرہ بیان بھی کرتے ہیں۔ پہلا مناظرہ نوح علیہ السلام کا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں اُن سے حکایت کرتا ہے کہ انہوں نے پیدا کرنے والے کی ہستی اور اس کی قدرت اور حکمت کے کمال پر دلیل بیان کی ہے جیسا کہ فرمایا ہے أَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا۔ یعنے اے بھائیوں کی قوم کیوں اس میں فکر نہیں کرتے ہو کہ خداوند تعالیٰ نے ان سات آسمانوں کو کیوں کر اپنی قدرت سے ہوا میں معلق رکھا ہوا ہے اور چاند کو رات کے نور کا سبب بنایا ہے اور آفتاب کو دن کی روشنائی کا باعث اور اس کے بعد فرمایا ہے وَاللَّهُ أَنْبَتَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا یعنے جیسے کہ اپنی قدرت کی دلائل کو آسمانوں کے طبقوں میں ظاہر کیا ہے۔ ویسے ہی زمین کے احوال میں بھی ظاہر کیا ہے۔ اور وہ یہ ہیں کہ نباتات اور حیوانات کی کئی..

ہزار قسمیں اس جہان میں پیدا کی ہیں۔ تاکہ ستاروں اور آسمانوں وطبقوں کی تاثیران سب کے ساتھ مطابق ہوئی۔ پس یہ بلند اور پاک پیدا کرنے والے کی کامل قدرت پر روشن دلیل ہے۔ اور ابراہیم علیہ السلام کو بہت مناظروں کا اتفاق ہوا ہے +

پہلا مناظرہ یہ ہے کہ انہوں نے ستاروں اور چاند اور آفتاب کے حالات کے تغیر اس امر کی دلیل قرار دیا۔ کہ یہ محدث اور مخلوق ہیں۔ اور ان کا ایک پیدا کرنے والا اور مدبر ہے۔ یہاں تک کہ فرمایا لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ یعنے میں اُن چیزوں کو دوست نہیں رکھتا۔ جو ایک حال سے دُوسرے حال میں تغیر پانے والی ہیں۔ اس کے بعد مدبر عالم کی ہستی کا اقرار کیا۔ اور فرمایا وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا (پھیر امیں نے اپنا چہرہ طرف اُس ذات کے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو دینیدار ہو کر)۔ اس پر خدا بزرگ اور بلند نے ان کی ثنا کی۔ اور فرمایا وَتِلْكَ حُجَّتُنَا اٰتَيْنٰهَا اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ یعنے جو حجت کہ ابراہیم علیہ السلام نے بیان کی ہے وہ ہماری ہدایت اور ہمارے ارشاد اور ہماری تقدیر سے تھی +

دوسرا مناظرہ وہ ہے جو اُن کے اور ان کے باپ کے درمیان ہوا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ آپ نے فرمایا ہے يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْئًا یعنے ایسی چیز کے پوجنے اور اس کی عبادت کرنے سے کیا فائدہ ہے کہ اگر تو اس کو پکارے تو تیری آواز کو نہ سُنے۔ اور اگر سجدہ کرے تو نہ دیکھے۔ اور اگر تو محتاج ہو تو تیری محتاجی کو نہ سمجھے +

تیسرا مناظرہ وہ ہے جو اپنے وقت کے بادشاہ کے ساتھ کیا ہے۔ فرمایا رَبِّيَ الَّذِي يُحْيٖ وَيُمِيْتُ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے یعنے خدائی اس واجب الوجود کے لئے مسلم ہے جو بلا واسطہ زندہ کرنے اور مارنے کی طاقت رکھتا ہے۔ خصم نے کہا کہ زندہ کرنا اور مارنا تو آسمانوں اور ستاروں کی حرکت کی تاثیر سے ہے۔ اور ہم بھی آسمانوں کی حرکتوں کے ذریعہ سے زندہ کرنے اور مارنے کی طاقت رکھتے ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں فرمایا۔ اگر ہم اس بات کو مان لیں۔ کہ اس جہان میں خداوند تعالے کی قدرت کی تاثیر۔ آسمانوں اور ستاروں کی حرکات کے وسیلہ سے ہے لیکن آسمان اور ستاروں کی حرکتیں خداوند تعالے کی تقدیر سے ہی ہونگی۔ اگر کسی دوسری چیز سے

ہوں۔ تو اس صورت میں تسلسل لازم آتا ہے۔ اس لئے زندہ کرنا اور مارنا حق تعالٰے کی تقدیر سے ہی ہوتا ہے۔ اور جب ارضی حادثے فلکی حادثوں کے ذریعہ سے ہوتے ہیں۔ اور یہ ثابت ہے کہ فلکی حادثوں کا وجود خدا کی رحمت اور اُسی کے ارادے اور اسی کی قدرت سے ہوتا ہے۔ تو عالم علوی اور سفلی کے حادثے سب کے سب ضرور خدا تعالٰے ہی کی تدبیر اور تقدیر سے ہوتے ہیں۔ اور اس کی دلیل ابراہیم علیہ السلام نے یہ بیان فرمائی فَاِنَّ اللّٰہَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِھَا مِنَ الْمَغْرِبِ۔ اللہ تعالٰے آفتاب کو مشرق سے لاتا ہے اور مغرب میں اُس کو غروب کرتا ہے۔ یعنے فرض کیا کہ ارضی حادثے فلکی حادثوں کے وسیلہ سے ہوتے ہیں۔ لیکن فلکی حادثوں کا ظہور خدا تعالٰے کی قدرت سے ہے۔ اس لئے ارضی حادثے بھی خدا تعالٰے کی قدرت سے ہی ہوتے ہیں۔ مگر تجھے یہ طاقت نہیں کہ فلکی اجرام پر تصرف کرے۔ پس اس تقریر سے فرق ظاہر ہوگیا۔ اس بات میں کہ افلاک کی حرکتوں کے ذریعہ تو مُردہ کو زندہ کرتا ہے اور اس بات میں کہ آسمانوں کی حرکتوں کے وسیلہ سے خدا تعالٰے مُردہ کو زندہ کرتا ہے۔ جب یہ دلیل وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی تو خصم ساکت ہوگیا جیساکہ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہے فَبُھِتَ الَّذِیْ کَفَرَ پس حیران رہ گیا وہ جس نے کُفر کیا۔ اور یہ مسئلہ قرآن کے اسرار میں سے ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے ساتھ صانع تعالٰے وتقدسی کے اثبات میں دو دفعہ مناظرہ کا اتفاق ہؤا ہے۔ ایک دفعہ وہ جس کو اللہ تعالٰے نے سورہ طٰہٰ میں بیان فرمایا ہے جہاں یہ کہا ہے قَالَ فَمَنْ رَّبُّکُمَا یٰمُوْسٰی اور دوسرا سورہ شعرا میں جہاں یہ ارشاد کیا ہے قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اور یاد رکھنا چاہیئے کہ لفظ مَنْ کے معنی ہیں کون۔ اور لفظ مَا کے معنی ہیں کیا۔ اور لفظ کون جواب میں مسئول عنہ چیز کی صفات ہوتی ہیں جیسے فرعون نے سوال کیا تیرا خدا کون ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے جواب میں فرمایا رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی ہے یعنی میرا خدا وہ موجود ہے جس نے تمام چیزوں کو ان کا خلق عطا فرما کر ہر ایک چیز کو اُس کے مناسب حال ایک طریق بتادیا۔ فرعون نے دیکھا کہ یہ جواب بڑا واضح ہے۔ اس واسطے اس کو اندیشہ ہوا۔ ایسا نہ ہو کہ لوگوں کو سمجھ آجائے۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کی دلیل قوی اور مضبوط ہے۔ اس لئے بحث سے خارج اور گفتگو شروع کردی۔ اور کہا اے موسیٰ جس قدر مخلوق اَب تک گذر چکی ہے۔ ان کا کیا حال۔ چنانچہ کہا قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ

الاُولیٰ - موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہو گیا - کہ اس حق کے مخالف کی غرض یہ ہے کہ میری دلیل کی حقیقت حاضرین پر نہ کھلے - اس لئے جواب میں فرمایا عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي فِي كِتَابٍ لَّا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنسَى یعنے گذشتہ لوگوں کے احوال کا عالم اللہ تعالیٰ ہے - اور مجھ کو اُن کے حال سے کچھ کام نہیں - اور اس کے بعد پھر توحید کے بیان کرنے کے حال کی طرف رجوع کیا - یعنی پھر توحید کی دلیلیں کہنی شروع کر دیں - اور فرمایا اَلَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَسَلَكَ لَكُمْ فِيهَا سُبُلًا - میرا پیدا کرنے والا وہ خدا ہے جس نے زمین کو بچھایا ہے اور اس میں ہزاروں طرح کی فائدہ دینے والی چیزیں پیدا کی ہیں - اور اس میں راستے اور گذرگاہیں نکالی ہیں -

دوسرا مناظرہ یہ ہے - فرعون نے سوال کیا وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ - فرعون یہ سمجھتا تھا کہ حق تعالیٰ کی اصل حقیقت لوگوں کو معلوم نہیں - اور ہمارا سوال حقیقت کے معلوم کرنے میں ہے - جب لوگوں کو خدا کی حقیقت معلوم ہی نہیں - تو موسیٰ علیہ السلام اس سوال کے جواب سے عاجز ہو جائیگا - اور جو لوگ حاضر ہیں وہ سمجھ جائینگے - کہ موسیٰ ؑ کا جواب سے عاجز رہنا ان کی نادانی کے سبب سے ہے - اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے اس سوال کے جواب میں فرمایا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِن كُنتُم مُّوقِنِينَ - یعنے میرا خدا وہ موجود ہے جو زمینوں اور آسمانوں کا پیدا کرنے والا ہے - فرعون نے حاضروں کو کہا کیا جو کچھ موسیٰ ؑ کہہ رہا ہے تم اسے نہیں سنتے ہو جیسا کہ یہ قول ہے قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ أَلَا تَسْتَمِعُونَ - یعنے میں تو لفظ چیست کے مفہوم کا جواب مانگتا ہوں اور وہ لفظ کیست کے مفہوم کا دیتا ہے - اسکے بعد موسیٰ ؑ نے فرمایا رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ یعنے میرا پروردگار وہ خدا ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور تمہارے باپ دادوں کو پیدا کیا - فرعون نے سن کر کہا یہ شخص جو پیغمبری کا دعوےٰ کرتا ہے دیوانہ ہے کیونکہ مَن اور مَا کے سوال میں فرق نہیں کر سکتا اور اسے نہیں سمجھ سکتا - موسیٰ ؑ نے جواب میں فرمایا رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ یعنے میرا پروردگار وہ خدا ہے جو مشرق اور مغرب کا پیدا کرنے والا ہے - اور اگر تمہاری عقل ٹھیک ہو - اور سمجھو تو یہ جواب درست ہے - اور اس کی تحقیق یہ ہے کہ فرعون نے موسیٰ ؑ سے خدا کی ماہیت اور حقیقت کا سوال کیا تھا - اور کسی چیز کی حقیقت کی تعریف یا تو اُسی حقیقت کی ذات سے ہونی چاہئے یا اُسی حقیقت کی جزوں میں سے کسی جزو کے ذکر سے یا اُس حقیقت کے افعال اور اثار سے لیکن کسی چیز کی تعریف اُسی چیز کی ذات سے محال ہوتی ہے - وجہ یہ ہے کہ مُعرّف یعنے

تعریف کی گئی چیز اپنے مُعَرِّف یعنے کرنے والے پر مقدم ہوتی ہے۔ اور اگر کوئی چیز آپ ہی اپنی ذات کی مُعَرِّف ہو تو اس سے لازم آتا ہے۔ کہ تعریف کرنے والی چیز تعریف کی گئی چیز پر مقدم ہو اور یہ محال ہے۔ اور اگر حقتعالے کی حقیقت کی تعریف حقیقت کی جزوں میں سے کسی جزو سے کی جائے تو یہ بھی محال ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کی تعریف اس چیز کے بارے میں محال نہیں ہوتی جس کی نسبت عقلاً ثابت ہو کہ وہ اس کا معقول اجزا سے مرکب ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کے حق میں ایسا ہونا محال ہے۔ اس لئے خداوند تعالےٰ کے حق میں اس قسم کی تعریف ہی محال ہے۔ اور جب اللہ جلشانہ کے حق میں ان دونوں تعریفوں کا ہونا محال ہے۔ تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی حقیقت کی تعریف اس کے افعال اور آثار کے ذکر کرنے کے سوا اور کسی طریق سے نہیں کر سکتے۔ پس موسیٰ ؑ نے یہ جو کہا اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ یعنے اگر سمجھ دار ہو تو معلوم کر لو گے۔ کہ سب ممکن چیزوں کا پیدا کرنیوالا وہی ہونا چاہیئے جو فرد مطلق ہو۔ اور مرکب ہونے سے پاک ہو۔ اور جو چیز فرد مطلق ہوتی ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ اس کی تعریف اس کے افعال اور آثار کے ذکر کرنیکے سوا ناممکن ہے۔ پس اے فرعون اگر تجھے عقل ہو تو یقین کر لے۔ کہ جو جواب میں نے بیان کئے ہیں سب درست اور ٹھیک ہیں۔ اور ان کے سوا اور کوئی جواب نہیں ہو سکتا یہ ہے شرح فرعون کے ساتھ موسیٰ ؑ کے دونوں مناظروں کی ✦

سلیمان ؑ کو دونوں مناظروں کا اتفاق ہوا ہے۔ ایک توحید کی تقریر میں دوسرا نبوت کی تقریر میں۔ پہلا مناظرہ توحید کی تقریر میں یہ ہے اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ نمرود کے ساتھ ابراہیم علیہ السلام کے اِس مناظرہ کی بنا دو دلیلوں پر تھی۔ پہلی دلیل تو بشری نفوس کے حدوث سے تھی۔ جیسے فرمایا ہے۔ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ۔ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ دوسری دلیل فلکی احوال سے تھی جیساکہ فرمایا ہے فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ اور موسیٰ علیہ السلام نے بھی بعینہ وہی دو دلیلیں بیان کی ہیں۔ ان کی حدوث کی دلیل وہ ہے جو فرمایا ہے رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ۔ اور فلکی احوال کی دلیل وہ ہے جو ذکر کیا ہے رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا اور سلیمان علیہ السلام نے بھی بعینہ ان ہی دو دلیلوں کو مذکور فرمایا ہے یہ جو فرمایا اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فی السموات کے،

لفظ میں فلکی دلایل کی طرف اشارہ ہے اور وَالْاَرْضِ میں ارضی دلائل کی طرف۔ اور اگر کوئی یہ سوال کرے کہ اس میں کیا حکمت ہے۔ کہ ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ ع دونوں کے مناظرہ میں ارضی دلیلوں کا ذکر مقدم ہوا ہے اور فلکی دلیلوں کا ذکر بعد۔ اور سلیمان ع کے مناظرہ میں فلکی دلیلیں پہلے بیان ہوئی ہیں اور ارضی دلیلیں بعد میں۔ کیونکہ سلیمان ع نے یہ نہیں کہا یُخْرِجُ الْخَبْءَ فِی الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتِ بلکہ یہ کہا ہے فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ جواب یہ ہے کہ نمرود اور فرعون زمین کی خدائی کا دعویٰ کرتے تھے۔ اس لئے ابراہیم اور موسیٰ نے دونوں ارضی دلیلوں کو پہلے بیان کیا ہے۔ اور جب سلیمان ع سے بلقیس کے لشکر کے لوگوں نے پوچھا کہ آفتاب خدا ہے تو لاچار آپ نے فلکی دلیلوں کو پہلے بیان کیا ✦

دوسرا مناظرہ نبوت کی تقریر میں ہے۔ جب معجزہ ظاہر کرنا چاہا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کون ہے جو بلقیس کے تخت کو یمن سے شام میں لائے۔ جنّی قوم کے ایک دیو نے حاضر ہوکر کہا کہ میں لاتا ہوں اور اتنی جلدی لاتا ہوں کہ تو ابھی اپنی جگہ سے اٹھا بھی نہیں ہوگا۔ جیسا کہ خداوند تعالےٰ فرماتا ہے قَالَ عِفْرِیْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا۔ میں اس پر راضی نہیں ہوں کیونکہ جو امر نبوت کے ثبوت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے یعنی جس طریق سے نبوت ثابت ہوتی ہے اس کے لئے اللہ جلشانہ یہ فرماتا ہے قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ یعنی آنکھ جھپکنے سے پہلے میں اسے تیرے پاس لاتا ہوں۔ اور اکثر مفسروں کی یہ رائے ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے جس شخص کے حق میں عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ فرمایا ہے۔ اس میں مقصود سلیمان علیہ السلام کا وزیر جو آصف بن برخیا تھا۔ اور یہ قول باطل ہے۔ کیونکہ اگر یہ کام آصف کے ہاتھ سے ظاہر ہو اور سلیمان علیہ السلام اس سے عاجز ہوں۔ تو لازم آتا ہے کہ آصف بن برخیا سلیمان سے بہتر ہوں۔ اور سلیمان علیہ السلام کی نسبت خدا تعالےٰ کی کتاب کا زیادہ دانا ہو۔ پس عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ کو سلیمان ع کی صفت قرار دینا آصف کی صفت قرار دینے سے بہتر ہے۔ بلکہ علماء اصول تو یہ کہتے ہیں۔ کہ سلیمان ع نے جو یہ کہا ہے۔ کون ہے جو بلقیس کے تخت کو یمن سے شام میں لائے۔ اس مقولہ سے آپ کی مراد معجزہ کا اظہار

تھا۔ جب دیو نے حاضر ہو کر کہا کہ مَیں ایک ساعت میں لاتا ہوں سلیمان ؑ نے فرمایا میں اسے پلک جھپکنے کے عرصہ میں لاتا ہوں۔ اور جب لایا تو سلیمان ؑ کا معجزہ ظاہر ہو گیا۔ اور اسی واسطے فرمایا ھٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ لِیَبْلُوَنِیْٓ ءَاَشْکُرُ اَمْ اَکْفُرُ۔ اور اگر یہ کام آصف بن برخیا کے ہاتھ سے ہوا ہوتا تو یہ مقولہ کہنا ھٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ سلیمان علیہ السلام کے حال کے لائق نہ تھا پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام میں سلیمان کی مراد توحید اور نبوت کی دلیلوں کا بیان کرنا ہے +

محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو توحید اور نبوت اور معاد کے ثبوت میں بہت مناظرے پیش آئے ہیں۔ جو تقریر کے محتاج نہیں لیکن اُن میں سے چند مقامات ہم بیان کرتے ہیں۔ پہلا مقام قرآن کی وہ آیت جو آپ پر پہلے پہل نازل ہوئی ہے۔ ایسی آیت ہے۔ جس کا تعلق توحید کے دلائل کے ساتھ ہے۔ اور وہ آیت یہ ہے اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ یعنے اس خداوند کا نام یاد کر جس نے آدمی کو بستہ خون کے ٹکڑے سے پیدا کیا ہے۔ اور فی الحقیقت نطفے اور خون بستہ سے آدمی کی پیدائش سب دلیلوں سے واضح۔ اس کے بعد فرمایا ہے اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ۔ اپنے بزرگ تر خداوند کے نام کو یاد کر۔ جس نے آدمی کو اُن سب چیزوں کا عالم بنایا۔ جن سے وہ ناواقف تھا۔ دوسرا مقام توحید اور نبوت کی دلیلوں کے بیان میں یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا ہے اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ یعنے معرفت کے راستے کی طرف لوگوں کو بلا کبھی قطعی دلائل سے اور کبھی ظنی دلیلوں سے اور کبھی مجادلہ اور مناظرہ کے طریق پر جو بہت پسندیدہ وجہ سے ہو۔ تیسرا مقام وہ ہے جہاں فرمایا ہے قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰی بَصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ۔ اے محمد کہہ کہ میرا راستہ یہ ہے کہ میں اور میرے تابعدار لوگوں کو خدا کے راستے کی طرف بصیرت پر بلاتے ہیں۔ اور یاد رکھ کہ یہ تمام کتاب اُن آیتوں کی شرح میں ہی ہے اور جو توحید اور نبوت اور معاد کے ثبوت پر دلیل ہیں۔ پس اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ علم اصول خدا کے نبیوں کا حرفہ ہے۔ اور جو آدمی اس کا منکر ہے وہ خدا کا دشمن ہے اور سب نبیوں کا منکر +

فصل ۹

تقلید کرنے والے کا ایمان درست نہیں ہوتا

حشویوں کی جماعت کے لوگوں کا یہ قول ہے۔ کہ معرفت کے راستہ میں تقلید کافی ہے اور دوسری جماعت کے آدمی یہ کہتے ہیں۔ کہ دلیل کے سوا معرفت حاصل نہیں ہوتی۔ اور اس قول کے درست ہونے پر ہمارے پاس بہت سی دلیلیں ہیں +

پہلی دلیل یہ ہے کہ دُنیا کے سب فرقوں کے لوگ یہ دعوےٰ کرتے ہیں۔ کہ حق وہی ہے جس پر ہم چلتے ہیں۔ پس اس دعویٰ کے ہوتے ہوئے اگر دلیل نہ ہو۔ تو بلا دلیل بعض کے قول کو مان لینا۔ اور باقی کے قول کو نہ ماننا اولیٰ اور مناسب نہیں۔ اور باطل کے حق سے تمیز نہیں ہوتی اور جب بلا دلیل بعض کے قول کو ماننا اور باقی کو رد کرنا باطل ہے۔ تو دلیل کا ہونا ضروری ہے۔ تاکہ اُس کے ذریعہ حق باطل سے اور سچ جھوٹ سے جدا ہو جائے +

دوسری دلیل یہ ہے کہ قرآن میں خدا تعالیٰ نے جس جگہ تقلید کا ذکر کیا ہے۔ وہاں اس کو کافروں کی صفت فرمایا ہے جیساکہ یہ ہے اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَاءَ نَا عَلٰی اُمَّۃٍ وَّ اِنَّا عَلٰی اٰثَارِھِمْ مُقْتَدُوْنَ۔ ہم نے اپنے بزرگوں کو اس صفت پر پایا ہے اور ضرور ہم اُن کی پیروی کرینگے۔ اور جس نے ایسا دعویٰ کیا ہے۔ اس کو دلیل سے باطل کیا ہے۔ جیساکہ فرمایا ہے قُلْ ھَاتُوْا بُرْھَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ۔ پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دلیل محقق آدمیوں کی صفت ہے اور تقلید ان لوگوں کی صفت ہے۔ جو باطل پر ہیں +

تیسری دلیل۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ بقر میں مومنوں کی تعریف میں پانچ آیتیں یاد فرمائی ہیں جو یہاں تک ہیں اُولٰئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔ اور دو آئتیں کافروں کی مذمت میں یاد کی ہیں جو اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا سے یہاں تک ہیں وَلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ۔ اور تیرہ آئتیں منافق آدمیوں کی مذمت میں ہیں جو وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ سے یہاں تک ہیں۔ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا۔ اور ظاہر ہے کہ مکلفوں کے درمیان ان فرقوں سے زیادہ فرق نہیں یا مومن ہیں یا کافر ہیں یا منافق۔ اور ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقلیدی ایمان دلیل یعنی

..لہ بھرتی شدہ لوگ جو محقق نہیں ۱۲

تحقیق کا محتاج ہے اس کے بعد اصول دین کی دلیلوں کو شروع کیا ہے۔ اور فرمایا ہے۔ اصول کے مسئلے چار ہیں۔ پہلا مسئلہ پروردگار کی ذات کا ثبوت ہے کہ وہ حی ہے۔ عالم ہے قادر ہے حکیم ہے۔ خداوند تعالیٰ نے ان معنوں میں پانچ دلیلیں بیان کی ہیں۔ پہلی میں تو ہماری صفتوں اور ہماری ذات کا حدوث ثابت کیا ہے۔ فرمایا ہے اُعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ۔ اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا ہے۔ لفظ خَلَقَكُمْ ہمارے حدوث پر دلیل ہے۔ دوسری ہمارے والدین کے حدوث پر جیسا کہ فرمایا ہے وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔ تیسری دلیل احوال زمین کی کیفیت میں ہے۔ فرمایا ہے اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا۔ چوتھی احوال آسمان کی کیفیت میں ہے۔ اور وہ یہ ہے وَالسَّمَآءَ بِنَآءً۔ پانچویں دلیل اُن احوال پر ہے جو زمین اور آسمان دونوں کے مجموعہ سے حادث ہوتے ہیں۔ جیسے بارش کا نازل ہونا اور نباتات کا اُگنا ہے اور وہ یہ ہے وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ۔ اصول کا دوسرا مسئلہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری کا ثبوت ہے اور اس مطلوب پر دلیل یہ ہے وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔ اگر تم کو اُس میں جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے شک ہے تو تم ویسی ہی ایک سورۃ بنا کر پیش کرو۔ تیسرا مسئلہ روز قیامت کے ثبوت میں ہے۔ اور اس پر دلیل یہ دی ہے وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور ایمان کے ساتھ نیک عمل کئے۔ انہیں اس بات کی خوشخبری دے کہ اُن کے لئے بہشت کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ چوتھا مسئلہ قضا اور قدر کا ہے۔ اور اس پر دلیل یہ ہے یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا وَّیَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا یعنے قرآن کی آیتیں دو آدمی سنتے ہیں ایک کو تو وہ جس کا ایمان قرآن کے پڑھنے اور سننے سے زیادہ ہوتا رہتا ہے۔ اور دوسرا وہ جو قرآن کو سن کر کفر ہی ترقی کرتا رہتا ہے۔ پس اگر ایسا نہیں کہ ایک کی تقدیر میں تو نیک بختی ہے اور دوسرے کی تقدیر میں بدبختی۔ تو کیوں ایک کے دل میں تو بالکل دوستی اور محبت پیدا ہوتی ہے۔ اور دوسرے کے دل میں نفرت اور عداوت پس اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ خداوند تعالیٰ نے اپنی کتاب کا آغاز ان چار مسئلوں کے دلائل سے کیا ہے۔ اور یہ اس پر قاطع دلیل ہے کہ برہان اور دلیل کے سوا معرفت اور ایمان درست نہیں ہوتا۔ یہاں پر مخالف کا یہ شبہ اور

اعتراض ہے۔ کہ صحابہ رضنے علم اصول کو بیان نہیں کیا۔ اس لئے یہ بدعت ہے۔ اور بدعت باطل ہوتی ہے۔ جواب یہ ہے کہ علم اصول سے ہمارا مقصود توحید۔ تنزیہ۔ عدل۔ نبوت اور معاد کے دلائل ہیں۔ اور اس بات کو ہم نے ثابت کر دیا ہے۔ کہ سارا قرآن ان دلیلوں سے بھرا ہوا ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ علم اصول کو بدعت کہنا عین بدعت اور گمراہی ہے +

فصل ۱۰

علم قرآن اور تفسیر کی فضیلتیں

اللہ جلشانہ نے اوّل اور آخر کے سب علموں کو قرآن میں جمع کر دیا ہے۔ اور اس دعویٰ کی صحت پر ہمارے پاس بہت سی دلیلیں ہیں +

پہلی دلیل یہ ہے اللہ تعالےٰ قرآن کی صفت میں فرماتا ہے لَا رَيْبَ فِيهِ یعنے قرآن میں کچھ شک نہیں۔ جو قوی دلیلیں قرآن میں مذکور ہیں وہ ایسی ہیں کہ جو ان کو سمجھ لے اس کو قرآن کی صداقت میں کوئی شک نہیں رہتا۔ اس کے بعد فرمایا ہے هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ یعنے پرہیزگاروں کو راستہ دکھلانے والا ہے۔ سوال۔ اگر کوئی یہ کہے کہ قرآن تو سب لوگوں کی ہدایت کا سبب ہے یہ کیوں فرمایا ہے هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ یعنے متقی لوگوں کو ہی ہدایت کیلئے مخصوص کیوں کیا ہے"۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ قرآن جہان کے سب لوگوں کی ہدایت کا باعث ہے جیساکہ دوسری آیت میں فرمایا ہے شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ یعنے قرآن سب لوگوں کی ہدایت کا سبب ہے لیکن جب یہ اس ہدایت کو متقی لوگوں کے سوا دوسرے حاصل نہیں کرتے۔ تو گویا قرآن کا نزول متقیوں کے سوا دوسروں کے لئے نہیں ہے +

دوسری دلیل یہ ہے۔ فرمایا ہے اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا یعنے کیوں قرآن کے علم میں اندیشہ اور فکر نہیں کرتے۔ شاید ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں +

تیسری دلیل۔ فرمایا ہے اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا یعنے قرآن میں کیوں تامل اور فکر نہیں کرتے۔ اگر قرآن خدا کے سوا کسی غیر کا کلام ہوتا۔ تو اس میں ایک دوسرے کے خلاف امور ہوتے۔ اور جب ایسا نہیں ہے

تو یہ اس کی دلیل ہے کہ قرآن خدا تعالےٰ کا کلام ہے +

چوتھی دلیل۔ فرمایا ہے لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ یعنے ان لوگوں کی تعریف اور ثنا کی ہے۔ جو قرآن کی آیتوں سے دین کی حقیقتوں کو حاصل کرتے ہیں۔ پس اس سے ثابت ہے کہ قرآن کے معنوں کا استنباط کرنا بہت بڑے بلند درجے کے لوگوں کا کام ہے +

پانچویں دلیل۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی صفت میں فرمایا ہے حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ۔ اور دوسری جگہ فرمایا ہے وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔ اور ظاہر ہے کہ جو شخص قرآن کے معنوں کا زیادہ عالم ہوتا ہے۔ اس کو حکمت اور شفا اور ہدایت اور رحمت قرآن سے اس کی نسبت زیادہ نصیب ہوتی ہے جو قرآن کے معنوں کا عالم نہیں ہوتا +

چھٹی دلیل وہ ہے جو قرآن کی صفت میں فرمایا ہے قَدْ جَاءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتَابٌ مُّبِيْنٌ۔ تحقیق آیا تمہارے پاس خدا کی طرف سے نور اور کتاب روشن پس جیسے جب تک آفتاب نہ نکلے ظاہری آنکھ کچھ نہیں دیکھتی۔ ایسے ہی جب تک قرآن کا آفتاب نہ چمکے عقل کی آنکھ غیب کی حقیقتوں میں سے کسی ایک جز کا مطالعہ بھی نہیں کرتی +

ساتویں دلیل یہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا۔ جو آدمی قرآن کی دلائل کی طرف سے اعراض اس کی زندگی دین اور دنیا دونو میں ناخوش گزرتی ہے۔ اور دوسری جگہ فرمایا ہے فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى یعنے جو آدمی قرآن کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتا ہے۔ وہ ہرگز گمراہ نہیں ہوتا۔ اور کفر اور بدبختی اس کی طرف مُنہ نہیں کرتی +

آٹھویں دلیل یہ ہے۔ فرمایا ہے وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ۔ اور دوسری جگہ فرمایا ہے مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ یعنے ایسی کوئی حقیقت اور علم نہیں۔ جس کا قرآن میں ذکر نہیں آیا +

نانویں دلیل۔ فرمایا ہے اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ یعنے جو راستہ سب راستوں سے بہتر ہے اور جو دین سب دینوں سے زیادہ کامل ہے۔ قرآن اس کی طرف راستہ دینے اور دکھلانے والا ہے +

دسویں دلیل یہ ہے۔ فرمایا ہے اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ۔ جو چیز کہ

رسول پر نازل ہوئی۔ یعنے قرآن رسول اس پر ایمان لایا۔ اور اس کے بعد فرمایا ہے اَلْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ یعنے مومن لوگ خدا بزرگ اور بلند پر ایمان ملائے۔ اور فرشتوں اور پیغمبروں اور کتابوں پر ایمان لائے۔ اور اس کے بعد فرمایا وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا یعنے مومنوں نے کہا۔ ہم نے خدا تعالےٰ کی کتابوں کو سُنا اور سب پر ایمان لائے اور ان کے حکموں کو مانا۔ پس ان دو آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ہماری تمام دینی اور دُنیاوی نجات بختی اس سے تعلق رکھتی ہے۔ کہ ہم قرآن کے معنی سمجھیں۔ اور اس کی دلیلوں کو معلوم کریں۔ اور ان پر عمل کریں۔ اور ظاہر ہے۔ کہ قرآن کے اسرار تفسیر اور کھول کر بیان کرنے کے بغیر سمجھ میں نہیں آتے۔ پس اس سے ثابت ہے کہ تفسیر کا علم نہایت درجہ کا بزرگ شریف اور قابلِ تعریف ہے۔ اور یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن کا علم ایک ہی قسم کا نہیں۔ اس کی بیشمار قسمیں ہیں +

پہلی قسم۔ قرآن کے علوم میں سے قرأتوں کا علم ہے۔ اور قرأت دو قسم پر ہے ایک تو ساتوں قاریوں کی قرأتیں ہیں۔ اور یہ ساتوں مشہور روائتوں کے ساتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہیں۔ اور ان سے نماز پڑھنی جائز ہے۔ دوسرے قسم کی قرأتیں شاذہ کہلاتی ہیں اور وہ نادر ہیں۔ اور ان قرأتوں سے نماز پڑھنی درست نہیں +

دوسری قسم۔ علوم قرآن کی وقوف ہے۔ یعنے اس بات کا سمجھنا ہے۔ کہ ہر ایک آئت کس جگہ ختم ہوتی ہے۔ اور یہ علم قیاسی ہی نہیں بلکہ روائتی بھی ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ قیاس کے حکم میں تو آیت ہو اور روائتوں کے حکم میں وہی زیادہ آئتیں ہوں۔ جیسا کہ یہ ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ یہ سب موصوف اور صفت ہیں اور قیاس کے حکم سے ایک سخن میں ہوتی ہیں۔ لیکن روایت کے رو سے تین آئتیں ہیں۔ اور آیت مداینہ جو سورہ بقر کے آخر میں ہے۔ وہ قیاس کے رو سے تو بہت سی آئتیں ہیں۔ اور روایت کے رو سے ایک ہی آیت ہے۔ اور یاد رکھنا چاہیئے کہ وقوف کے سبب یعنے عمل قرأت میں ٹھہر جانے کے باعث معنی بہت مختلف ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ وقف اس جگہ کرنا چاہیئے وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ یا یہاں وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ۔ اور اختلاف کی وجہ سے کیا ہے کہ آیات متشابہات کی تاویل کرنے میں علما کی رائے مختلف ہے +

تیسری قسم۔ لغات قرآن کی معرفت ہے۔ اکثر لغتیں تو ایسی ہیں کہ ان کے معنی تواتر سے معلوم ہوتے ہیں۔ پس یہ لغتیں اُن میں شمار ہوتی ہیں جو یقینی ہیں۔ اور اکثر لغتیں غریب ہوتی ہیں۔ ان کے معنی احاد روایتوں سے معلوم ہوتے ہیں۔ اس لئے ان لغتوں کی معرفت احاد کے باب سے ہے۔ اور وہ مظنون ہیں یعنے ظنی۔ اور جو احکام ان سے معلوم ہوتے ہیں۔ وہ بھی ظنی ہیں +

چوتھی قسم۔ قرآن کے علوم کی قرآن کے اعراب کا علم ہے۔ یہ شریف علم ہے جب تک کوئی آدمی اس علم کا ماہر نہ ہو۔ اُسے قرآن کے باب میں گفتگو کرنی حرام ہے۔ اور جس آدمی نے علم تفسیر میں تامل کیا ہوگا وہ سمجھتا ہے کہ اگر کسی کو علم اعراب سے واقفیت نہ ہو تو اُس کو قرآن کے ٹھیک معنی نہیں معلوم ہوتے +

پانچویں قسم۔ نزول قرآن کے اسبابوں کا علم ہے۔ اللہ تعالےٰ نے تئیس ۲۳ سال کے عرصہ میں محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر تمام قرآن کو اُتارا ہے۔ اور ہر ایک روایت کسی نہ کسی واقعہ اور حادثہ کے ظہور کے موقعہ پر نازل کی ہے۔ اور علماء اصول نے تفقہہ کرکے یہ ایک اصول قائم کیا ہے کہ اَلْعِبْرَۃُ لِعُمُوْمِ اللَّفْظِ لَا بِخُصُوْصِ السَّبَبِ (صحت لفظ کے عام ہونے سے حاصل ہوتی ہے سبب کے خاص کرنے سے نہیں ہوتی)۔ اس لئے علماء اصول کہتے ہیں کہ نزول کے اسباب کا علم حاصل کرنے میں ایک چیز کے سوا اور کوئی فائدہ نہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ جب عام لفظ کی تخصیص کیجائے۔ تو سبب نزول کی تخصیص کرنی جائز نہیں ہوتی۔ اور جو نزول کا سبب نہ ہو۔ اُس کی تخصیص جائز ہوتی ہے +

چھٹی قسم۔ ناسخ اور منسوخ کا علم ہے۔ علماء اُمت میں سے ایک جماعت کے لوگوں کا قول یہ ہے کہ قرآن میں کوئی آیت منسوخ نہیں اور اس کی شرح ہم نے ایک بڑی تفسیر میں کی ہے لیکن اکثر علماء کی رائے ہے۔ کہ قرآن میں بعض آیتیں ناسخ ہیں۔ اور بعض منسوخ اور ان کی معرفت واجب ہے تاکہ عامل کا عمل ناسخ کے مطابق ہو نہ منسوخ کے +

ساتویں قسم۔ علوم قرآن سے تاویلات کا علم ہے۔ اور اس کی کئی ایک قسمیں ہیں پہلی یہ ہے کہ جہاں نفی ہو۔ وہاں اثبات کے معنی لئے جائیں اور جہاں اثبات ہو وہاں نفی کے اور جہاں نفی سے مراد اثبات لیجاتی ہے اسکی مثال ایسی جیسے فرمایا ہے لَا اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَۃِ یہاں مقصود یہ ہے اُقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیٰمَۃِ میں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں۔ اور دوسری جگہ فرمایا ہے قُلْ تَعَالَوْا

اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا یہاں اَلَّا تُشْرِكُوْا سے مراد اَنْ تُشْرِكُوْا
ہے کیونکہ حرام فعل شرک کرنا ہے یعنے اللہ تعالیٰ نے تم پر شرک کرنا حرام کیا ہے۔ اور دُوسری
جگہ فرمایا ہے مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ وا یہاں مراد ہے مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ وا یعنے تو نہیں
منع کیا تمہیں اس سے کہ سجدہ کرو۔ اور جہاں اثبات سے نفی مراد ہوتی ہے وہ مقام یہ ہے
يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا یہاں مقصود اَنْ تَضِلُّوْا سے اَنْ لَّا تَضِلُّوْا ہے۔ اور قرآن میں
اس باب کی مثالیں بہت آئی ہیں۔ دوسری یہ ہے کہ عام کا ذکر ہو۔ اور مراد اس سے خاص
لی جائے۔ اور کبھی خاص کا ذکر ہو۔ اور مراد عام رکھی جائے۔ پہلی مثال یہ ہے اَلَّذِيْنَ
قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ۔ پہلے ناس کے لفظ میں مراد ایک معین آدمی
ہے۔ دوسری مثال یہ ہے فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اس میں خاص کا ذکر کیا ہے۔ اور
مراد اُس سے سب مکلف لوگ ہیں تیسری قسم تاویلات کے علم کی یہ ہے کہ قرآن میں جہاں
دو لفظ بظاہر متناقض ہوں۔ ان لفظوں کے معنی دو وقتوں میں الگ الگ مراد ہوتے
ہیں جیساکہ فرمایا ہے فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ۔ پس آج کے دن
نہ پوچھے جائینگے اس کے گناہ سے انسان اور نہ جن۔ اور دوسری جگہ فرمایا ہے فَوَرَبِّكَ
لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ یہاں مراد قیامت کے وقتوں میں سے دو وقت جدا جدا ہیں +

آٹھویں قسم۔ علوم قرآن کے قصے اور تاریخوں کا علم ہے۔ اور یاد رکھنا چاہئے۔ کہ
پہلے لوگ جو متقدمین کہلاتے ہیں۔ ان کے قصوں کی شرح بیان کرنے میں پانچ
حکمتیں ہیں۔ پہلی حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ان کے قصے یاد کئے ہیں۔ اور بیان
کیا ہے کہ مطیع اور فرماں بردار لوگوں کا انجام تو یہ ہے۔ کہ دُنیا میں ان کی بڑی تعریفیں
ہوتی ہیں۔ اور آخرت میں بڑا ثواب پاتے ہیں۔ اور کافروں اور سرکشوں کا انجام یہ ہے
کہ دنیا میں ان پر لعنت ہوتی ہے اور آخرت میں عذاب۔ اور جب گذشتہ لوگوں کے
قصوں سے یہ معنے معلوم ہو جاتے ہیں۔ تو اس سے انسان کا دل طاعت کی طرف
میل کرتا ہے اور مخالفت اور سرکشی سے نفرت پکڑتا ہے۔ اور یہ بڑا نفیس اور شریف مقصود
ہے۔ اور اسی واسطے حق تعالیٰ نے فرمایا ہے لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي
الْاَلْبَابِ۔ بے شک ان لوگوں کے قصوں میں سمجھنے والوں کے واسطے عبرت ہے۔
دوسری حکمت یہ ہے کہ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم ایک اُمّی آدمی تھے نہ کوئی کتاب پڑھا نہیں

پڑھی تھی۔ اور کسی کی شاگردی نہیں کی تھی۔ اور جب پہلے لوگوں کے قصوں کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ان میں کچھ غلطی واقع نہیں ہوتی۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قصے بیشک آپ کو وحی سے یاد ہوئے ہیں۔ پس ان قصوں کے بیان کا کسی خطا اور غلطی سے پاک ہونا آپ کی نبوت کی صداقت اور صحت پر دلیل ہوگی۔ اور اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ تیسری حکمت یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کافروں سے بہت رنج اٹھاتے تھے۔ اور رسالت کا فرض ادا کرنے میں آپ کو بہت سی زحمتوں کا سامنا ہوتا تھا۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے گذشتہ لوگوں کے یہ قصے آپ پر بیان کئے۔ تو آپ کو معلوم ہوگیا۔ کہ سب پیغمبروں کا حال ایسا ہی ہوا ہے لاچار آپ نے اُن رنجوں اور زحمتوں پر صبر کیا۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ پس صبر کر جیسا کہ بڑے اور مستقل ارادہ والے رسولوں نے صبر کیا ہے + چوتھی حکمت یہ ہے کہ ایک فصیح جو ایک واقعہ کو بیان کرتا ہے۔ اگر پھر دوسری دفعہ اسی واقعہ کو دوسری عبارت میں بیان کرے تو اس کی دوسری دفعہ اسی واقعہ کو دوسری عبارت میں بیان کرے تو اس کی دوسری دفعہ کی عبارت پہلی سے رقیق ہوتی ہے۔ کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے۔ کہ فصیح الفاظ پہلی دفعہ ہی خرچ ہو جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ اور فرعون کے قصہ کو قرآن میں کئی دفعہ بیان کیا ہے۔ لیکن فصاحت میں کچھ فرق نہیں آیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کی فصاحت معجزہ کے درجہ تک پہنچی ہوئی ہے۔ اور اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا۔ اور اگر قرآن خدا کے غیر کی طرف سے ہوتا تو البتہ تم اس میں بہت اختلاف پاتے + پانچویں حکمت یہ ہے کہ قرآن میں علوم توحید اور ایسی نہایت دقیق اور لطیف دلائل اور باتوں کا بیان ہے۔ ان کی معرفت حاصل کرنے اور سمجھنے میں انسان کا دل کوفتہ ہو جاتا ہے۔ اور جب ان دقیق دلیلوں کے ذکر کے اثناء میں بعض قصے بیان کئے جاتے ہیں۔ تو ان کے سننے سے دل کو ایک قسم کی آسائش بلکہ قوت حاصل ہو جاتی ہے +

نانویں قسم۔ علوم قرآن کی اصولی اور فروعی مسئلوں اور دلیلوں کا نکالنا ہے۔ اور یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ تمام اہلِ اصول نے علم اصول کو قرآن سے لیا ہے۔ اور ساری اس کتاب

سے ظاہر ہوگا۔ کہ انہوں نے علوم کے تمام اسرار قرآن ہی سے نکالے ہیں +
دسویں قسم۔ اشارتیں اور نصیحتیں اور وعظ ہیں۔ قرآن ایک بہت بڑا سمندر ہے۔ جس کا کوئی کنارہ نہیں۔ اور اس کے علوم کی کوئی نہایت نہیں۔ اور ہم طوالت کے خوف سے اسی قدر بیان پر کفایت کرتے ہیں +

دُوسرا مقالہ

خداوند تعالےٰ کی ہستی کے دلایل میں۔ اور اس میں گیارہ فصلیں ہیں +

فصل ا

(صانع عالم کی ہستی پر کلی دلیلوں کی شرح میں۔ یہ دس دلیلیں ہیں)

پہلی دلیل یہ ہے۔ کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک موجود ہے۔ اس کے بعد ہم کہتے ہیں کہ اس موجود پر یا تو عدم کا اطلاق روا ہے یا ناروا۔ اگر عدم کا اطلاق روا ہے تو اسے ممکن الوجود کہتے ہیں۔ اور اگر ناروا ہے تو اُسے واجب الوجود پس اس سے ظاہر ہے کہ جو چیز موجود ہے وہ یا ممکن الوجود ہے یا واجب الوجود۔ اس کے بعد یہ کہا جاتا ہے کہ جو کچھ موجود ہے اگر وہ واجب الوجود ہے تو اس سے واجب الوجود کی ہستی ثابت ہوئی۔ اور اگر ممکن الوجود ہے تو ضروری ہے کہ اس کے وجود کے لئے کوئی مُرجّح ہو۔ کیونکہ جو چیز ہستی اور نیستی دونوں کو قبول کرتی ہے۔ اس کی حقیقت کے ساتھ نسبت رکھنے میں ہستی اور نیستی دونوں مساوی ہیں۔ یعنی جیسی نسبت اس وجود کی حقیقت کے ساتھ ہستی کو ہے ویسی ہی نیستی کو ہے۔ اور جو چیز ایسی ہو اس کی ہستی کو نیستی پر بغیر کسی مُرجّح کے رجحان یعنے فوقیت نہیں ہوتی پس اس سے ثابت ہے کہ ممکن الوجود ہے۔ اُس کے لئے کوئی مُرجّح ہونا چاہیئے۔ اس کے بعد ہم کہتے ہیں کہ وہ مُرجّح بھی یا واجب الوجود ہوگا یا ممکن الوجود۔ اگر واجب الوجود ہے۔ تو ہمارا مطلب ثابت ہے۔ اور اگر ممکن الوجود ہے تو پھر اس میں وہی پہلا قول لازم آتا ہے۔ جو پہلے ممکن الوجود میں آتا ہے۔ اور یہ تین حال سے باہر نہیں۔ یا تسلسل ہوتا ہے یا دور اور یا واجب الوجود پر پہنچتا ہے۔ لیکن تسلسل محال ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ان بے شمار اسباب اور مُسبّبات کا مجموعہ اپنے افراد میں سے ہر ایک فرد کا محتاج ہوتا ہے۔ اس مجموعہ کا ہر ایک

فرد ممکن الوجود ہے اور جو چیز ممکن الوجود کی محتاج ہوتی ہے ۔ وہ امکانِ وجود میں اولیٰ تر ہوتی ہے ۔ اس لئے ثابت ہوا ۔ کہ مجموعہ مذکور اور نیز اس جہت سے کہ ہر ممکن کے لئے کسی ایسے مرجح کا ہونا ضروری ہے جو اس کا غیر ہو ۔ اپنی ہر ایک جزو کے اعتبار کی جہت سے ممکن الوجود ہے ۔ پس اس سے لازم آتا ہے کہ وہ مجموع ایسے مؤثر کا محتاج ہوتا ہے جو اس کا اور اسکے تمام اجزا کا غیر ہو ۔ اور جو چیز ممکنات کی تمام جزوں کے مغائر ہو باعتبار مجموعہ اور باعتبار ایک ایک فرد کے وہ چیز ممکنات سے نہیں ہوتی ۔ اور جو چیز ایسی ہوتی ہے وہ واجب الوجود ہوتی ہے ۔ اس سے ظاہر ہے کہ سب کائنات واجب الوجود کی محتاج ہے ۔ اور اس طریق سے دَور بھی باطل ہو جاتا ہے پس ثابت ہوا کہ ایک موجود ہے اور جب ایک موجود ہے تو واجب الوجود کی ہستی بھی ثابت ہے +

دوسری دلیل واجب الوجود کی ہستی پر یہ ہے کہ تمام جسمانی عالم ممکن الوجود ہے اور جو ممکن الوجود ہے ۔ اس کے لئے ایک مؤثر کا ہونا ضروری ہے ۔ اس لئے لازم آتا ہے کہ سب جسمانی عالم کے لئے ایک مؤثر ہو ۔ لیکن پہلا مقدمہ جو یہ کہا ہے کہ تمام عالم جسمانی ممکن الوجود ہے ۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جو چیز متحیّز ہوتی ہے یعنے احاطہ کی گئی اس کی دو جانبیں ہوتی ہیں وجہ یہ ہے کہ متحیز چیز کا دایاں اس کے بائیں کا غیر ہوتا ہے "یعنے اس کا ایک دایاں ہوتا ہے اور ایک بایاں" اور اس کا فوق اس کے تحت کا غیر ہوتا ہے "یعنے ایک اس کا فوق ہوتا ہے اور ایک تحت" اور جس چیز کی دو جانبیں ہوتی ہیں ۔ وہ منقسم ہوتی ہے ۔ پس اس سے لازم آتا ہے کہ جو چیز محدود ہوتی ہے وہ منقسم ہوتی ہے اور جو منقسم ہوتی ہے اس کے اجزا ہوتے ہیں ۔ اور وہ اپنی جُز کی محتاج ہوتی ہے اور جُز سوا ہوتی ہے "یعنے کل کا غیر ہوتی ہے" اس لئے جو چیز اپنے غیر کی محتاج ہے وہ ممکن الذاتہ ہے "یعنے اپنی ذات کے لئے امکان پذیر ہے" پس اس سے ثابت ہوا کہ تمام عالم جسمانی ممکن الوجود لذاتہ ہے ۔ اور دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ جو چیز ممکن الوجود لذاتہ ہوتی ہے ۔ اس کی نیستی اور ہستی کی نسبت اس کی ذات کے ساتھ برابر ہوتی ہے ۔ پس اگر یہ چیز خود ہی راجح ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ اس کی حقیقت مساوات اور فوقیت دونوں کی مقتضی ہو اور ایک ہی چیز میں ان دونوں کا ہونا محال ہے ۔ پس اس سے ظاہر ہے ۔ کہ جو چیز ممکن الوجود ہوتی ہے ۔ اس کے واسطے ایک مرجح ہے ۔ اور جب عالم جسمانی ممکن الوجود

ہے۔ اور جو ممکن الوجود ہے اس کے لئے ایک مؤثر کا ہونا ضروری ہے۔ تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ تمام عالم جسمانی کے لئے ایک مؤثر اور ایک موجد ہے +

تیسری دلیل۔ کہ تمام عالم پیدا کرنے والے اور صانع تعالیٰ کا محتاج ہے۔ یہ ہے سب جسمانی عالم کثرت سے مرکب ہے۔ اور جو چیز کثرت سے مرکب ہوتی ہے وہ ممکن الوجود ہوتی ہے۔ اور جو ممکن الوجود ہے وہ محدث ہے۔ اور جو محدث ہے اس کے واسطے ایک پیدا کرنے والے کا ہونا ضروری ہے۔ اِس لئے اس سے لازم آتا ہے کہ جہان کا ایک پیدا کرنے والا ہے۔ اور یاد رکھنا چاہئے۔ کہ یہ دلیل چار مقدموں پر مبنی ہے۔ پہلا مقدمہ یہ ہے کہ یہ جہان کثرت سے مرکب ہے اور اس بات کو عقل بدیہی طور پر جانتی ہے۔ کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ آفتاب چاند کے سوا ہے اور آفتاب اور چاند دونوں آسمان کے سوا ہیں۔ اور آسمان چاروں ارکان کے سوا ہے۔ دوسرا مقدمہ یہ ہے۔ کہ جو چیز کثرت سے مرکب ہوتی ہے وہ واجب الوجود لذاتہ نہیں ہوتی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر دو واجب الوجود فرض کئے جائیں تو وہ دو چیزیں وجود کے وجوب کے طریق سے متساوی ہونگی اور تعین اور تشخص کی راہ سے غیر مساوی پس اس سے لازم آیا۔ کہ ہر ایک چیز وجوب اور تعین سے مرکب ہو۔ اور دونوں وجوب کے مفہوم میں برابر ہوں۔ اور حقیقت میں برابر نہ ہوں۔ اور اس سے پھر یہ لازم آتا ہے کہ ان دو جزوں میں سے ہر ایک جزو دو اور جزوں سے مرکب ہو۔ اور ایسا ہونے سے یہ ماننا پڑتا ہے کہ ہر ایک کی ذات نامتناہی یعنے لاانتہا اجزاء سے مرکب ہو۔ اور یہ محال ہے اور اگر وہ دونو جزیں واجب نہ ہوں۔ تو پھر اس مجموعہ کا امکان وجود میں ہونا بہت اولیٰ ہوتا ہے لِاَنَّ الْمُفْتَقِرَ اِلَی الْمُمْکِنِ لِذَاتِهٖ اَوْلٰی بِالْاِمْکَانِ الذَّاتِیْ کیونکہ جو ممکن لذاتہ کا محتاج ہو وہ امکان لذاتہ میں اولیٰ ہوتا ہے۔ پس اس سے ثابت ہے کہ جو کثرت سے مرکب ہوتا ہے وہ واجب الوجود نہیں ہوتا بلکہ ممکن الوجود ہوتا ہے +

تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ جو چیز ممکن لذاتہ ہوتی ہے وہ محدث ہوتی ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ جو ممکن لذاتہ ہوتی ہے۔ اس کے واسطے کوئی مؤثر ہوتا ہے۔ اور مؤثر کی حاجت اس اپنے بقا کے حال میں نہیں ہوتی۔ اگر بقا کے حال میں ہو تو یہ لازم آتا ہے۔ کہ اس مؤثر کی تاثیر تحصیل حاصل اور ایجادِ موجود حاصل شدہ چیز کے حاصل کرنے اور موجود شے کو ایجاد کرنے میں ہو۔ اور یہ محال ہے۔ اس لئے ممکن کو مؤثر کی حاجت اپنے حدوث کے حال میں

ہونی چاہیئے یا عدم کے حال میں اور ان دونوں صورتوں سے لازم آتا ہے کہ وہ محدث ہو۔ پس معلوم ہوا کہ جو چیز ممکن الوجود معلوم ہوگی وہ محدث ہوگی۔ چوتھا مقدمہ یہ ہے۔ کہ جو چیز محدث ہوگی۔ اس کا کوئی فاعل ہوگا۔ اور یہ بدیہی مقدمہ ہے۔ کیونکہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ میرا گھر بغیر کسی بنانے والے کے بن جائے۔ اور میری کتاب بغیر کسی لکھنے والے کے لکھی جائے وہ کامل عقل والا نہیں ہوتا۔ پس اس سے ثابت ہوا۔ کہ عالم مرکب ہے اور جو چیز مرکب ہوتی ہے۔ وہ ممکن ہوتی ہے اور جو ممکن ہے وہ محدث ہے۔ اور جو چیز محدث ہے۔ اس کے واسطے ایک فاعل کا ہونا ضروری ہے +

چوتھی دلیل۔ پیدا کرنے والے کی ہستی کی معرفت میں چوتھی دلیل یہ ہے۔ کہ عالم کے تمام اجسام جسمیت کے لحاظ سے برابر ہیں۔ اور جب چیزیں کل حقیقت اور ماہیت میں برابر ہوں۔ تو جو کچھ ایک چیز کے لئے روا ہے وہی دوسری کے لئے بھی ہے۔ جب یہ بات مقرر ہوگئی۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان جو بلند ہے اس کا نشیب یعنے پستی میں ہونا بھی روا ہے۔ اور زمین جو پستی میں ہے۔ اس کا بلندی میں ہونا بھی جائز ہے۔ اور آگ جو گرم اور خشک ہے اس کا سرد و تر ہونا بھی روا ہے اور پانی جو سرد و تر ہے اس کا گرم و خشک ہونا بھی روا ہے۔ جب یہ مقدمہ درست ہوا۔ تو اس کے بعد ہم کہتے ہیں۔ کہ ان اجسام میں سے ہر ایک جسم کی خصوصیت کسی معین صفت اور معین شکل اور معین احاطہ کے ساتھ ہونی جائزات کے باب سے ہے اور جو چیز جائز ہوتی ہے۔ اس کے واسطے ایک مُرجح ہوتا ہے۔ اس لئے تمام جہان کے اجسام معین صفت اور معین احاطے اور معین شکل میں ہونے کے واسطے کسی مؤثر مدبر اور مقدر کے محتاج ہیں۔ اس کے بعد یہ کہا جاتا ہے کہ وہ مؤثر یا جسم ہوگا یا جسمانی یا نہ جسم ہوگا۔ اور نہ جسمانی۔ اور یہ جائز نہیں ہے کہ جسم ہو۔ کیونکہ مؤثر ہونے کی صفت کے ساتھ اس جسم کی خصوصیت جائزات سے ہوگی۔ اور اس میں ویسی ہی گفتگو ہے جیسی کہ دوسرے اجسام میں ہے۔ اور یہ بھی جائز نہیں کہ جسمانی ہو۔ کیونکہ اگر جسمانی ہو تو پھر مؤثر ہونے کی صفت کا ایک معین جسم میں حلول ماننا پڑیگا۔ اور اس صورت میں بعینہ پھر وہی بحث عود کریگی۔ اس لئے ضرور ہے کہ عالم کا مدبر نہ جسم ہو اور نہ جسمانی اور اس دلیل اور گذشتہ دلیل میں فرق یہ ہے کہ اس دلیل میں ہم نے ان صفتوں کے امکان پر اعتماد کیا ہے اور گذشتہ دلیل میں ذوات کے امکان پر +

پانچویں دلیل عالم کیلئے صانع کی حاجت کے ثبوت میں یہ ہے کہ جہان کے اجسام حجم اور مقدار میں سب متناہی یعنے محدود ہیں۔ اور جو چیز ایسی ہوتی ہے وہ جائز الوجود ہوتی ہے۔ اور جو جائز الوجود ہوتی ہے وہ فاعل اور موجد کی محتاج ہوتی ہے۔ اس دلیل کی بنیاد تین مقدموں پر ہے۔ پہلا مقدمہ یہ ہے کہ عالم کے اجسام متناہی یعنے محدود ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ چاہے کوئی سی مقدار فرض کیجائے۔ اس کا آدھا اس کے کل سے کم ہوتا ہے۔ اور جو چیز غیر سے کم ہو۔ وہ چیز متناہی ہوتی ہے۔ اس لئے جس کا نصف متناہی ہوتا ہے وہ کل بھی متناہی ہوتا ہے۔ اس لئے ثابت ہوا کہ اجسام سب متناہی ہیں۔ دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ جو چیز متناہی ہوتی ہے وہ جائز الوجود لذاتہ ہوتی ہے۔ اور دلیل یہ ہے کہ جو چیز مقدار میں متناہی ہوتی ہے بدیہی طریق سے عقل اس کی نسبت حکم کرتی ہے کہ جائز ہے کہ یہ مقدار جس قدر کہ ہے اس سے کچھ زیادہ ہو یا اس سے کچھ کم ہو۔ اور اس جواز کی صحت ثبوت کی محتاج نہیں عقل سے بدیہی طور پر ثابت ہے۔ اور جب جائز ہے کہ اس کا وجود اس مقدار سے زیادہ اور اس سے کم اور اس کے ہم مقدار ہو۔ تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا وجود اس معین مقدار میں جائزات سے ہے۔ تیسرا مقدمہ یہ ہے کہ جو چیز جائزات سے ہوتی ہے اس کے واسطے ایک مؤثر کا ہونا ضروری ہے جیسا کہ گزشتہ دلیلوں میں بیان ہوا ہے۔ اور جب یہ تینوں مقدمے درست ہیں تو ان سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام عالم اپنی ہستی میں صانع کی ایجاد اور خالق کی پیدائش کا محتاج ہے +

چھٹی دلیل پیدا کرنے والے صانع کی ذات کے ثبوت پر یہ ہے کہ عالم کے اجسام سب محدث ہیں اور جو چیز محدث ہوتی ہے۔ اس کے واسطے کسی پیدا کرنے والے کا ہونا ضروری ہے۔ اس دلیل کی بُنیاد دو مقدموں پر ہے۔ پہلا مقدمہ یہ ہے کہ اجسام عالم سب محدث ہیں۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اگر جسم ازلی ہوتے تو ازل میں ہی حاصل ہونے اور معین احاطہ میں محدود کیونکہ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جسم جب تک جسم ہے کسی احاطہ میں محدود نہ ہو۔ اور جب جسم ازل میں موجود ہو تو اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ وہ ازل میں کسی احاطہ میں حاصل ہو۔ اور وہ چیز یعنے احاطہ ضرور معین ہوتا ہے۔ کیونکہ جو موجود ہوتا ہے۔ وہ موجود فی نفسہ معین ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی چیز نفس الامر میں موجود ہو۔ اور نفس الامر میں نامعین تو یہ محال عقل ہے۔ پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر جسم ازلی ہو۔ تو اس کا حصول

حیز معین میں ازلی ہوتا ہے۔ لیکن یہ محال ہے۔ کیونکہ جو ازلی ہوتا ہے۔ اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ فاعلِ مختار کا فعل ہو۔ وجہ یہ ہے کہ ازلی وہ ہوتا ہے جو مسبوق بالغیر نہ ہو۔ اور فاعل مختار کا فعل وہ ہوتا ہے جو مستغرق بغیر ہو۔ اور ان دونوں قضیوں کا جمع کرنا محال ہے اور جب یہ باطل ہے تو ضرور ہے کہ جو ازلی ہوگا وہ یا واجب الوجود لذاتہ ہوگا۔ یا اس چیز کا معلول ہوگا۔ جو واجب الوجود لذاتہ ہے۔ اور ان دونوں صورتوں میں عدم اس پر محال ہے پس اس سے یہ ثابت ہوا۔ کہ جو چیز ازلی ہوتی ہے وہ زائل نہیں ہوتی۔ پس اگر اس کا حصول معین احاطہ میں ازلی ہوتا۔ تو زوال پذیر نہ ہوتا۔ اور اگر زوال پذیر نہ ہوتا تو چاہئے تھا کہ کوئی جسم متحرک نہ ہوتا۔ اور جب یہ باطل ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جسم کا حصول حیزِ ازلی میں نہیں ہوتا۔ اور جب اس کا حصول حیز ازلی میں نہیں تو وجود فی نفسہ بھی ازلی نہیں۔ اس لئے ثابت ہوا کہ عالم کے اجسام سب محدث ہیں۔ یہ دلیل بہت مختصر اور ظاہر ہے۔ اور متقدمین میں سے کسی نے مذکورہ دلیل کو نہیں لکھا۔ اور خدا کے فضل سے میرے ذہن میں آگئی ہے۔ دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ جب عالم کے اجسام محدث ہیں۔ تو بے شک ان کے حدوث کے لئے تقدم اور تاخیر جائز ہے۔ اور اس معین وقت میں اس حدوث کی خصوصیت فاعل اور موجد کے لئے ہوتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا۔ کہ عالم جسمانی کے سب اجسام فاعلِ مختار اور پیدا کرنے والے صانع کے محتاج ہیں۔ جو سب سے بلند اور پاک ہے۔

ساتویں دلیل پیدا کرنیوالے کی ہستی پر یہ ہے کہ اجسام کی ذاتیں اپنے غیر کی محتاج ہیں اور جو چیز ایسی ہوتی ہے وہ ممکن الوجود ہوتی ہے اور فاعل کی محتاج ہوتی ہے ہمیں پہلا مقدمہ یہ ہے کہ کہ عالم کے اجسام اپنے غیر کے محتاج ہیں دلیل یہ ہو کہ معین احاطہ میں جسم کا حاصل ہونا جسم کی ذات کے سوا ہے کیونکہ جسم کی ذات کا علم ہم کو اُسوقت ہو سکتا ہے کہ جسم کے معین احاطہ میں حاصل ہونے سے غافل ہوں۔ اور یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ ایک چیز معلوم بھی ہو اور نا معلوم بھی اس لئے معین احاطہ میں جسم کا حاصل ہونا جسم کی ذات کے سوا ہے۔ جب یہ ثابت ہوا۔ تو ہم کہتے ہیں کہ یہ درست نہیں ہے کہ جسم کی ذات حیز معین میں اس کے حصول کی علت ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو چاہئے تھا کہ جب تک جسم کی ذات موجود رہتی۔ اس معین احاطہ میں جسم کا حصول بھی باقی رہتا۔ اور یہ باطل ہے اور جائز نہیں کہ معین احاطہ میں اس کا حصول اس کی ذات کی علت ہو کیونکہ اس احاطہ میں جسم کا حصول اس کی ذات کی صفت ہے۔ اور صفت موصوف کی

محتاج ہوتی ہے اور اگر صفت موصوف کی علت ہو تو اس سے دور لازم آتا ہے۔ اور یہ محال ہے۔ پس معلوم ہوا۔ کہ حیز بیں جسم کی ذات اور اس کا حصول ہونا جو دو متغائر چیزیں ہیں۔ اور ایک کا دوسری سے خالی ہونا یعنے علیحدگی محال ہے۔ اور ان دونوں میں سے ایک دوسرے کی علت نہیں۔ پس معلوم ہوا۔ کہ جسموں کی ذاتیں وجود میں غیر کی محتاج ہیں اور جو وجود میں غیر کی محتاج ہوتی ہے وہ ممکن لذاتہ ہوتی ہے اور جو ممکن لذاتہ ہوتی ہے اس کے لئے ایک مؤثر کا ہونا ضروری ہے۔ پس اس سے لازم آتا ہے کہ اس عالم کے تمام اجسام مؤثر اور فاعل کے محتاج ہیں +

آٹھویں دلیل پیدا کرنے والے کے ثبوت میں یہ ہے کہ افلاک کی حرکتوں کے واسطے ابتدا ہے۔ اور جب ابتدا ہے تو اس میں شک نہیں کہ کسی فاعل اور مدبّر کا ہونا ضروری ہے جو افلاک کو حرکت دینے والا ہو۔ پہلا مقدمہ جو یہ بیان کیا ہے کہ افلاک کی حرکتوں کے لئے ابتدا ہے۔ اس مطلب پر ہماری تین دلیلیں ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ حرکت سے مقصود ہے ایک حال سے دوسرے حال میں انتقال کرنا۔ اس لئے جزو کل کی حرکت کی ماہیت اور حقیقت اس امر کی مقتضی ہے۔ کہ وہ حقیقت اور ماہیت دوسری حالت پر مسبوق ہو۔ اور حرکت ازلی کی حقیقت یہ چاہتی ہے۔ کہ وہ دوسری حقیقت اور ماہیت حالت پر مسبوق نہ ہو۔ اور ان دونوں کا جمع کرنا محال ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حرکت ازلی محال ہے اس لئے تمام حرکتوں کے لئے ابتداء کا ہونا ضروری ہے + دوسری یہ ہے کہ اگر جسم ازل میں متحرک ہو تو وہ حرکت یا تو غیر پر مسبوق ہوگی۔ اور یا نہ ہوگی۔ اگر غیر پر مسبوق ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ ازلی غیر پر مسبوق ہو اور یہ محال ہے۔ اور اگر غیر پر مسبوق نہ ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ اس حرکت سے پہلے کوئی دوسری حرکت نہ ہو۔ اس لئے وہ حرکت حرکتوں کا ابتداء ہوگی۔ اور جب حرکتوں کا وہ ابتدا ہے تو ازلی نہیں + تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر حرکت کی اجزا میں سے ہر ایک جزا اپنے غیر پر محدث اور مسبوق ہو تو تمام عدمات بھی ازلی ہونگے۔ اور جب سب عدمات ازل میں جمع ہوں اور ازل میں کوئی حرکت موجود ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ سابق اور مسبوق جمع ہوں اور یہ محال ہے۔ پس ان تینوں قاطع دلیلوں سے معلوم ہوا کہ حرکتوں کے لئے ابتدا ہے + دوسرا مقدمہ یہ ہے۔ کہ جب افلاک کی حرکتوں کے لئے ابتدا ہے تو ضرور ہے کہ کوئی محرک اور مدبر ہونا چاہئے

دلیل یہ ہے کہ جب حرکات کے لئے ابتدا ہے تو دو حال سے باہر نہیں یا تو یہ کہیں۔ کہ جسم اس سے پہلے موجود تھا۔ لیکن ساکن تھا اور بعد میں متحرک ہوا یا یہ کہیں کہ جسم خود حرکت سے پہلے موجود نہ تھا۔ کہ ان دونوں صورتوں میں حرکتوں کے حدوث کا اس وقت سے شروع کرنا جو اُسکے مابعد اور ماقبل کے سوا ہو عقول کے جائز امور میں سے ہے۔ اس لئے ایک مدبر محقق اور مُرجّح کا ہونا ضروری ہے اور یہ اس امر کی بیّن دلیل ہے۔ کہ عالم تدبیر کرنے والے فاعل مختار کا محتاج ہے۔ اور یہ دلیل اُسی دلیل سے ہے۔ جیسے خدا تعالیٰ نے قرآن میں یاد کیا ہے۔ فرمایا ہے یُغْشِی اللَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهُ حَثِیْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرَاتٍ بِاَمْرِهٖ +

نانویں دلیل پیدا کرنے والے کے ثبوت پر یہ ہے کہ جو آدمی عاقل ہے۔ وہ علانیہ اپنے عقل سے اس بات کو سمجھ لیتا ہے کہ جس وقت کسی رنج یا محنت یا بلا میں پڑتا ہے۔ تو اس وقت اس کا دل عاجزی اور زاری کرتا ہے۔ اور صاحبِ قدرت سے مدد مانگتا ہے اور جو کامل عقل رکھتا ہے اور اپنے حالات کی حفاظت کرتا ہے۔ وہ رنج اور بیچارگی کی حالت میں اسی بات کو اپنے انصاف اور واضح طور کے ساتھ پاتا ہے۔ اِس لئے ظاہر ہے کہ تمام داناؤں کو بدیہی عقل اس پر گواہی دینے والی ہے۔ کہ اس کے لئے ایک حافظ اور مددگار اور مدبر ہے۔ اور کسی کو ان معنوں میں کوئی شک اور شبہ نہیں۔ اور حق تعالیٰ نے اس قسم کی دلیل کو قرآن میں کئی جگہ یاد کیا ہے۔ اور حقیقت میں یہ دلیل اور بیان بہت روشن اور ظاہر ہے +

دسویں دلیل خدا تعالےٰ کی ہستی پر یہ ہے کہ آسمان اور ستارے اور نباتات اور حیوانات کی ترکیب ہم اس وجہ پر پاتے ہیں۔ کہ حکمت کی نشانیاں اس میں ظاہر ہیں۔ اور جس قدر زیادہ سوچتے ہیں اُسی قدر یہ نشانیاں زیادہ معلوم ہوتی ہیں۔ جیسا کہ ان کی شرح آئندہ فصلوں میں بیان ہوگی۔ اور بدیہی عقل سے جانتے ہیں۔ کہ حکمت کی نشانیوں کا ظہور اتفاقی طور پر محال ہے۔ اس لئے ایسے کامل اور قادر حکیم کے وجود کا اقرار کرنا اور اس پر ایمان لانا جس نے اپنی قدرت اور حکمت سے ان عجیب اور غریب چیزوں کو عالم علوی اور سفلی میں ظاہر کیا ہے ضروری ہے۔ پس اس میں شبہ نہیں۔ کہ ان احوال کا ظاہر ہونا اس کی قدرت اور حکمت کے ثبوت پر دلیل ہے۔ اور جب یہ صفتیں ثابت ہوئیں

تو بالضرور ذات بھی ثابت ہوگئی۔ اور ان دس قاطع دلیلوں سے ظاہر ہے کہ عالم کے لئے ایک پیدا کرنے والا۔ مُدبّر۔ مقدر اور حکیم ہے جو سب سے بلند تر اور پاک ہے +

فصل ۲

پہلا

(صانع عالم کے اثبات کی ظاہری جزوی دلیلیں)

گذشتہ علماء میں سے اللہ ان پر رحم کرے ہر ایک نے اس باب میں گفتگو کی۔ اس میں سے کسی قدر ہم اس جگہ ذکر کرتے ہیں +

پہلا یہ ہے۔ زندیقوں میں سے ایک زندیق نے جعفر بن محمد صادق رضہ سے پوچھا کہ اس عالم کے لئے کسی صانع کے ہونے پر کیا دلیل ہے۔ جعفر رضہ نے کہا کبھی تو کشتی میں بیٹھا ہے۔ جواب دیا ہاں۔ پوچھا دریا کا خطرہ بھی دیکھا ہے یا نہیں۔ زندیق نے کہا ہاں دیکھا ہے۔ میں ایک دفعہ دریا میں بیٹھا ہوا تھا۔ کہ ایک موج آئی اور اُسنے کشتی کو توڑ دیا۔ میں ایک تختہ پر بیٹھا رہ گیا۔ سخت ہوا چلتی تھی۔ اور وہ تختہ ہوا کے صدموں سے کبھی دریا کی اِس جانب کو چلا جاتا تھا کبھی اُس کو۔ ہر طرف صدمے اُٹھاتا تھا۔ ناگاہ میں عین دریا میں اس تختہ سے گر پڑا۔ جب ایک لحظہ گزرا۔ تو ایک اور سخت موج نے مجھ کو دریا کے کنارہ پر ڈال دیا۔ جعفر صادق رضہ نے پوچھا جس وقت تو کشتی میں تھا۔ اس وقت تیری امید کشتی پر تھی۔ اور جب تختہ پر رہ گیا تو اُس وقت تختہ پر لیکن جب کشتی اور تختہ دونوں میں سے کوئی چیز نہ رہی تو اس وقت تیرا بھروسا اور امید کس پر تھی۔ زندیق یہ سُن کر خاموش رہا۔ جعفر صادق رضہ نے فرمایا۔ کہ جس کے فضل اور رحمت پر تیرا بھروسا اُس وقت تھا۔ وہی وہ موجود ہے جو عالم کا پیدا کرنے والا ہے۔ زندیق یہ سُن کر اسی وقت مسلمان ہوگیا +

دوسرا کتاب ادیان العرب میں ذکر ہے کہ عمران بن حصین کو مسلمان ہونے سے پہلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عمران تو کتنے خداؤں کی پرستش کرتا ہے۔ جواب دیا دس کی۔ رسول اللہ صلعم نے پوچھا۔ اگر تو کسی بلا میں پڑ جائے۔ تو بلا کے دفع ہونے کی امید کس سے رکھتا ہے۔ جواب دیا۔ آسمانوں کے خدا سے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا جب ایسا ہے تو تیرا معبود آسمان کے خدا کے سوا دوسرا نہیں ہو سکتا۔ پس تیرا خدا ایک ہے جو وحدہ لاشریک لہ ہے" +

تیسرا یہ ہے۔ ایک دن امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ زندیقوں کی ایک جماعت آئی۔ اور آپ کے مارنے کا ارادہ کیا۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: ایک مسئلہ مجھ سے سن لو۔ اور اس کے بعد جو تمہارا دل چاہے سو کرو۔ انہوں نے پوچھا وہ کونسا مسئلہ ہے۔ ابوحنیفہ رح نے جواب دیا۔ میں نے ایک کشتی دیکھی۔ جو بھاری بوجھ سے لادی ہوئی تھی۔ اور دریا میں سیدھی جارہی تھی۔ اور اُسے نگاہ رکھنے والا کوئی ملاح اس پر نہ تھا۔ اپنے آپ ہی سیدھی گذر رہی تھی۔ کیا یہ بات عقل میں آسکتی ہے۔ کہ ایسا ہونا جائز ہے یا نہیں۔ زندیقوں نے جواب دیا یہ بات محال ہے۔ کیونکہ اگر ملاح نہ ہو۔ تو ٹھیک راستے پر کشتی کا چلنا محال ہے۔ ابوحنیفہ رح نے فرمایا۔ سبحان اللہ۔ تمام آسمانوں اور ستاروں کی گردش اور علوی اور سفلی کا نظام ایک کشتی کی حرکت سے زیادہ عجیب ہے۔ اگر عقل اس بات کو پہچان سکتی کہ کسی مدبّر اور حافظ کے سوا کشتی حرکت کرسکتی ہے۔ تو عالم افلاک اور عالم زمین کے انتظام کا بقا کسی مدبّر اور حافظ کے بغیر کیونکر عقل میں آسکتا ہے۔ زندیقوں نے یہ سُن کر اقرار کیا۔ کہ تو ٹھیک کہتا ہے اور سب اُسی وقت مسلمان ہو گئے +

چوتھا یہ ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا۔ کہ اس پر کیا دلیل ہے کہ اس عالم کا کوئی صانع ہے۔ آپ نے جواب میں فرمایا۔ ہم نے توت کے پتوں کو دیکھا اور معلوم کیا ہے کہ مرنے کی طبیعت اور خاصیت میں سب برابر ہیں۔ اور اگر ان کو ابریشم کا کیڑا کھاتا ہے تو اس سے ابریشم نکلتا ہے۔ اور اگر شہد کی مکھی کھاتی ہے تو اس سے شہد نکلتی ہے۔ اور اگر تاتاری ہرن کھاتا ہے تو اس سے کستوری پیدا ہوتی ہے۔ اور اگر بھیڑ بکری کھاتی ہے تو اس سے سرگین یعنے گوبری نکلتی ہے۔ پس اس پتے کی طبیعت اور خاصیت تو ایک ہے۔ لیکن اس سے ہر ایک جگہ میں دوسری چیز پیدا ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایسا ہونا ایک حکیم اور رحیم قادر کی تدبیر سے ہے +

پانچواں۔ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک جماعت کے لوگوں نے یہی مسئلہ پوچھا۔ آپ نے جواب میں فرمایا۔ کہ ماں باپ چاہتے ہیں کہ ان کے ہاں لڑکا پیدا ہو مگر لڑکی ہوتی ہے۔ اور لڑکی چاہتے ہیں تو لڑکا پیدا ہوتا ہے۔ اس سے لازم آتا ہے کہ ایک مدبر ضرور ہے۔ کہ حوادث اس کے ارادہ کے موافق ہوتے ہیں نہ مخلوق کے ارادہ کے موافق +

چھٹا یہ ہے جعفر صادق رض نے صانع تعالیٰ کے ثبوت میں ایک یہ دلیل بیان فرمائی

ہے کہ ہم نے ایک بڑا مضبوط قلعہ دیکھا جس کے باہر کی دیواریں چاندی کی تھیں۔ اور اس کے اندر کا حصّہ سونے کا۔ ناگاہ اس قلعہ کی دیواریں گر پڑیں۔ اور اس چاندی اور سونے سے ایک طاؤس پیدا ہوا۔ یہ اس پر دلیل ہے کہ اس کا مدبر اور مقدر قدیم صانع اور حکیم فاعل ہے اور آپ کی مراد چاندی سے انڈے کی سفیدی تھی۔ اور سونے سے انڈے کی زردی +

ساتواں یہ ہے۔ ہارون الرشید نے صانع کے ثبوت پر مالک سے دلیل پوچھی۔ فرمایا۔ صورتوں کا الگ الگ ہونا اور آوازوں کا اختلاف صانع کے ثبوت پر دلیل ہے۔ اور اس کا بیان یہ ہے کہ چہرے کا ٹکڑا بہت چھوٹا سا ہے۔ اور اس تھوڑے سے حصے میں آنکھ کی جگہ معین ہے۔ ناک کی جگہ مقرر ہے۔ مُنہ کی جگہ مقرر ہے پس باوجود اس کے کہ چہرے کا ٹکڑا بہت چھوٹا سا ہے اور اتنے حصہ میں چہرے کے اعضاؤں میں سے ہر ایک کے واسطے اسی میں جگہ مقرر ہے۔ اب اس صفت کو دیکھنا چاہیئے۔ کہ مشرق اور مغرب میں ایک کا چہرہ دوسرے سے نہیں ملتا۔ دو آدمی بھی ایسے نہیں پائے جائینگے۔ جو آپس میں مشابہ ہوں۔ اسی طرح دو آدمیوں کی آوازیں ایک دوسری سے نہیں ملتیں۔ اور نہ ہی ایک کی چال ڈھال دوسرے کی چال ڈھال سے مشابہ ہے پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک مدبر ہے جو حکیم اور قادر ہے کہ اس نے ہر ایک کو دوسری صفت اور صورت پر پیدا کیا ہے +

آٹھواں ایک نے ابونواس شاعر سے پوچھا کہ پیدا کرنے والے کی ہستی پر کیا دلیل ہے فرمایا ؎

تَأَمَّلْ فِي نَبَاتِ الْاَرْضِ وَانْظُرْ ۔۔۔ اِلٰى اٰثَارِ مَا صَنَعَ الْمَلِيْكُ

عَلٰى قُضُبِ الزَّبَرْجَدِ شَاهِدَاتٌ ۔۔۔ بِاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ لَهٗ شَرِيْكُ

یعنے اس نبات کو جو زمین پر اُگی ہُوئی ہے۔ غور کی نظر سے دیکھ کہ ان کی ٹہنیاں تجھے زبرجد کی معلوم ہونگی۔ کہ ہر ایک سے مختلف قسم کے پھل پھول اور شگوفے لگے ہوئے نظر آئینگے۔ اس نظارہ کو دیکھکر عقل صانع اور حکیم اور مدبر رحیم جل جلالہ کی ہستی پر گواہی دیگی +

ناںواں ایک زندیق نے ایک اعرابی سے پوچھا کہ پیدا کرنے والے کی ہستی پر کیا دلیل ہے۔ اعرابی نے جواب دیا اَلْبَعْرَةُ تَدُلُّ عَلَى الْبَعِيْرِ۔ اونٹ کی لید اونٹ کے وجود پر دلیل ہے وَاٰثَارُ الْاَقْدَامِ تَدُلُّ عَلَى الْمَسِيْرِ اور قدموں کے نشان چلنے والے کے چلنے پر دلالت کرتے ہیں +

فَسَمَاءٌ ذَاتُ اَبْرَاجٍ۔ یہ آسمان عجیب برجوں والے وَاَرْضٌ ذَاتُ فِجَاجٍ اور زمین اپنے عجیب راستوں والی وَبِحَارٌ ذَاتُ اَمْوَاجٍ اور دریا ہولناک موجوں والے اَفَمَا تَدُلُّ عَلَی الْعَلِیْمِ الْقَدِیْرِ۔ کیا یہ ساری چیزیں علیم اور قدیر کی ہستی پر نہیں دلالت کرتیں کہ اللہ جلشانہ علیم اور قدیر ہے +

دسواں۔ لوگوں نے ایک طبیب سے پوچھا کہ صانع علیم کی ہستی پر کیا دلیل ہے جواب دیا میں نے شہد کی مکھی کو دیکھا ہے۔ اس کے بدن کی ایک جانب میں تو نیش یعنے ڈنگ پایا ہے۔ اور دوسری جانب نوش یعنے شیرینی۔ اس سے میں نے سمجھ لیا۔ کہ ایک صانع ہے کہ یہ جہان اسی کی تدبیر اور رعایہ کے ماتحت ہے۔ اور ایک دوسرا طبیب کہتا ہے ہلیلہ یعنے ہڑ سرد اور خشک ہے اور اسہال لاتا ہے۔ اور کبیرا گرم اور تر ہے یہ امساک پیدا کرتا ہے اس سے میں نے جان لیا کہ اس جہان کا احوال فاعل مختار کی تقدیر سے وابستہ ہے +

گیارھواں۔ جعفر صادق رضہ سے لوگوں نے پوچھا۔ صانع تعالیٰ کی ہستی پر کیا دلیل ہے جواب دیا صانع کی ہستی پر سب سے بڑی دلیل میری ہستی ہے۔ کیونکہ میری ہستی اگر مجھ سے ہے۔ تو دو حال سے باہر نہیں ہو سکتی۔ یا تو میں نے آپ اسے اس وقت ہست کیا۔ جبکہ میں ہست تھا یا اس وقت ہست کیا جبکہ میں نیست تھا۔ اگر میں نے اپنے آپ کو اس وقت ہست کیا ہے جب میں ہست تھا تو یہ محال ہے کیونکہ ہست کو ہست کرنا عقل کو محال ہے۔ اور اگر میں نے اپنے آپ کو اس وقت ہست کیا ہے۔ جب میں نیست تھا تو یہ بھی محال ہے کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی چیز کو نیستی سے ہست کرے۔ اور جب یہ دونوں باطل ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ مجھے اُس ہستی نے ہست کیا ہے۔ جس پر نیستی کا ہونا محال ہے +

بارھواں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا۔ اُس نے اپنے پیدا کرنے والے کو بھی پہچان لیا۔ محققوں نے کہا ہے کہ نفس کی معرفت خدا کی معرفت پر دلیل ہے۔ مخالفت کے طور پر اسے دلیل خلفی کہتے ہیں نہ موافقت کے طریق پر۔ مخالف طریق سے معرفت پیدا کرنے کا بیان یہ ہے کہ جو اپنے آپ کو محدث سمجھتا ہے وہ اپنے خدا کو قدیم سمجھتا ہے۔ اور جو شخص یہ جانتا ہے کہ میری ذات جائز الوجود ہے وہ اپنے خدا کو واجب الوجود جانتا ہے۔ اور جو شخص اپنے آپ کو عبد جانتا ہے وہ اپنے خدا کو رب پہچانتا ہے۔ اور جو شخص اپنے آپ میں سے اپنے نفس کو بہت خلل اور نقص پاتا ہے۔ وہ اپنے خدا میں کمال اور جلال اور

جمال پاتا ہے۔ اور جو شخص اپنے آپ میں قصور ہی قصور دیکھتا ہے۔ وہ اپنے خدا کو صاحب ارادہ اور صاحب تقدیر دیکھتا ہے۔ اور جو شخص اپنے آپ کو ذلیل جانتا ہے وہ اپنے خدا کو بزرگ جانتا ہے۔ اور جو شخص اپنے آپ میں تغیر اور فنا کو دیکھتا ہے۔ وہ اپنے خدا کو ہمیشہ رہنے والا اور باقی رہنے والا پہچانتا ہے۔ پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے نفس کی معرفت خالق کی معرفت پر دلیل ہے لیکن مخالف طریق سے موافق طریق سے نہیں۔ اور جو یہ کہتا ہے کہ نفس کی معرفت خدا کی معرفت پر موافقت کے طریق سے دلیل ہے وہ شبہ اور بدعت کا باعث ہوتی ہے کیونکہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرے اعضا ہیں اور الباض ہیں۔ اس لئے چاہیے کہ خدا تعالےٰ بھی ایسا ہی ہو۔ اور میرے لئے مکان اور زمانہ ہے۔ اس لئے اُس کے واسطے ایسا ہی ہونا چاہئے اور ظاہر ہے کہ ایسا کہنا عین بدعت اور گمراہی ہے

تیرھواں۔ امیرالمومنین علی بن ابیطالبؓ سے لوگوں نے پوچھا کہ اس پر کیا دلیل ہے۔ کہ عالم کے لئے ایک صانع ہے۔ جواب دیا ارادوں کا نقض اور فسخ یعنے میں نے جو عزم کیا۔ اس کے برخلاف ہوا۔ اور جو کچھ میں نے چاہا۔ اس کا اُلٹ وجود میں آیا۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ عالم کے احوال ایسے فاعل اور مقدر کی تقدیر سے وابستہ ہیں۔ کہ اُسکی قدرت ہماری قدرت سے زیادہ کامل ہے +

چودھواں۔ قِیْلَ لِعَلِیِّ بْنِ اَبِیْطَالِبٍؑ هَلْ رَاَیْتَ رَبَّكَ حَتّٰی عَرَفْتَهٗ یعنے تو نے اپنے خدا کو دیکھا یہاں تک کہ اُس کو پہچان لیا۔ جواب دیا لَا اَعْبُدُ رَبًّا لَمْ اَرَهٗ میں اس خدا کی پرستش نہیں کرتا جسے میں نے نہ دیکھا ہو۔ آپ کو کہا گیا کَیْفَ رَاَیْتَهٗ۔ تو نے اس کو کیونکر دیکھا۔ جواب میں فرمایا مَا رَاَتْهُ الْعُیُوْنُ بِمُشَاهَدَةِ الْعِیَانِ وَلٰكِنْ رَاَتْهُ الْقُلُوْبُ بِحَقَائِقِ الْعِرْفَانِ یعنے اس کے آج کے دن سر کی آنکھ سے میں نے نہیں دیکھا۔ بلکہ دلیل اور حجت کے طریق سے دل کی آنکھ سے دیکھا ہے کہا اے امیرالمومنین صِفْ رَبَّكَ اپنے معبود کی تعریف کر۔ فرمایا اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفُ الرَّحْمَةِ یعنے میرا رب لطیف رحمت والا ہے یعنے اس کی رحمت لطف کے ساتھ ہے كَثِیْرُ الْكِبْرِیَاءِ۔ اس کی بزرگی بیحد اور بے نہایت ہے۔ جَلِیْلُ الْجَلَالَةِ اس کا جلال بغیر کسی ابتداء اور انتہا کے ہے۔ قَبْلَ كُلِّ شَیْءٍ وَلَیْسَ قَبْلَهٗ شَیْءٌ اس کی ہستی تمام ہستیوں سے پہلے ہے اور اسکی ہستی سے پہلے کسی ہست چیز کو ہستی حاصل نہیں ہوئی۔ وَبَعْدَ كُلِّ شَیْءٍ وَلَا بَقَاءَ لِشَیْءٍ بَعْدَهٗ اور سب چیزوں کے بعد باقی رہیگا۔ اور

اسکی ہستی کے بغیر کوئی چیز باقی نہیں رہیگی۔ ظاهرٌ لا بتاویل المباشرۃ خدا تعالےٰ ظاہر ہے لیکن مباشرت کی تاویل سے نہیں۔ یعنی ایسا نہیں کہ کسی حس سے محسوس ہو سکے یا خیال اور وہم میں آسکے۔ باطنٌ عن الاتصال والمجاورۃ باطن میں ہے لیکن اتصال اور مجاورت کے طریق سے۔ یسمعُ بلا آلۃ کانوں کے سوا سننے والا ہے۔ لا یحدّہ الصفات اس کی صفتیں محدود نہیں ہو سکتیں۔ اس سے پاک ہے۔ ولا تاخذہ السنات۔ وہ خواب سے منقدس اور پاک ہے القدمُ وجودہٗ قدیمٌ ازلیٌ نہ باستمرار زمان والابد ازلیتہ۔ وہ قدیم ہے اور اس کا وجود قدیم۔ ازلی ہے مگر استمرار زمانہ سے ازلی نہیں یعنے زمانہ سے اس کو کچھ نسبت نہیں۔ والابد ازلیتہ اور اس کی ہمیشگی اس کی عین ازلیت ہے الذی این الذین لا یقال لہ این۔ جو ذات کہ جگہوں کی پیدا کرنے والی ہے۔ اور خود جگہ سے بے نیاز والذی کیف الکیف ولا یقال لہ کیف وہ جو کیت یعنے مقدار اور کیفیت کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور خود کمیت اور کیفیت سے بے نیاز ہے +

پندرھواں سخن۔ ذکر کرتے ہیں کہ موفق باللہ جو خلیفہ معتصم باللہ کا باپ تھا حج کے لئے گیا بڑے بڑے نجومی اسکی خدمت میں حاضر تھے۔ جب حج سے فارغ ہوا تو نجومیوں کو کہا تم دعوے کرتے ہو کہ ہم نجوم کے حکم سے لوگوں کے دلوں کی بات معلوم کر لیتے ہیں۔ میں اب کچھ سوچتا ہوں۔ تم بتلاؤ کہ میرے دل میں کیا ہے۔ ہر ایک نے کچھ کچھ کہا۔ اور وہ تمام غلط نکلا۔ ابو معشر بلخی نے کہا۔ تو نے خدا تعالےٰ کی پاک ذات کا اندیشہ کیا ہے۔ موفق نے سنکر کہا تو نے یہ سچ کہا ہے لیکن مجھے بتلا کہ تو نے یہ کس دلیل سے معلوم کیا ہے۔ ابو معشر نے جواب دیا۔ اس وقت کہ تو نے اپنے دل میں کچھ سوچا۔ میں اصطرلاب کے ذریعے اوپر چڑھ گیا۔ نقطہ راس کو میں نے آسمان کے عین وسط میں پایا۔ اور نقطۂ راس ایک ایسی چیز ہے کہ میں اسکی ذات کو آنکھ سے تو نہیں دیکھتا۔ لیکن اس کی سعادت دیکھتا ہوں۔ اور آسمان کا وسط سب سے زیادہ بلند جگہ ہے۔ اس لئے مجھے یہ معلوم ہوا۔ کہ تو نے ایک ایسی چیز کو سوچا ہے جو تمام موجودات سے اعلیٰ ہے۔ اسکی رحمت کے آثار کو تو میں دیکھتا ہوں اور اس کی ذات کو نہیں دیکھتا۔ اور وہ جہان کے پیدا کرنے والے کے سوا جو بلند اور پاک تر ہے۔ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ موفق کو بہت پسند آیا۔ اور اس پر اس کی بہت تعریف کی +

سولھواں۔ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا۔ تو نے خدا کو کسطرح

جانا۔ جواب دیا۔ میں نے خدا کو خدا سے ہی جانا ہے۔ اگر خدا نہ ہوتا تو میں خدا کو ہرگز نہ جانتا اور آپ نے جو کہا ہے ہیں نے خدا کو خدا سے جانا۔ اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ خدا کو خدا کی توفیق سے اور اس کی ہدایت اور عصمت اور رحمت کے ذریعے سے جانا۔ اور یہ درست کہا ہے۔ اسی واسطے مصطفٰے صلعم نے فرمایا ہے لَوْلَا اللّٰہُ مَا اھْتَدَیْنَا وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا یعنے اگر خدا تعالےٰ کی رحمت نہ ہوتی۔ تو اس کی معرفت کی خوبی سے ہمارا دل ہرگز آراستہ نہ ہوتا۔ اور ہمارے ظاہری باطنی اعضا عبودیت کا لباس نہ پہنتے۔

سترھواں۔ ایک دفعہ ایک آدمی ایک درخت کے نیچے سویا ہوا تھا۔ اور درخت میں دیکھ رہا تھا۔ درخت سے ایک پتا گرا۔ اور اس کے مُنہ پر آپڑا۔ اُس پتے کو پکڑ کر دیکھنے لگ گیا۔ اور زبان سے یہ کہنا شروع کیا مَنِ الَّذِیْ اَنْبَتَ الْوَرَقَ عَلَی الشَّجَرِ درخت پر پتے کو کس نے اُگایا ہے۔ ناگاہ ایک اور پتا درخت پر سے گرا۔ اس پر لکھا ہوا تھا اَلَّذِیْ اَنْبَتَ الْوَرَقَ عَلَی الشَّجَرِ ھُوَ الَّذِیْ شَقَّ عَلٰی وَجْھِكَ الْبَصَرَ یعنے پتے کو درخت پر اُس نے اُگایا ہے جس نے چربی کے ایک ٹکڑے کو تیرے چہرے پر بنایا گیا ہے۔ یعنی اپنی کامل صفت سے دیکھنے والی آنکھیں عطا کی ہیں۔ اور اسی واسطے سجدہ تلاوت میں یہ دعا پڑھتے ہیں سَجَدَ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ خَلَقَہٗ وَشَقَّ سَمْعَہٗ وَبَصَرَہٗ یعنے میرے چہرے نے اسے سجدہ کیا ہے جس نے اس کو پیدا کیا۔ اور اس کے کانوں اور آنکھوں کو کھولا۔

اٹھارھواں۔ ایک دفعہ ایک بادشاہ کو زندیق کی طرف میلان ہوا۔ اُس کا وزیر عاقل تھا۔ اُس نے یہ چاہا۔ کہ اس کو اس تباہ اعتقاد سے باز رکھے۔ اور سچے دین پر لائے۔ اور دستور تھا کہ ہر سال بادشاہ ایک دفعہ وزیر کی مہمانی کے لئے جایا کرتا تھا۔ جب مہمانی کا وقت آیا تو وزیر نے کہا فلاں جنگل میں بادشاہ کو مہمانی کے لئے بُلانا چاہیئے۔ اور وہاں کوئی کھیتی۔ کوئی عمارت۔ کوئی باغ اور پانی جاری نہ تھا۔ بادشاہ نے سُن کر کہا سبحان اللہ وہ جگہ تو کسی کو مہمان بنانے کے لائق نہیں۔ وزیر نے جواب میں عرض کی کہ ہے تو ایسا ہی جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے لیکن وہاں کسی معمار کے بغیر خود بخود ہی بڑی بڑی بلند بنیادیں پڑ گئی ہیں۔ بڑی اچھی اچھی عمارتیں تیار ہو گئی ہیں۔ پانی جاری ہو گیا ہے۔ بڑے خوشنما باغ لگ گئے ہیں۔ بادشاہ ہنس پڑا۔ اور کہا اے وزیر شاید تو

دیوانہ ہوگیا ہے۔ کس کی عقل میں یہ بات آسکتی ہے کہ بنانے والے کے بغیر کوئی عمارت بن جائے۔ وزیر نے جواب میں عرض کی۔ کہ جب بنانے والے کے سوا اس قدر کسی مختصر بنیاد کا وجود نہیں ہو سکتا اور ایسا ہونا عقل میں نہیں آتا۔ تو عالم علوی اور سفلی کا اس قدر عجائب وغرائب کے ساتھ وجود میں آنا کیونکر عقل میں آسکتا ہے۔ بادشاہ اس مقولہ کو سُنتے ہی حقیقت سے آگاہ ہو کر مسلمان ہوگیا ❖

فصل ۳

عناصر اور افلاک کی صفات اور ذات کا پیدا کرنے والے کی ہستی پر دلالت کرنا

آسمانوں اور عنصروں کی ذات اور صفات ہیں جو پیدا کرنے والے کی ہستی کے ثبوت میں بیشمار دلائل ہیں۔ لیکن ہم خدا کی توفیق سے اُن میں سے کچھ بیاں بیان کرتے ہیں:

پہلی دلیل یہ ہے۔ کہ آسمانوں میں سے ہر ایک آسمان کے لئے ایک معین مقدار کی موٹائی ہے۔ مثلاً چاند کے آسمان کی موٹائی معین مقدار تک ہے اور فلک عطارد کی موٹائی جو اس کے اوپر ہے معین مقدار رکھتی ہے۔ اور علم ہیئت کے جاننے والوں اور مجسطی نے دلیل سے یہ امر ثابت اور مقرر کیا ہے کہ فلک مریخ کی موٹائی فلک آفتاب کی موٹائی سے بہت زیادہ ہے۔ اور اس موٹائی کی حد کسی کے وہم اور فہم میں نہیں آسکتی۔ اور اسی واسطے آفتاب اور مریخ کے درمیان قِران کے وقت جو بُعد ہوتا ہے۔ وہ اس سے زیادہ ہوتا ہے۔ جو مقابلہ کے وقت میں ہوتا ہے۔ جب یہ مقدمہ معلوم ہوگیا۔ تو اب ہم کہتے ہیں کہ ان افلاک میں سے ہر ایک فلک کی معین مقدار کے ساتھ خصوصیت " باوجود اس کے کہ عقل میں یہ بھی جائز ہے۔ کہ موٹائی کی یہ مقدار اس سے زیادہ ہوتی یا کم ہوتی " اس میں کوئی شک نہیں کہ مخصص قدیم اور مقدر حکیم کی خاص کرنے سے ہے۔ تقدست اسماءہ وتعالت کبریاءہ۔ اس کے نام پاک ہیں۔ اور اُسکی بزرگی بہت بلند ہے۔ اور یہ وہی دلیل ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے سورہ نحل میں یاد کیا ہے۔ فرمایا ہے۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ تَعَالٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ۔ کیونکہ خلق لغت میں تقدیر یعنے اندازہ کرنے سے مراد ہے۔ اور آیت کے معنی یہ ہیں۔ کہ آسمانوں میں سے ہر ایک آسمان کی مقدار معین ہے باوجود اس کے کہ مقدار کا زیادہ اور کم ہونا بھی روا

ہے پس دوسری مقداروں پر اس معین مقدار کی ترجیح بیشک جہان کے پیدا کرنے والے کی ایجاد سے ہے +

دوسری دلیل یہ ہے کہ کوئی سا آسمان فرض کرو۔ اس کی دو سطحیں ہوتی ہیں۔ ایک اوپر کی اور دوسری نیچے کی۔ اور بعض اجزا جو اوپر کی سطح کے نزدیک ہوتے ہیں جائز ہے کہ یہی نچلی سطح کے نزدیک ہوں۔ اور جو نچلی سطح کے نزدیک ہیں جائز ہے کہ وہی اوپر کی سطح کے نزدیک ہوں۔ کیونکہ فلک کے سب اجزا ماہیت اور طبیعت میں برابر ہیں اور جو کچھ ایک جزو کے لئے جائز ہے۔ وہ اسی قسم کی دوسری جزوں کے واسطے بھی جائز ہے۔ اور جب یہ بات مقرر ہو گئی۔ تو اس کے بعد ہم کہتے ہیں۔ کہ فلک کی جزوں میں سے ہر ایک جزو کی خصوصیت اس معین جگہ کے ساتھ جہاں کہ وہ ہے جائزات اور ممکنات سے ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ ایک خاص کرنے والے کی خصوصیت اور ایک مُرجح کی ترجیح سے ہے۔ اس لئے آسمان اور ستاروں اور عنصروں کی جزوں میں سے ہر ایک جزو اس امر کی سچی گواہ ہے کہ سب چیزیں مقدار خالق اور مختار صانع کی تقدیر اور تدبیر کی محتاج ہیں۔ اور وہ سب سے بلند اور پاک ہے +

تیسری دلیل یہ ہے۔ کہ فلک ماہ کی دو سطحیں ہیں۔ ایک مقعر کہلاتی ہے دوسری محدب "یعنے ایک سامنے کی طرف دوسری پشت کی طرف" اور ان دونوں کی طبیعتیں یکساں ہیں۔ اگر یکساں نہ ہوں۔ تو آسمان کے جرم میں ترکیب کا واقع ہونا لازم آتا ہے اور یہ باطل ہے۔ پس جیسے یہ جائز ہے کہ فلک ماہ معہ اپنی محدب سطح کے فلک عطارد کی اگلی طرف سے مقعر سطح کے ساتھ ملاقی اور مس کرنیوالی ہو۔ ویسا ہی یہ جائز ہے کہ فلک ماہ کی مقعر سطح فلک عطارد کی محدب سطح کے ساتھ ملاقی ہو۔ کیونکہ حکم الشئی حکم مثلہ۔ جو حال ایک شئے کا ہوتا ہے۔ وہی حال ویسے ہی دوسری شئے کا ہونا ہے اس لئے لازم آتا ہے کہ فلک ماہ محیط ہو۔ اور فلک عطارد محاط بہ ہو۔ اور جب یہ ثابت ہوا۔ تو جائز ہے کہ جو آسمان اوپر ہے۔ وہ نیچے ہو۔ اور جو نیچے ہے جائز ہے کہ وہ اوپر ہو۔ پس اپنی اپنی جگہ میں ہر ایک کی خصوصیت۔ ایک فاعل مختار اور صانع حکیم سے ہے۔ جو سب سے بلند اور پاک ہے +

چوتھی دلیل۔ احوال افلاک سے صانع مختار کے وجود پر یہ ہے۔ کہ ستاروں میں سے

ہر ایک ستارہ فلک میں اپنی معین جگہ میں مخصوص ہے۔ اور علم ہیئت میں یہ ثابت ہوا ہے کہ ستارے آسمان کے وجود میں اس طرح جڑے ہوئے ہیں جس طرح نگینہ انگشتری میں جڑا ہوا ہوتا ہے۔ اور آسمان کی وہ جگہ کہ جس ستارے جڑے ہیں مصمت نہیں بلکہ مجوف ہے۔ یعنے اندر سے کھوکھلی اور آسمان کی دوسری سب جگہیں مصمت ہیں۔ اور یہ معلوم ہے کہ فلک متشابہ الاجزا جسم ہے۔ پس آسمان کی اس جگہ کا کہ جہاں ستارے جڑے ہیں مجوف ہونا اور دوسری جگہوں کا مصمت ہونا جائزات سے ہے اور جو چیز جائز ہو اس کے واسطے ایک خاص کرنے والے اور مختار قادر کا ہونا ضروری ہے پس اس سے ثابت ہے کہ فلکی اجرام سب فاعل مختار اور صانع حکیم کے ماتحت ہیں۔ جو بلند اور پاک تر ہے +

پانچویں دلیل یہ ہے کہ آسمانوں میں سے ہر ایک آسمان کی حرکت دو قطبوں پر ہوتی ہے اور وہ دونوں قطب دو معین نقطے ہیں۔ اور جب فلک ایسا جسم ہے کہ جس کی چیزیں آپس میں متشابہ ہیں۔ تو ضرور ہے کہ سب نقطے جو اس کی سطح پر فرض کئے جائیں سب یکساں ہوں۔ اس لئے جس طرح دو معین نقطے قطب ہیں۔ اسی طرح روا ہوتا ہے کہ دوسرے نقطے بھی قطب ہوں۔ پس اس صفت سے اُن دو نقطوں کا مقرر کرنا جائزات سے ہے اور اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ ان کا مقرر کرنے والا فاعل مختار ہے۔ جو سب چیزوں سے بلند اور پاک ہے +

چھٹی دلیل یہ ہے کہ علم ہیئت میں یہ ثابت ہوا ہے کہ جب فلک ممثل سے کوئی ستارہ خارج المرکز منفصل ہوتا ہے تو دو متمم سطحیں باقی رہتی ہیں۔ ایک داخل دوسری خارج اور یہ جسم جس کو متمم کہتے ہیں۔ اس کی موٹائی برابر نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کی ایک طرف بہت پتلی ہوتی ہے اور دوسری طرف بہت موٹی ہوتی ہے۔ اور جب وہ جسم بسیط ہے تو روا ہوتا ہے کہ موٹی جانب رقیق ہو۔ اور جو جانب رقیق ہے وہ موٹی ہو۔ اور یہ معنی جائز امور میں سے ہیں۔ اس لئے ضرور ہے کہ یہ قادر مختار اور فاعل حکیم کی تخصیص سے ہو +

ساتویں دلیل یہ ہے کہ ہر ایک آسمان اور ستارہ معین مقدار تک تیزی اور آہستگی سے متحرک ہے۔ کیونکہ چاند کا آسمان ایک مہینے میں ایک دورہ پورا کرتا ہے۔ اور فلک آفتاب ایک سال میں اپنا دورہ ختم کرتا ہے۔ اور فلک مشتری ۱۲ سال میں۔ اور فلک زحل

تیس سال میں اور آٹھواں آسمان چھتیس ہزار سال میں ایک دور پورا کرتا ہے۔ پس جب ہر ایک کے لئے معین اور مقرر سیر ہے تو ضرور ہے کہ ایسے انتظام کا ہونا مختار فاعل کے سبب سے ہو۔ اگر کوئی معترض یہ کہے کہ چاند کا آسمان عطارد کے آسمان سے بہت چھوٹا ہے۔ اسی واسطے اس کے دور کی گردش بہت ہوتی ہے۔ اور اسی قیاس پر سمجھنا چاہئے۔ کہ جو فلک جس قدر زیادہ اونچا ہے وہ نچلے کی نسبت زیادہ بڑا ہے۔ اسی سبب سے اوپر والے کی حرکت بہ نسبت نیچے والے فلک کے بہت آہستگی سے ہوتی ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سب آسمانوں میں سے بڑا آسمان فلک اعظم ہے۔ اگر یہ قاعدہ مسلم ہو تو اس کی حرکت سب سے زیادہ آہستگی سے ہونی چاہئے۔ اور اتفاق اس پر ہے کہ اس کا دور جو سب سے زیادہ ہے ایک شبانہ روز یعنے آٹھ پہر میں ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آہستگی اور تیزی کا سبب وہ نہیں جو معترض بیان کرتا ہے بلکہ قدیم خالق کی تدبیر اور مدبر حکیم کی تقدیر سے ہے +

آٹھویں دلیل یہ ہے کہ جتنے عرصہ میں زحل ایک دورہ تمام کرتا ہے۔ اُتنے عرصہ میں آفتاب تیس دورے تمام کر لیتا ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ زحل کے دوروں کی تعداد آفتاب کے دوروں کی تعداد سے بہت کم ہو۔ اور جو چیز دوسری چیز سے کم ہوتی ہے وہ متناہی ہوتی ہے یعنی انتہا پذیر اس لئے زحل کے دوروں کی تعداد متناہی ہے اور آفتاب کے دوروں کی تعداد متناہی مراتب میں زحل کے کئی ضعف ہیں۔ اس لئے سب آسمانوں اور ستاروں کے دوروں کے واسطے ایک ابتدا ہے۔ اور جب ابتدا ہے تو ضرور ہے کہ یہ حرکت صانع مختار اور قادر فاعل کی تدبیر سے ہے تعالیٰ مَن لَهُ الْقُدْرَةُ الْكَامِلَةُ وَالْمَشِيَّةُ النَّافِذَةُ جو قدرت کامل اور ارادہ نافذ رکھتا ہے +

نانویں دلیل پیدا کرنیوالے صانع کی ہستی پر افلاک کے احوال سے یہ ہے۔ کہ افلاک کی حرکتیں مختلف سمتوں میں ہیں بعض مشرق سے مغرب کو گردش کرتے ہیں۔ جیسے فلک اعظم وغیرہ اور بعض مغرب سے مشرق کو جیسے فلک الثوابت اور ممثلات اور اکثر سیاروں کے حوامل اور بعض شمال سے جنوب کی طرف میل کرتے ہیں اور بعض جنوب سے شمال کی جانب۔ اس وجہ سے عطارد ہمیشہ فلک الثوابت سے جنوبی میلان میں ہوتا ہے۔ اور زہرہ شمالی میں اور علم ہیئت کے جاننے والے اس کو عرض التواء اور التفات کہتے ہیں۔ اور علم ہیئت کے بعض علماء نے جب میل اعظم کو رصد بنایا۔ تو انہوں نے ایسا معلوم کیا۔ کہ اس میل کی مقدار سے ہمیشہ کوئی چیز کم

ہوتی ہے۔ پس کہا کہ اس صورت میں چاہئے۔ ایسا ہونا چاہئے کہ منطقۂ فلک البروج منطقۂ معدل النہار پر منطبق ہو اور اس وقت تمام جہان خراب ہو جائے۔ اور اس کے بعد منطقۃ البروج کی میل معدل النہار سے جنوبی جانب میں ظاہر ہو۔ دریا شمالی رُخ پر ہو جائیں اور تمام جہان کی عمارتیں جنوبی سمت کو ہو جائیں۔ اور بعض نے کہا ہے اللہ تعالےٰ جو یہ فرماتا ہے اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا۔ اس میں رتق سے مراد منطقۃ البروج کا منطقۂ معدل النہار پر منطبق ہونا ہے اور فتق سے ان دو منطقوں کا ایک دوسرے سے الگ ہونا ہے پس معلوم ہوا کہ بعض افلاک کی حرکت مشرق کو ہے بعض کی مغرب کو بعض کی شمال کو بعض کی جنوب کو۔ اور ان احوال کا اختلاف عقل کے نزدیک جائزات سے ہے۔ اور جو امر جائزات سے ہوتا ہے۔ بیشک ایک موجد کی ایجاد اور ایک خالق کے ابداع سے ہوتا ہے اسکی کبریائی اعلےٰ ہے +

دسویں دلیل یہ ہے کہ افلاک کی حرکتوں کی ہر ایک جز محدث ہے اور جب محدث ہے تو اس کے واسطے ایک مؤثر کا ہونا ضروری ہے اور یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ مؤثر اس جز کے وجود میں ذات فلک ہو۔ یا وہ معنی ہوں جو قائم بذات فلک ہیں۔ کیونکہ اگر ایسا ہو تو اس جز کی علت کسی باقی چیز کی حرکت سے ہو۔ اور جب علت میں بقا مانا جائے تو معلول میں بھی ماننا چاہئے اس سے لازم آتا ہے کہ حرکت کے جزوں میں سے وہ جز میں بقا ہو۔ اور اگر جز و باقی ہو۔ تو جسم فلک اس جز و میں رہتا ہے۔ اور اگر ایسا نہ ہو تو نہیں رہتا۔ اس لئے اگر جوہر فلک علت ہو۔ تو اس سے لازم آتا ہے۔ کہ فلک متحرک نہ ہو وما ادی ثبوتہ الی عدمہ کان محالاً۔ اور جس چیز کا ثبوت اسکے عدم کی طرف پہنچے وہ محال ہوتی ہے۔ پس معلوم ہوا۔ کہ آسمان کو حرکت دینے والی جزوں میں سے ہر ایک جزء کے واسطے کوئی مؤثر چاہیئے۔ اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ جائز نہیں کہ حرکت میں جوہر فلک مؤثر ہو یا کوئی صفت مؤثر ہو جو جوہر فلک سے قائم ہو اور جب دونوں معنی باطل ہیں۔ تو اس سے ظاہر ہے کہ حرکت فلک میں مؤثر صانع قدیم اور فاعل مختار ہی ہے جو تشبیہ سے پاک ہے اور سب سے بلند +

گیارھویں دلیل یہ ہے کہ ستاروں کے اجرام روشنی۔ رنگ اور مقام میں مختلف ہیں۔ روشنی کا اختلاف تو یہ ہے کہ جو ستارے پہلے عظم میں ہوتے ہیں۔ وہ نہایت درجہ کی روشنی اور چمک اور نور میں ہوتے ہیں۔ اور جوں جوں کم عظم میں ہوتے ہیں۔ روشنی اور نور میں کم ہوتے

ہیں۔ یہاں تک کہ جب ساتویں عظم میں پہنچتے ہیں تو اُن کا نور ضعیف ہو جاتا ہے۔ اور ان کی چمک گھٹ جاتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ستاروں کے اجرام نور اور چمک میں مختلف ہیں۔ اور رنگوں میں بھی اختلاف ہے۔ کیونکہ ہمیں چاند کی سطح میں سیاہی دکھائی دیتی ہے۔ اور عطارد زردی لیئے ہوئے ہے۔ زہرہ سفید اور براق ہے۔ مریخ کا رنگ سرخ ہے۔ مشتری کا رنگ دُرّی ہے۔ اور زحل کا تاریک۔ اور علماء کی ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ آفتاب کی سطح پر خال کی مانند ایک سیاہ نقطہ موجود ہے۔ اور بعض وقت جب ہوا میں غبار ہوتا ہے اور آفتاب کی شعاع اُس میں بند پڑ جاتی ہے۔ اور آفتاب کی ٹکیا ایسی ہو جاتی ہے۔ کہ اس کو آسانی سے دیکھ سکتے ہیں۔ تو اُس وقت آفتاب کے چہرے پر بھی خال محسوس ہوتا ہے۔ اور اُس خال کی جگہ کسی قدر اس کے مرکز کے اوپر دکھائی دیتی ہے۔ اور جگہوں میں تاروں کا اختلاف یہ ہے کہ بعض ستارے تو منطقۃ البروج ہی میں ہیں۔ اور بعض دونوں قطبوں کے نزدیک اور بعض ان دونوں جگہوں کے وسط میں ہیں۔ اور جب فلک البروج حرکت میں آتا ہے۔ تو سب ثوابت ستارے متوازی دائروں میں حرکت کرتے ہیں۔ اور جو عین منطقۃ البروج ہی میں ہیں وہ بڑی تیزی میں ہوتے ہیں۔ اور وہ تیزی کم ہوتی ہوتی اس ستارے پر پہنچتی ہے جو قطب کے نزدیک ہوتا ہے جیسے جدی اور وہ بھی مستدیر حرکت رکھتا ہے لیکن بہت ضعیف اور نرم اور ناکمل اور جب یہ مقامات معلوم ہو گئے۔ تو ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی ایک ستارے کا حال دوسرے کے حال سے مشابہ نہیں ہوتا۔ نہ مقدار میں نہ روشنی میں نہ جگہ میں نہ تیزی اور آہستگی میں اور جب ایسا حال ہے تو ہر ایک کا ایک خاص صفت اور لباس اور پیدائش سے مخصوص ہونا مخصص قدیم اور مدبر حکیم کی تخصیص سے ہے جو سب سے زیادہ بلند اور پاک ہے۔ اور اسی واسطے فرمایا ہے وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا۔ آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش میں فکر کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں اے ہمارے رب یہ سارا سلسلہ تو نے بیکار نہیں بنایا +

بارھویں دلیل عالم علوی اور سفلی کے احوال سے خالق کی کمال قدرت اور حکمت پر یہ ہے۔ کہ اگر ان ستاروں کی اس عالم میں کوئی تاثیر ہو تو وہ دو حال سے خالی نہیں ہوتی یا سب ستارے قوت میں برابر ہونگے یا بعض بعض سے زیادہ قوی ہونگے۔ اگر سارے قوت میں برابر اور ایک دوسرے کے متعارض ہوں تو اس صورت میں لازم آتا ہے کہ کسی ستارے

سے کچھ اثر صادر نہ ہوا اور عالم سفلی کے حوادث صانع کی قدرت کی تاثیر سے ہوں۔ ستاروں کی طبیعتوں کی تاثیر سے نہ ہوں۔ اور اگر بعض بعض سے زیادہ قوی ہوں تو وہ قوت یا ذاتی ہوگی۔ یا عرضی۔ اگر ذاتی ہو تو لازم آتا ہے کہ وہ ہمیشہ باقی رہے۔ اِس لئے چاہیئے کہ عالم کے حوادث بھی ایک طریق اور حالت پر باقی رہیں۔ اور یہ باطل ہے اور اگر وہ قوت عرضی ہو تو اس کے واسطے کوئی مؤثر ہونا چاہیے۔ اور وہ مؤثر اس کی قدرت کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ جو عالم سفلی اور علوی کا بانی ہے۔ سوال۔ ایسا کیوں نہیں ہو سکتا کہ برجوں کی طبیعتیں مختلف ہوں اگر ایسا ہو تو ستارے کا اثر ایک برج میں دوسرے برج کے اثر کی نسبت ضرور مخالف ہوگا۔ جواب۔ اگر یہ درست ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ فلک بسیط نہ ہو۔ بلکہ مرکب اور یہ تمام حکماء کے نزدیک بالاتفاق باطل ہے +

تیرھویں دلیل یہ ہے کہ افلاک کی گردش نہایت تیزی میں ہے اُس کی وجہ یہ ہے۔ کہ جو ستارہ پہلے فلک میں ہے وہ زمین سے ایک سو پندرہ گُنا ہے۔ اور دیکھا جاتا ہے کہ ایسے ستارے کا شروع ظہور سے کامل طلوع تک بہت تھوڑا زمانہ ہوتا ہے۔ اور اس تھوڑے زمانہ میں ایک جسم جو زمین سے ایک سو پندرہ گُنا ہے حرکت تمام کر لیتا ہے۔ اس دلیل سے حرکت فلک کی حد درجہ کی تیزی معلوم ہوتی ہے اور اسی واسطے حدیث میں آیا ہے رسول علیہ السلام نے جبریل ؑ سے پوچھا کہ آفتاب زوال میں پہنچ گیا ہے۔ جواب دیا نے آری یعنے نہیں ہاں رسول علیہ السلام نے پوچھا یہ کیا بات ہے کہ آپ نے نے آری کہا۔ جبریل ؑ نے جواب دیا۔ کہ نے کہنے کے وقت سے اُس وقت تک کہ میں نے آری کہا۔ آفتاب نے پانسو سال کا راستہ طے کر لیا ہے۔ اور جب کوئی دانا آدمی علوی ستاروں کے اجرام کی بزرگی میں فکر کرتا ہے اور پھر اُن کی حرکت کی تیزی میں غور کرتا ہے۔ تو اس کی سلیم عقل گواہی دیتی ہے۔ کہ اس قسم کی عجیب ترتیب کسی ایسے حکیم کی تدبیر سے ہے جس کی حکمت کو عبث اور باطل قرار دینا محال ہے +

چودھویں دلیل یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ آسمان ہوا کی بلندی پر پھیلائے گئے ہیں اور زمین پانی پر بچھائی گئی ہے۔ کیونکہ جہاں کہیں سے زمین کو کھودو وہیں سے پانی نکل آتا ہے۔ ظاہر ہے کہ آسمان ہوا کی بلندی پر مُعلق کھڑے ہیں۔ اور زمین پانی پر مُعلق کھڑی ہے۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ اگر مٹی کی تسو بھر مقدار پانی میں ڈالیں۔ تو وہ پانی میں ڈوب جاتی ہے۔

اور ایسا حال ہونے کے باوجود بھی زمین اسقدر پتھریلی پہاڑوں اور ٹیلوں کے ساتھ پانی کی سطح پر معلّق کھڑی ہے۔ اور ثابت ہوا ہے کہ سب سے زیادہ چھوٹا ستارہ جسے سہا کہتے ہیں۔ اور آدمی اُسکے دیکھنے سے اپنی آنکھوں کا امتحان کرتے ہیں۔ وہ تمام زمین سے اٹھارہ گنا زیادہ ہے اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ تمام زمین باوجود اس قدر بھاری ہونے کے اور نیز سارے ستارے دریائے محیط کے مقابلہ میں ایک ذرہ کی مانند ہیں۔ اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ یہ افلاک اور ستارے سب ہوا میں معلّق کھڑے ہیں۔ اور اس بے عقل صریح طور پر گواہی دیتی ہے۔ کہ اس قدر گراں وزن زمین کا پانی کی سطح پر کھڑا ہونا اور تمام آسمانوں اور ستاروں کا ہوا میں معلّق ہونا اس صانع کی تدبیر کے سوا جو کل کائنات پر قادر اور سب حاجتوں سے بے پرواہ ہے نہیں ہو سکتا۔ اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبَارَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ۔ خبردار وہی پیدا کرنے والا ہے اور وہی حاکم ہے۔ اللہ تعالیٰ بزرگ ہے اور تمام جہانوں کے پالنے والا ہے اور یہ وہی دلیل ہے جسے اللہ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُمْسِکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا بے شک اللہ تعالیٰ نے مضبوطی سے آسمانوں اور زمینوں کو قائم کیا ہے۔ تاکہ وہ متزلزل نہ ہوں۔ اور دوسری جگہ فرمایا ہے اَللّٰہُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَھَا یعنے معبود وہ موجود ہے جس نے اِن آسمانوں کو بغیر ستونوں کے کھڑا کیا ہے جنہیں تو دیکھتا ہے اور جو یہ فرمایا ہے بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَھَا اس کا فائدہ اور مطلب یہ ہے کہ آسمانوں کے ستون تو ہیں لیکن ان ستونوں کو سر کی آنکھ سے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ بلکہ ان کو عقل کی آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں۔ کیونکہ آسمانوں کے ستون بے شبہ عالم کے پیدا کرنے والے کی قدرت ہے۔ جو بلند اور پاک ہے +

پندرھویں دلیل یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اجرام فلک کو قرآن مجید میں چودہ صفتوں سے یاد کیا ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک صفت خداوند کی قدرت اور رحمت اور حکمت کے کمال پر ظاہر اور روشن دلیل ہے۔ پہلی صفت شدّت ہے یعنے سختی اور قوت کی صفت ہے جیسا کہ فرمایا ہے وَبَنَیْنَا فَوْقَکُمْ سَبْعًا شِدَادًا یعنے بنائے ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان جو سخت اور بہت بڑے مضبوط ہیں۔ اور دوسری جگہ فرمایا ہے ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ بَنٰھَا۔ کیا تم مخلوق میں سے زیادہ سخت ہو یا آسمان جنہیں ہم نے بنایا ہے۔ دوسری صفت اُن کی یہ ہے کہ خرابی سے انہیں محفوظ رکھا ہے جیسے فرمایا ہے وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا

مَحْفُوْظًا - اور بنایا ہم نے آسمانوں کو ایک محفوظ چھت - اسکے بعد اس صفت کی تعظیم میں فرمایا ہے وَهُمْ عَنْ اٰیَاتِنَا غَافِلُوْنَ اور وہ ہماری آیتوں سے غافل ہیں اور یہ اشارہ اس کی طرف ہے جو دانا یہ کہتے ہیں مُمْکِنَۃٌ لِذٰ وَاتِھَا وَاجِبَۃٌ لِغَیْرِھَا تیسری صفت یہ ہے کہ ان کو تفاوت اور فتور سے پاک کیا ہے - فرمایا ہے مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفَاوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ھَلْ تَرٰی مِنْ فُتُوْرٍ - خدا کی پیدائش میں تفاوت نہیں دیکھیگا پس بصارت کی طرف رجوع کر اور دیکھ تو اس میں فتور سے کیا چیز دیکھتا ہے - چوتھی صفت یہ ہے کہ افلاک کو مرفوع یعنے بلند سقف کہا ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ اور تقدس نے ارشاد کیا ہے وَالْبَیْتِ الْمَعْمُوْرِ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ - پانچویں صفت یہ ہے کہ افلاک کو مخلوق کی دعا کا قبلہ فرمایا ہے جیسے ارشاد کیا ہے قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْھِكَ فِی السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبْلَۃً تَرْضٰھَا - چھٹی صفت یہ ہے کہ آسمانوں کو مقربان حضرت کے تفکر کا محل بتلایا ہے - فرمایا ہے وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا - ساتویں صفت یہ ہے کہ افلاک اور ستاروں کی پیدائش میں اپنی قدرت کے کمال کی تعریف کی ہے - فرمایا ہے تَبَارَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَاءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِیْھَا سِرَاجًا وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا - بزرگ ہے وہ جس نے آسمانوں میں برج بنائے ہیں - اور ان میں چراغ روشن کیا ہے - اور روشن چاند منور کیا ہے + آٹھویں صفت یہ ہے کہ ان کی پیدائش سے اپنی عظمت اور جلال اور الہیت کے کمال کی تعریف کی ہے - فرمایا ہے وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرَاتٍ بِاَمْرِهٖ سورج اور چاند اور ستارے اس کے حکم کے مطیع اور فرمانبردار ہیں - نانویں صفت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش اور اس حال کے عجائبات کی بزرگی پر گواہی دی ہے - فرمایا ہے لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَکْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ - آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش انسانوں کی پیدائش سے بہت بڑی ہے - لیکن اکثر آدمی اسکو نہیں سمجھتے ہیں + دسویں صفت یہ ہے کہ روشنی اور نور آسمانوں سے نازل ہوتے ہیں - فرمایا ہے ھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَاءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا - اللہ وہ ہے جس نے سورج کو روشن بنایا - اور چاند کو نور دیا ہے + گیارھویں صفت یہ ہے کہ مخلوق کی روزی آسمانوں سے اُتاری ہے - فرمایا ہے وَفِی السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ اور تمہارا رزق اور جو تم سے وعدہ کیا گیا ہے - وہ آسمانوں میں ہے + بارھویں صفت یہ ہے کہ فرشتے آسمانوں سے نازل ہوتے ہیں تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ فِیْھَا بِاِذْنِ رَبِّھِمْ - فرشتے اور روح اپنے رب کے اذن سے

اس میں اُترتے ہیں۔ تیرھویں صفت یہ ہے کہ عالم سفلی کے حوادث اور حدوث کے اسباب عادت کے طریق پر آسمان ہیں۔ فرمایا ہے فَالْمُقَسِّمَاتِ اَمْرًا فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْرًا پس آسمان نوازل اور حوادث کے تقسیم کرنیوالے ہیں اور ہر ایک امر کی تدبیر کرنے والے ہیں۔ چودھویں صفت یہ ہے کہ حضرت خلیل اللہ نے اجرام فلکی میں فکر کیا۔ اور خدا کی ذات اور صفات کی نسبت اس میں سوچا۔ اور اس سے تقرب کا شرف حاصل کیا۔ فرمایا وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا۔ میں اسکی طرف اپنا منہ کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمینوں کو ہوا۔ اور پانی پر اپنی قدرت کی طاقت سے بچھایا۔ وَتِلْكَ حُجَّتُنَا اٰتَيْنٰهَا اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاءُ۔ اور یہ ہماری حجت ہے کہ ابراہیم کو ہم نے پاس اسکی قوم کے مقابلہ میں عطا فرمایا۔ اور ہم بلند کرتے ہیں درجے جسکے چاہتے ہیں۔ اس باب میں قرآن کی اشارتیں بہت ہی کثرت سے ہیں۔ اور جس کو خداوند تعالے توفیق عطا فرماتا ہے۔ وہ مذکورہ بالا وجوہات میں تامل کرتا ہے اور جس کو توفیق حاصل ہوتی ہے وہی ان بیان کئے گئے اسبابوں میں فکر اور غور کرتا ہے اور یقین کرتا ہے اگر ان سے کئی گنے زیادہ وجوہات اسکو معلوم ہو جائیں لیکن ان وجوہات کی نسبت ان اسرار کے ساتھ جو خداوند تعالے نے مخلوقات میں رکھے ہیں قطرے کی نسبت ہے دریاؤں کے ساتھ۔ جیسا کہ فرمایا ہے وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا اور نہیں دیا تم کو کچھ علم میں سے مگر تھوڑا سا پس آسمانوں کے احوال کی دلیلوں سے قدیم صانع اور رحیم خالق کی ہستی پر جو سب سے زیادہ بزرگ اور پاک ہے مختصر اشارہ یہ ہے ÷

فصل ۴

خداتعالیٰ کی ہستی پر احوال زمین کے دلائل۔ یہ نو قسم پر ہیں

پہلی دلیل یہ ہے کہ خدا نے زمین کو ساکن بنایا ہے وجہ یہ ہے کہ اگر زمین متحرک ہوتی۔ تو مخلوق کی مصلحت کے جو امور تھے وہ سب باطل ہو جاتے۔ کیونکہ اگر زمین متحرک ہوتی۔ تو اس کی حرکت یا تو خط مستقیم میں ہوتی اور یا مدوّر ہوتی۔ خط مستقیم سے یہاں مصنف کا مطلب یہ ہے کہ فرض کرو پیدائش کے وقت زمین خلا میں پھینکی گئی ہے اور قاعدہ ہے کہ بھاری چیز خط مستقیم میں سیدھی نیچے کو گرتی ہے۔ اور یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ زمین کی حرکت خط مستقیم میں ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر زمین کی حرکت خط مستقیم میں ہوتی۔ تو جب کوئی آدمی زمین سے پاؤں اٹھاتا۔ اور پھر

رکھنا چاہتا۔ تو وہ کبھی زمین پر نہ پہنچتے۔ کیونکہ زمین انسان سے وزن میں بہت بھاری ہے۔ اور جب دو بھاری جسم نیچے گرتے ہیں۔ اور ایک ان میں سے زیادہ وزنی ہوتا ہے۔ تو جو زیادہ وزن رکھتا ہے اس کی حرکت دوسرے کی نسبت زیادہ تیز ہوتی ہے اور جب یہ حال ہے تو جس جسم کا وزن ہلکا ہوتا ہے وہ بھاری جسم کو نہیں پہنچ سکتا۔ پس اگر زمین خط مستقیم میں متحرک ہوتی۔ تو جو شخص ایک دفعہ زمین سے پاؤں اٹھا کر الگ ہوتا۔ تو پھر اسکے پاؤں کبھی زمین پر نہ پہنچ سکتے۔ اور اگر ایسا ہوتا۔ تو حرکت کرنے کا ایک بڑا فائدہ باطل ہو جاتا۔ اور اگر زمین کی حرکت مدور ہوتی تو قاعدہ ہے کہ جب کوئی بڑا جسم زمین کے گرد حرکت کرتا ہے۔ تو آس پاس کی ہوا کو بھی اپنے ساتھ گردش میں لاتا ہے۔ پس اس حال میں اگر کوئی زمین کی حرکت کے برخلاف حرکت کرنی چاہتا۔ تو یہ حرکت اس پر مشکل ہو جاتی اور اسے نہ کر سکتا۔ پس اس سے معلوم ہوا۔ کہ اگر زمین مدور حرکت میں متحرک ہوتی۔ تو سب حیوانوں کو خلاف میں حرکت کرنی مشکل ہو جاتی۔ اور اس قسم کا فائدہ جاتا رہتا۔ اس لئے پروردگار نے اپنی رحمت اور قدرت سے زمین کو ساکن بنایا ہے تاکہ حیوانوں پر اس قسم کی حرکت کرنے کا فائدہ باطل نہ ہو ✣

دوسری قسم یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے زمین کو پتھر کی طرح سخت نہیں پیدا کیا۔ اور نہ ہی پانی کی طرح نرم بنایا ہے۔ پتھر کی مانند سخت نہ بنانے میں یہ حکمت ہے کہ اگر زمین پتھر کی مانند سخت ہوتی۔ تو اس پر چلنا ویسا ہی مشکل ہو جاتا۔ جیسا کہ پہاڑوں پر تکلیف سے چلتے پھرتے ہیں۔ اور اگر بالکل پتھر کی مانند ہوتی۔ تو گرمی کے موسم میں بہت گرم ہو جاتی۔ اور سردی میں بہت سرد۔ اور یہ دونوں امر حال کے اعتدال اور صحت کے برخلاف ہوتے۔ اور یہ بھی ہے۔ کہ اگر سختی میں زمین پتھر کی طرح ہوتی تو اس پر ہل چلانا اور کھیتی کرنی ناممکن ہوتی۔ اور طعاموں اور غذاؤں کے پیدا ہونے کا فائدہ باطل ہو جاتا۔ اور یہ بھی ہے۔ کہ اگر زمین پتھر کی مانند سخت ہوتی۔ تو اس میں بنیادیں رکھنی اور گھر بنانے مشکل ہو جاتے پس اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر سب زمین سختی میں پتھر کی مانند سخت ہوتی۔ تو مخلوق کے بہت سے فائدے باطل ہو جاتے۔ کیونکہ تمام مذکورہ بالا مصلحتوں میں خلل آ جاتا۔ اور اسی واسطے ہی علماء نے کہا ہے۔ کہ اکثر لوگوں کو زر کی طرف بہت محبت ہے۔ اور اگر فرض کیا جائے کہ سب زمین زر ہوتی۔ تو یہ سب فائدے باطل ہو جاتے کیونکہ زمین پر نہ کوئی ہل چلا سکتا اور نہ ہی زراعت ہو سکتی۔ اور سب کی مصلحتیں بیکار ہو جاتیں۔ پس اس سے ثابت ہے۔ کہ مٹی کا فائدہ زر کے فائدے سے سو ہزار گنا زیادہ

ہے۔ اور زمین کو پانی کی طرح نرم نہ بنانے میں یہ حکمت ہے کہ اگر پانی کی طرح نرم ہوتی۔ تو حیوان زمین پر ٹھیر نہ سکتے۔ "خصوصاً گھوڑے اور خچر اور ہاتھی جو گراں ڈیل جانور ہیں۔ ان کے لئے تو بہت ہی مشکل بنتی"۔ اور انسانوں کا نوع جو حیوانوں میں سے اشرف کہلاتا ہے ہلاک ہو جاتا۔ پس ثابت ہوا کہ نہ تو زمین کے بہت سخت ہونے میں مصلحت تھی اور نہ بہت نرم ہونے میں۔ بلکہ اس میں مصلحت تھی کہ سختی اور نرمی میں معتدل ہوتی جیسی کہ ہے +

تیسری قسم دلیل کی زمین کے احوال سے خالق عالم کی رحمت۔ کے کمال پر یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے زمین کو کثیف اور غبارناک بنایا ہے وجہ یہ ہے کہ زمین آسمان کی حرکت سے بہت دوری پر ہے اس لئے نہایت سردی میں رہتی ہے۔ اور جب نہایت سردی میں ہی رہتی تو یہ صلاحیت نہ رکھتی۔ کہ حیوان اس پر اپنے مسکن اور رہنے سہنے کی جگہ بنائیں اس لئے پروردگار نے ایسا مقدر کیا۔ کہ ستاروں کی روشنی اور آفتاب کا نور اُس پر قرار پکڑے جب ایسا ہو گیا تو ستاروں اور آفتاب کی تاثیر سے اُس میں حرارت ضرور پیدا ہو گی۔ اور اگر شفاف ہوتی۔ تو اس میں سب جگہ ستاروں کے نور سرایت کرتے رہتے۔ اور اس میں کچھ بھی سختی پیدا نہ ہوتی۔ اس لئے زمین کے کثیف اور غبارناک ہونے کا فائدہ یہ ہے۔ کہ اس سے زمین میں حرارت پیدا ہوتی ہے۔ معتدل حال میں رہتی ہے۔ اور حیوانوں کے مسکن بنانے کے قابل ہوتی ہے +

چوتھی دلیل یہ ہے کہ خاک کی طبیعت ایسی ہے کہ وہ پانی میں بیٹھ جاتی ہے۔ لیکن جب خداوند تعالیٰ کو اپنے علم قدیم سے یہ معلوم تھا۔ کہ حیوانوں میں سے جو اشرف حیوان ہے وہ انسان ہے اور پانی میں اس کا گزارہ ہونا ناممکن ہے۔ اس لئے اپنی بے علت قدرت سے ایک چوتھائی زمین پانی سے باہر رکھی اور اس کو ایسا نمودار کیا جیسے دریا میں جزیرہ ہوتا ہے۔ تاکہ زمین کی اس مقدار کو یہ صلاحیت حاصل ہو کہ انسان اس پر اپنے گھر بنا سکے +

پانچویں دلیل یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے زمین کی سطح پر پانی جاری کیا ہے جیسا کہ فرمایا ہے أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَجَعَلَ خِلَالَهَا أَنْهَارًا وجہ یہ ہے کہ اگر زمین پانی کے سوا ہوتی تو حیوانوں کے ٹھیرنے کے لائق نہ ہوتی۔ اور اگر تمام زمین پر پانی ہی پانی جاری ہوتا۔ تو بھی اس قابل نہ ہوتی۔ مگر جس زمین کی سطح پر پانی کے چشمے جاری ہوں۔ وہ انسان کی حاجتوں کے واسطے بہت موافق ہوتی ہے اس لئے انسان کی مصلحت کی خاطر خدا نے زمین کو اس

طور پر پیدا کیا جیسی کہ ہے ÷

چھٹی دلیل یہ ہے۔ خداوند تعالےٰ نے زمین میں پہاڑ پیدا کئے ہیں۔ اور ان کے وجود میں بہت فائدے ہیں۔ جن میں سے کچھ بیان کئے جاتے ہیں :-

پہلا فائدہ یہ ہے کہ ساتوں مفید جسموں کی پیدائش پہاڑ میں ہی ہوتی ہے اور ساتوں مفید جسم یہ ہیں سونا۔ چاندی۔ تانبا۔ سکہ قلعی۔ لوہا۔ پارا اور دُنیا میں ان کے فائدے واضح طور پر ظاہر ہیں۔ اور ان ساتوں میں سے لوہے کے بعض فائدے ہم بیان کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ انسان کا مطلوب یا تو مفید چیز کا حاصل کرنا ہے۔ یا ضرر دینے والی چیز کو ہٹانا۔ اور آدمی کا مفید چیز کو حاصل کرنا تین قسم پر ہے۔ ایک طعام۔ دوسرا کپڑا۔ تیسرا گھر۔ اب کھانے کی چیزیں دو قسم کی ہیں یا نباتی ہونگی یا حیوانی۔ نباتی کھیتی کے ذریعے حاصل ہوتی ہیں اور کھیتی کا بونا۔ کاٹنا آہنی آلات کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اور حیوان ذبح کے بغیر صالح غذا نہیں بنتی اور ذبح لوہے کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان کی تمام غذائیں پکائے جانے کی محتاج ہیں۔ اور پکنا آگ کے سوا نہیں ہو سکتا۔ اور آگ اکثر حالات میں پتھر اور لوہے کے سوا نہیں ملتی۔ پس ثابت ہوا کہ اگر لوہا نہ ہو تو کھانا نہیں مل سکتا۔ اور کپڑا بھی لوہے کے سوا میسر نہیں ہو سکتا۔ اس کی بھی دو وجہیں ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ کپڑا نباتی ہوگا یا حیوانی۔ نباتی کی زراعت آہنی آلات کے سوا حاصل نہیں ہوتی۔ دوسری یہ ہے کہ اگر کپڑا میسر آئے تو اس کے بعد اسکی قطع بُرید کی ضرورت پڑتی ہے اور پھر اُس کو سینا پڑتا ہے۔ اور کپڑے کا قطع برید کرنا اور اس کو سینا لوہے کے سوا نہیں ہو سکتا۔ پس اس سے معلوم ہوا۔ کہ کپڑا لوہے کے سوا نہیں ملتا۔ اور گھر کی مصلحت کا بھی یہی حال ہے۔ کہ لوہے کے سوا درست نہیں ہوتی۔ کیونکہ گھر مصلحت کے موافق اس وقت طیار ہوتا ہے کہ شہتیر اور تیر بندیاں وغیرہ لکڑی کی چیزیں مصلحت کے مطابق ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ ان چیزوں کی اصلاح لوہے کے سوا نہیں ہو سکتی۔ پس اس بیان سے ظاہر ہے کہ غذا۔ کپڑا اور گھر کی مصلحت لوہے کے سوا ٹھیک نہیں ہوتی۔ اور دشمن کی ضرر کا ہٹانا بھی ہتھیار کے سوا نہیں ہو سکتا اور سلطان وقت اور بادشاہ کے سب ہتھیاروں کے لئے لوہا درکار ہے۔ پس اس سے ثابت ہے کہ مفید چیز کا حاصل کرنا اور ضرر کا ہٹانا دُنیا میں لوہے کے سوا میسر نہیں ہوتا۔ اور لوہا پہاڑ میں ہی پیدا ہوتا ہے۔ اس بیان سے پہاڑوں کے ہونے کے فائدے بخوبی ظاہر ہیں ÷

دوسرا فائدہ۔ پہاڑوں کے ہونے کا یہ ہے کہ نفیس پتھر مثلاً لعل۔ زبرجد اور یاقوت وغیرہ پہاڑوں کے سوا اور کہیں نہیں ہوتے۔ اور انسان کی صحت اور زینت کے ساتھ ان پتھروں کو جس قدر تعلق ہے۔ وہ بھی پورے طور پر ظاہر ہے +

تیسرا فائدہ یہ ہے۔ کہ جو زمین پہاڑوں کے نزدیک ہوتی ہیں۔ اس میں پانی کے چشمے بہت ہوتے ہیں۔ اس کا باعث یہ ہے کہ زمین میں پانی کے اجزاء کثرت سے موجود ہیں۔ جب زمین پر حرارت کا غلبہ ہوتا ہے تو جس طرح دیگ میں سے ابخرے اوپر کو چڑھتے ہیں۔ اسی طرح وہ پانی کے اجزاء اوپر کو اُٹھتے ہیں۔ اگر اُس زمین پر کوئی پہاڑ نہ ہو تو وہ اجزاء پراگندہ ہو جاتے ہیں۔ اور اگر کوئی پہاڑ ہو تو پانی کے وہ قطرے پہاڑ کے نیچے جمع ہوتے رہتے ہیں پراگندہ نہیں ہوتے۔ جیسے جب دیگ کو جوش دیتے ہیں۔ اور اس کے سر پر ایک طباق رکھدیتے ہیں تو جوش کھائے ہوئے پانی کے قطرے اُس طباق کے نیچے جمع ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح پانی کے وہ اجزا جو زمین کی گہرائی سے حرارت کے اثر کرنے سے اُٹھتے ہیں۔ پہاڑ کے نیچے جمع ہوتے رہتے ہیں۔ اور کچھ زمانہ گذر جانے کے بعد وہاں بہت سا پانی جمع ہو جاتا ہے اور پھر اُس پانی کی کثرت سے زمین پھٹ جاتی ہے اور وہاں سے پانی جاری ہو جاتا ہے۔ پس جس جگہ پہاڑ ہوتا ہے۔ اس سبب سے اُس سرزمین میں پانی کے چشمے بہت ہوتے ہیں۔ اور جاری پانی کے فائدے بہت ہیں پس اس وجہ سے پہاڑوں کے پیدا کرنے کا فائدہ ظاہر ہے +

چوتھا فائدہ۔ یہ ہے کہ جس جگہ پہاڑ ہوتا ہے وہاں بارش بھی کثرت سے ہوتی ہے۔ اور برف بھی بہت گرتی ہے۔ اور بارش کی کثرت دنیا کی بہتری کا سبب ہے۔ اور اس کی وجہ کہ جہاں زیادہ پہاڑ ہوتے ہیں وہاں مینہ بھی زیادہ برستا ہے یہ ہے کہ اوپر ہم نے ذکر کیا ہے کہ جس جگہ پہاڑ ہوتا ہے وہاں نمی اور رطوبت زیادہ رہتی ہے۔ اس واسطے بخار زیادہ اُٹھتے رہتے ہیں۔ اور یہ بھی ہے کہ پہاڑ بلندی کے باعث زیادہ سرد رہتے ہیں اور سردی کی زیادتی کے باعث برف اور پانی کی زیادتی رہتی ہے اور یہ وجہ بھی ہے۔ کہ جو بخارات زمین سے اُٹھتے ہیں اگر وہاں جنگل ہو تو وہ پراگندہ ہو جاتے ہیں۔ اور اگر پہاڑ ہو تو پراگندہ نہیں ہوتے بلکہ جمع ہونے کے بعد کثیف بارش کا سبب بنتے ہیں۔ پس ثابت ہُوا کہ پہاڑوں کا وجود زیادہ بارش کا باعث ہے۔ اور اسکی دلیل کہ بارش دنیا کی بہتری کا سبب ہے۔

یہ ہے کہ مینہ نباتات کی زیادتی کا سبب ہے اور نباتات انسان اور دوسرے حیوانوں کی غذا کا سبب ہے اور اس میں دنیا کے لوگوں کی بہتری ہے۔ اسی وجہ سے یہ فرمایا ہے اَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا تحقیق گرایا ہم نے پانی کو گرانا اور پھاڑا ہم نے زمین کو پھاڑنا۔ اور دوسری جگہ فرمایا ہے کُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَکُمْ کھاؤ اور اپنے چارپاؤں کو بھی کھلاؤ +

پانچواں فائدہ پہاڑوں میں یہ ہے کہ پہاڑوں کے سبب راستے معلوم ہو جاتے ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے اس آیت کے معنی وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ وہی ہیں۔ جو بیان کئے گئے ہیں +

ساتویں قسم دلیل کی زمین کے احوال سے صانع تعالےٰ کی حکمت پر یہ ہے کہ زمین کو اس امر کا سبب بنایا ہے۔ کہ دریا ایک دوسرے سے جدا اور الگ الگ ہیں۔ خداوند تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَجَعَلْنَا بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ حَاجِزًا۔ اور بنائی ہم نے دو سمندروں کے درمیان روک +

آٹھویں دلیل یہ ہے کہ خداوند تعالےٰ کی تقدیر تھی۔ کہ انسان کے مزاج کی ترکیب عالم سفلی کے اجسام سے ہو۔ اور پانی میں رطوبت اور جریان زیادہ تھا۔ اور مٹی میں خشکی اور تفرق حد درجہ تک تھا۔ اس لئے حکمت ربانی نے یہ چاہا۔ کہ پانی اور مٹی کو ایک دوسرے سے ملاویں۔ تاکہ خاک کی خشکی پانی کی رطوبت کو کسی قدر کم کرے۔ اور پانی کی رطوبت خاک کی خشکی کو کسی قدر کم کرے۔ اور پانی کے ذریعہ مٹی کے پراگندہ اور متفرق اجزاء آپس میں مل جل جائیں۔ اور مٹی کے ذریعے پانی کا جریان تھم جائے۔ اور اس مرکب جسم میں اعتدال پیدا ہو جائے۔ اور اعتدال کے پیدا ہو جانے سے انسانی روح اور نفس ناطقہ کا محل بننے کے قابل ہو جائے +

نانویں دلیل احوال زمین سے خالق عالم کی حکمت اور قدرت پر یہ ہے کہ زمین کے اجزاء طبیعت اور مزہ اور رنگ اور بو میں مختلف ہیں۔ بعض نرم ہیں۔ بعض سخت۔ بعض خوش اور بعض ناخوش۔ بعض سیاہ۔ بعض سفید۔ بعض سرخ اور بعض خاکی ہیں اور بعض سبز جیسا کہ فرمایا ہے وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ یعنے زمین میں ٹکڑے ہیں ملے ہوئے اور دوسری جگہ فرمایا ہے وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَالَّذِیْ خَبُثَ لَا یَخْرُجُ اِلَّا نَکِدًا۔ اور ستھرے شہر کا سبزہ اس کے رب کے حکم سے نکلتا ہے۔ اور جو خراب اور گندہ

ہے وہاں ناقص اور نکمی چیز کے سوا کچھ پیدا نہیں ہوتا۔ اور دوسری جگہ فرمایا ہے وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ اور پہاڑوں میں گھاٹیاں ہیں سفید اور سرخ طرح طرح کی رنگدار اور سیاہ کالیاں ✤

دسویں دلیل احوال زمین سے خالق عالم کی حکمت اور قدرت پر یہ ہے کہ پروردگار نے قرآن مجید میں زمین کی پیدائش کی بہت سی صفتیں بیان کی ہیں۔ پہلی صفت سورۂ بقر میں فرمایا ہے الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا۔ وہ کہ جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا۔ دوسری صفت سورہ طٰہ میں فرمایا ہے الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وہ کہ جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو گہوارہ۔ تیسری صفت سورہ عمّ یتساءلون میں فرمایا ہے أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهَادًا۔ کیا نہیں بنایا ہم نے زمین کو گہوارہ۔ چوتھی صفت سورہ نمل میں فرمایا ہے أَمَّنْ جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا وَجَعَلَ خِلَالَهَا أَنْهَارًا۔ بھلا کس نے بنایا زمین کو ٹھیراؤ۔ اور جاری کیں اسکے درمیان نہریں۔ پانچویں صفت سورہ تبارک میں فرمایا ہے هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا وہ وہ ذات پاک ہے جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو پست۔ چھٹی صفت۔ سورہ مرسلات میں فرمایا ہے أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ كِفَاتًا أَحْيَاءً وَأَمْوَاتًا کیا نہیں بنایا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کے لئے سمیٹنے والی ✤ ساتویں صفت سورہ نوح میں فرمایا ہے وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ بِسَاطًا لِتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا اور اللہ نے بنایا تمہارے لئے زمین کو بچھونا تاکہ چلو پھرو اس میں کشادہ راہوں میں۔ آٹھویں صفت سورہ حم السجدہ میں فرمایا ہے۔ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا۔ اور رکھے اس میں بوجھ اوپر سے اور اس کے اندر برکت رکھی۔ اور ٹھیرائیں اس میں اس کی خوراکیں۔ نویں صفت سورہ انبیا میں زمین کو میراث کہا ہے۔ فرمایا ہے وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ اور تحقیق لکھا ہم نے زبور میں ذکر کے بعد یہ کہ وارث بنینگے زمین کے میرے نیک بندے۔ اور بہشت کو بھی میراث کہا ہے۔ فرمایا ہے أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ یعنے یہ ورثہ پانے والے ہیں ان لوگوں کا جو وارث ہوئے ہیں بہشت کے۔ اور وہ اس میں ہمیشہ رہینگے۔ دسویں صفت زمین کی یہ ہے۔ کہ ہماری ابتدا اس سے ہے۔ اور اس کی طرف ہی مقام رجوع ہے یعنے زمین سے ہی پیدا ہوئے ہیں۔ اور پھر زمین میں ہی جائینگے۔

جیسا کہ فرمایا مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ - زمین سے ہم نے تم کو پیدا کیا ہے اور زمین میں ہی پھر تم کو لوٹائینگے - اور زمین سے ہی پھر دوسری دفعہ تم کو نکالینگے - خدا تعالیٰ نے زمین کو ہم پر مہربان اور مشفق ماں کی طرح بنایا ہے زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی - پس اگر ان صفتوں میں سے ہر ایک کے بیان میں ہم مشغول ہو جائیں تو گفتگو کا سلسلہ بہت لمبا ہو جائیگا - کیونکہ حکمت الٰہی کے اسرار بے شمار ہیں - جب تھوڑا سا معلوم ہو گیا - اب اگر خدا توفیق عطا فرمائے - تو حکمت کا دروازہ تیرے دل پر کھلجائے - اور خدا کی بزرگی کا نور تیرے دل میں تجلی کرے ؎

فصل ۵

ان دلائل کی شرح میں جو آفتاب کی ذات سے خالق عالم کی قدرت آورہتی پڑال ہیں - اور ان کی بہت سی قسمیں ہیں ؎

پہلی دلیل یہ ہے کہ آفتاب جو اب چوتھے آسمان میں ہے اس دُنیا میں اس کی تاثیر حد اعتدال پر ہے - اور زندگی اور صحت کے موافق ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے - کہ اگر زمین سے دور ہوتا مثلاً پانچویں آسمان یا اس کے سوا کسی اوپر کے آسمان میں ہوتا تو اس کی تاثیر اس جہان پر بہت ضعیف پڑتی - اور سردی اور برف کا اس قدر غلبہ ہو جاتا کہ عالم اس قابل نہ ہوتا کہ اس پر حیوان رہ سکیں - اور اگر آفتاب چوتھے آسمان سے نیچے کے آسمان میں زمین سے زیادہ نزدیک ہوتا - مثلاً فلک زہرہ میں - تو اس کی گرمی کی تاثیر اس جہان میں بہت تیز اور قوی ہوتی - اور سب جہان جل جاتا - اور کوئی حیوان اس میں رہ نہ سکتا - مگر اب چوتھے آسمان میں ہونے سے نہ بہت دور ہے اور نہ بہت نزدیک اس لئے اس جہان کی حالت یہ ہے کہ نہ حد سے زیادہ سردی میں رہتا ہے اور نہ زیادہ گرمی میں بلکہ معتدل حالت میں ہے اس لئے یہ قابلیت رکھتا ہے کہ ہر قسم کے حیوان اس میں رہتے سہتے ہیں - اور اسی طرح کہا جا سکتا ہے کہ آفتاب جو اب چوتھے آسمان میں ہے اگر موجودہ مقدار سے بڑا ہوتا - تو اس کی گرمی بھی زیادہ تیز ہوتی اور اگر اس مقدار سے زیادہ چھوٹا ہوتا تو اسکی گرمی زیادہ ضعیف ہوتی اور یہ بھی خلل کا باعث ہوتا - پس اس سے ثابت ہے کہ آفتاب کا اس معین مقدار میں ہونا اور اس مقررہ جگہ میں رہنا جہان اور جہان کے لوگوں کی

مصلحت اور بہتری کا باعث ہو اور اسمیں کچھ شک نہیں کہ یہ خدا تعالی کی کمال قدرت پر دلیل ہو جو سب کا پیدا کرنیوالا ہے۔

دوسری دلیل آفتاب کی صفتوں میں سے خدا کی قدرت اور حکمت پر یہ ہے۔ کہ باوجودیکہ آفتاب چوتھے آسمان پر ہے۔ خدا کی حکمت کا تقاضا ایسا ہوا۔ کہ اس کے لئے ایک اوج یعنے بلندی ہو۔ اور ایک حضیض یعنے پستی۔ جب آفتاب اوج پر ہوتا ہے اُس وقت زمین سے بہت دور ہوتا ہے اور جب حضیض میں ہوتا ہے۔ اس وقت زمین سے بہت نزدیک ہوتا ہے۔ اور آفتاب کا اوج شمالی جانب میں ہے اور حضیض جنوبی جانب میں۔ اسی باعث سے کرۂ ارضی میں جنوب کی طرف حرارت زیادہ ہوتی ہے۔ اور شمال کی طرف کم۔ اور حرارت کے قوی ہونے سے رطوبتیں جذب ہو جاتی ہیں پس کرہ جنوبی میں حرارت کے زیادہ ہونے کی وجہ سے دریا زیادہ واقع ہوئے ہیں۔ یعنے بحر کا پانی زیادہ ہے اور شمالی جانب میں رطوبتیں کم ہیں۔ اس لئے کرۂ شمالی پانی سے باہر واقع ہوا ہے۔ اور اس سبب سے حیوانوں کے رہنے کے قابل ہؤا ہے تعالیٰ مَنْ لَہُ الْخَلْقُ وَالتَّدْبِیْرُ الْعَجِیْبُ۔ سب سے بلند ہے وہ جو خلق اور عجیب تدبیر کا مالک اور مختار ہے +

تیسری دلیل آفتاب کے عجیب وغریب احوال سے اس کی روزمرہ کی حرکت ہے اس کا بیان یہ ہے کہ رات میں تین صفتیں ہیں۔ تاریکی۔ سردی اور تری۔ اور تینوں صفتیں حیاتی کی ضد ہیں۔ اسی واسطے رات کے وقت سب حیوان مُردہ سے ہو جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہے جو کہا گیا ہے اَلنَّوْمُ اَخُ الْمَوْتِ۔ نیند موت کی بہن ہے۔ اور جس وقت مشرق میں صبح کی روشنی نمودار ہوتی ہے۔ وہ وقت بالکل ایسا ہوتا ہے کہ گویا آفتاب نے حیات اور حس اور حرکت کی قوت تمام حیوانوں کے بدن میں پیدا کر دی ہے۔ پس جوں جوں مشرق میں آفتاب کا نور زیادہ ظاہر ہوتا جاتا ہے اُسی قدر حیاتی اور حس اور حرکت کی قوت بھی حیوانوں کے جسموں میں زیادہ کامل ہوتی جاتی ہے اور جب آفتاب مشرق سے نکلتا ہے۔ اس وقت سب حیوان اپنی اپنی خوابگاہوں سے اُٹھتے ہیں۔ اور جس قدر آفتاب مشرق میں زیادہ چڑھتا جاتا ہے۔ حیوانوں کے بدنوں میں حیات اور طاقت کی بھی زیادتی ہوتی جاتی ہے اور نصف النہار یعنے دوپہر تک یہی حال رہتا ہے۔ اس کے بعد آفتاب بہت بڑی بلندی سے اُفق غربی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ تو لحظہ بلحظہ اس کا انحطاط زیادہ ہوتا جاتا ہے اور اسی طرح اس کے ساتھ حیوانوں کے حالات سے بھی قوت منضبطی گھٹتی جاتی ہے

یہاں تک کہ آفتاب غربی افق کے نزدیک ہو جاتا ہے۔ اور ہوا میں تاریکی آنے لگ جاتی ہے۔ وہ سب حیوان اپنے اپنے گھونسلوں کی طرف چل دیتے ہیں۔ اور جب آفتاب ڈوب جاتا ہے تو کل حیوان اپنے اپنے گھروں میں چلے جاتے ہیں۔ اور غروب ہونے کے بعد ایک دو ساعت تک آفتاب کا اثر غربی افق میں باقی رہتا ہے۔ اس عرصہ میں حیوان اپنے اپنے گھونسلوں میں جاگتے رہتے ہیں اور جب شفق یعنے سُرخی کا اثر دور ہو جاتا ہے اور آفتاب کے نور کا کچھ بھی اثر افق میں باقی نہیں رہتا۔ تو اس وقت سب حیوان بھی سو جاتے ہیں۔ اور حس اور حرکت کی قوت سب کی باطل ہو جاتی ہے۔ پس جو شخص ان احوال اور مراتب میں فکر کرتا ہے۔ اسکو معلوم ہو جاتا ہے کہ خداوند تعالیٰ نے آفتاب کی گردش کو عالم سفلی کے حالات کے اختلافات کا سبب بنایا ہے۔ اور اس عالم کے حادثوں کو اس کی حرکتوں کے متعلق کیا ہے تعالیٰ مَنْ لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ۔ بلند ہے وہ جو خالق بھی ہے اور حاکم بھی۔ اور یاد رکھنا چاہئے کہ قرآن میں آیا ہے قیامت کے دن تین دفعہ صور یعنے کرناء پھونکی جائیگی۔ پہلی دفعہ تو خوف کے واسطے پھونکی جائیگی۔ جیسا کہ فرمایا ہے وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اور پھونکا جائیگا کرنا میں پس جو کچھ پہاڑوں اور زمینوں میں ہے سب خوف زدہ ہو جائیگا دوسرا پھونک گرنے کا ہوگا یعنی سب چیزیں بحس و حرکت ہو کر گر جائینگی جیسے کہ فرمایا ہے وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور پھونکا جائیگا کرنا میں پس جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے بحس اور بیحرکت ہو جائیگا۔ اور تیسرا پھونک قیامت کا ہوگا یعنے پھر زندہ ہو کر اُٹھ کھڑا ہونے کا جیسا کہ فرمایا ہے ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ۔ اور ان تینوں حالتوں کی نظیر آفتاب کے غروب اور طلوع میں ظاہر ہے کیونکہ جب آفتاب غروب ہوتا ہے تو لوگوں کے دل پر خوف غالب ہو جاتا ہے اور سب حیوان اپنے اپنے گھونسلوں میں چلے جاتے ہیں اور یہ حالت صور کے اس نفخہ سے مشابہ ہے جس سے آسمان اور زمین کے رہنے والوں پر فزع کی حالت طاری ہو جائیگی اور اس کے بعد شفق کا اثر زائل ہوتا ہے تو لوگوں پر خواب غلبہ کرتی ہے اور سب حیوان مُردہ سے ہو جاتے ہیں اور یہ حالت صور کے اس نفخہ سے مشابہ ہے جس سے سب چیز بیہوشی کی حالت میں ہو جائیگی اور رات بھر سونا اس حالت کو مشابہ ہے جو دو نفخوں کی درمیانی حالت ہے اور بعد میں جب صبح نمودار ہوتی ہے اور آفتاب نکلتا ہے اور سب آدمی خواب سے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور یہ حالت صور اس نفخہ سے مشابہ ہے۔ جو قیامت کے وقت میں ہوگا اور جو شخص احوال آفتاب کی ان تینوں حالتوں میں فکر کرتا ہے اور سوچتا ہے اسکو پیدا کرنیوالے

کی کمال قدرت اور حکمت اور رحمت معلوم ہوتی ہے ۔ اور قیامت کے حالات کے تصور کی کیفیت اس پر کھل جاتی ہے +

چوتھی دلیل ۔ آفتاب کے فائدوں سے اس کی روزانہ حرکت ہے ۔ اور اس کا بیان یہ ہے کہ آفتاب ایک نورانی جسم ہے اور گرمی پہنچانے والا ۔ اور اگر ایک ہی جگہ میں دیر تک رہے ۔ تو وہ جگہ بہت گرم ہو جاتی ہے اور جلجاتی ہے ۔ یہی سبب ہے کہ زوال کے وقت جب آفتاب کی حرکت ضعیف معلوم ہوتی ہے ۔ تو اس وقت حرارت زیادہ نمودار ہوتی ہے ۔ پس اگر فرض کریں کہ آفتاب کی روزانہ حرکت جواب ہے ۔ اس سے بہت سست اور کم ہوتی ۔ تو آفتاب ہر جگہ میں زیادہ دیر رہتا اور حرارت کی قوت زیادہ تیز ہوتی ۔ اور احراق کی حد کو پہنچ جاتی ۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ گرمی کے موسم میں جب آفتاب دیر تک نکلا رہتا ہے ۔ تو ہوا زیادہ گرم ہوتی ہے اور اگر آفتاب کی روزمرہ حرکت جواب ہے ۔ اس سے زیادہ تیز ہوتی تو اس کی تاثیر میں بہت ضعف ہوتا ۔ اور جمود یعنے بستگی کی حد تک پہنچ جاتی ۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ جاڑے کے موسم میں جب آفتاب بہت دیر تک نہیں نکلتا ۔ تو ہوا بہت سرد ہوتی ہے ۔ لیکن جب آفتاب کی حرکت تیزی اور آہستگی میں ایسے انداز سے ہے کہ نہ اس قدر جلدی چلتا ہے جس سے اس کی گرمی کا اثر ضعیف ہو جائے اور نہ اس قدر آہستہ کہ اس کی گرمی کی تاثیر زیادہ قوی ہو ۔ بلکہ گرمی اور سردی میں حد اعتدال پر رہتا اور جہان اور جہان کے لوگوں کی مصلحت کے موافق ہوتا ۔ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ وَاَحْكَمُ الْحَاكِمِيْنَ ۔ پس بزرگ ہے اللہ تعالےٰ جو سب خالقوں سے بہت اچھا خالق ہے ۔ اور تمام حاکموں میں سے زبردست حاکم ہے +

پانچویں دلیل ۔ آفتاب میں خالق کی عجیب حکمتوں میں سے یہ ہے کہ پروردگار نے ایسا ارادہ کیا ہے کہ آفتاب کا مدار منطقہ فلک اعظم سے مائل ہو ۔ یعنے اُس پر ترچھا واقع ہو ۔ اور یہ دونوں دائرے ایک دوسرے کے متقاطع ہوں ۔ اور ان دونوں کے تقاطع سے دو نقطے پیدا ہوں ۔ ایک برج حمل کے اول میں اور دوسرا میزان کے اول میں ۔ اور ان دو دائروں میں دو دوسرے نقطے بھی پیدا ہوں جو ایک دوسرے سے نہایت درجہ کی دوری پر ہوں ۔ اور وہ سرطان کے اول اور جدی کی ابتدا میں ہوتے ہیں ۔ اور ان میں حکمت یہ ہے کہ اگر آفتاب کا مدار منطقہ معدل النہار پر ترچھا واقع نہ ہوتا ۔ تو آفتاب کی

تاثیر مختلف نہ ہوتی۔ کیونکہ پھر جو جگہ آفتاب کے مدار میں ہوتی وہ نہایت سوختگی میں رہتی اور جو اس کے مدار سے دور ہوتی وہ حد درجہ کی برودت اور جمود یعنے بستگی میں رہتی۔ اور جو ان دونوں جگہوں کے درمیان میں ہوتی وہ نہایت اعتدال میں ہوتی۔ اور یہ احوال کبھی متغیر نہ ہوتے " یعنے ایک ہی حال پر رہتے " پس دنیا کے مقاموں میں سے ایک مقام میں تو ہمیشہ احتراق رہتا۔ اور دوسری جگہ میں ہمیشہ سردی رہتی۔ اور تیسری جگہ میں ہمیشہ اعتدال رہتا۔ اور اگر ایسا ہوتا تو چاروں فصلوں کا فرق اور ان کا اختلاف نہ ہوتا۔ اور کوئی چیز نہ بڑھتی نہ پھولتی۔ لیکن جب آفتاب کا سیر اس دائرہ میں ہوتا ہے جو دائرہ معدل النہار کو قطع کرتا ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ آفتاب کبھی جنوب میں ہو اور کبھی شمال میں اور اس سے چاروں فصل الگ الگ ہوں۔ اور ان چاروں سے حیوانوں کی ضرورت کی چیزیں پورے نشو و نما سے پیدا ہوں جیساکہ مطول کتابوں میں اُن کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور جب یہ معنی معلوم ہو گئے۔ تو ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمام جہان میں آفتاب کا سیر دنیا اور دُنیا کے لوگوں کی مصلحت کے موافق ہے جیساکہ فرمایا ہے۔ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرَاتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ سورج اور چاند اور ستارے اس کے حکم کے مطیع اور فرمانبردار ہیں۔ خبردار آفرینش اور حکم کا مالک وہی ہے اللہ تعالےٰ بابرکت ہے تمام جہانوں کا پالنے والا ہے +

چھٹی **دلیل** آفتاب کے عجائب احوال سے یہ ہے۔ کہ آفتاب کا پورا دورہ ایک سال میں ختم ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس کی گردش اس موجودہ رفتار سے کم اور بہت آہستہ ہوتی۔ تو فاصلہ کے دور اور دراز ہونے کے باعث ان جگہوں میں احتراق پیدا ہو جاتا۔ اور دوسری جگہوں میں اجسام بستہ ہو جاتے اور جم جاتے پس اس سے معلوم ہوا کہ دُنیا کی مصلحت اور بہتری اسی میں تھی۔ کہ جس جگہ آفتاب اب ہے اسی جگہ ہو۔ اور اس کی مقدار اسی قدر ہو کہ جس قدر اب ہے اور اس کی سالانہ اور روزانہ حرکت وہی ہو جو اب ہے اور اس کا اوج اور حضیض اور میلان کی مقدار وہی ہو جو اب ہے۔ اگر تمام عقلیں ملکر ایک عقل بنجائے اور پھر وہ عقل ہزار سال تک فکر کرے اور سوچے تو اور کوئی وضع اور ترتیب اور تدبیر نہیں سوچ سکیگی۔ جو اس موجودہ حالت سے زیادہ کامل ہو۔ فَسُبْحَانَ مَنْ لَّا يَعْزُبُ عَنْ عِلْمِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ یعنے پاک ہے کہ

آسمانوں اور زمینوں میں اس کے علم سے ایک ذرہ بھر بھی چھپ نہیں سکتا۔ اور وہ جاننے والا اور خبر والا ہے +

ساتویں قسم دلیل کی آفتاب کے عجائبات سے یہ ہے کہ زمین میں جو جگہیں ایسی ہیں کہ آفتاب اُن کے سر کی طرف سے بہت دور رہتا ہے۔ ان جگہوں میں سخت سردی ہوتی ہے اور بہت برف بھی رہتی ہے۔ اور اس قدر حیوان وہاں نہیں نظر آتے جیسے کہ ان جگہوں میں آتے ہیں جنکے سمت الراس میں قطب ہوتا ہے وہاں گردش فلکی رجوع ہوتی ہے کیونکہ اُن جگہوں اور طریق الشمس سے دور رہتی ہیں۔ اور ایک سال کا ایک دن رات ہوتا ہے۔ جب آفتاب برج حمل میں پہنچتا ہے تو اس وقت دن نکلتا ہے اور برابر چھ ماہ تک آفتاب نکلا رہتا ہے اور جب آفتاب میزان میں آتا ہے تو رات پڑ جاتی ہے اور پھر چھ مہینے تک رات ہی رہتی ہے۔ اور ان جگہوں میں آفتاب کی زیادہ سے زیادہ بلندی ۲۳ درجے اور چند دقیقوں تک ہوتی ہے۔ اس واسطے سخت اندھیرا رہتا ہے اور حیواں یہاں نہیں رہ سکتے۔ اور جو مقامات خط استوا پر ہیں وہاں آفتاب ہر سال دو دفعہ ان کے سر پر پہنچتا ہے۔ اور ابو علی سینا کہتے ہیں کہ یہ مقامات معتدل ہوتے ہیں۔ اور ہماری رائے یہ ہے۔ کہ یہ مقامات بہت سوختہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ آفتاب ہمیشہ ان کے سر پہ گردش کرتا رہتا ہے۔ اور ان سے آفتاب کی بعد کی غایت میلِ اعظم کا مقدار ہوتی ہے "یعنے نقطہ انقلاب جنوبی اور نقطہ انقلاب شمالی تک"۔ اور ایسے مقامات میں سال بھر میں آٹھ فصلیں ہوتی ہیں۔ دو گرم دو سرد۔ اور دو بہار۔ دو خزاں۔ کیونکہ جب دو دفعہ آفتاب سمت الراس میں آتا ہے تو ضرور دو گرم موسمیں ہوتی ہیں۔ اور جب دو دفعہ نہایت دوری میں ہوتا ہے تو یہ دو سرد موسمیں ہوتی ہیں۔ پس اس بیان سے ظاہر ہے۔ کہ جو جگہیں معدل النہار کے تحت میں ہیں وہ نہایت گرم ہوتی ہیں۔ اور جو دونوں قطبوں کے ماتحت ہیں وہ نہایت سرد ہوتی ہیں۔ اور جو ان دونوں مقاموں کے درمیان ہیں وہ معتدل ہوتی ہیں۔ لیکن جنوب کی طرف زمین سے زیادہ نزدیک ہے۔ اس سبب سے جنوب کی طرف حرارت بھی بہت رہتی ہے۔ اور دریا بھی وہاں زیادہ ہیں۔ اور شمال کی طرف زیادہ دور ہے۔ اس واسطے وہاں حرارت بہت کم ہوتی ہے۔ اور زمین پانی سے باہر رہتی ہے تاکہ حیوان اس پر رہ سکیں تَقَدَّسَتْ حِكْمَتُهُ عَنِ الْعَبَثِ وَفِعْلُهُ عَنِ الْبَاطِلِ۔ اس کی حکمت اور

اس کا فعل بفائدہ اور بیکار ہونے سے پاک اور بے عیب ہے +

آٹھویں قسم دلیل کی آفتاب کے سیر کے عجیب احوال میں سے یہ ہے کہ معلوم ہوا ہے کہ دُنیا کے مقامات تین قسموں میں ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جو خطا استوا کے نیچے ہیں اور وہ حدِ درجہ کی حرارت اور احتراق میں رہتے ہیں۔ دوسرے وہ جو دونوں قطبوں کے نیچے ہیں۔ اور یہاں ہمیشہ برف جمی رہتی ہے۔ تیسرے وہ ہیں جو ان دونوں قسم کے مقامات کے درمیان ہیں۔ اور یہ حیوانوں کے رہنے اور نباتات کے پیدا ہونے کے قیام ہیں۔ اب ہم کہتے ہیں کہ یہ مقامات متوسط بھی تین قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جو خطا استوا کے نزدیک ہیں یہاں آفتاب کی گرمی قوی رہتی ہے۔ اسی واسطے ان مقامات کے رہنے والے رنگ کے سیاہ ہوتے ہیں۔ اور ان کے بال گھنے ہوتے ہیں۔ اور ان کے مسامات کھُلے رہتے ہیں۔ اور مسامات کھُلے رہنے کی وجہ سے اُن کی حرارت غریزی ضعیف ہو جاتی ہے۔ اسی سبب سے ان میں شجاعت کم ہوتی ہے۔ اور ان کی عمر بھی چھوٹی ہوتی ہے۔ اور اس قسم کے مقامات کے رہنے والوں میں سے جو لوگ خطا استوا کے زیادہ نزدیک ہوتے ہیں۔ اُن میں وہ باتیں بہت زیادہ پائی جاتی ہیں۔ جیسا کہ حبش کے رہنے والے ہیں۔ اور جو زیادہ دور ہوتے ہیں۔ ان میں وہ باتیں کم ہوتی ہیں جیسا کہ ہند اور یمن اور جنوب و مغرب کے لوگ ہیں۔ اور دوسرے قسم کے وہ آدمی ہیں جو خطا استوا اور قطبوں کے نیچے کے مقامات کے درمیان ہوتے ہیں یہ گرمی اور سردی دونوں میں معتدل حالت میں ہوتی ہے۔ اس واسطے ان مقامات کے رہنے والے بھی اخلاق اور قد و قامت اور شجاعت میں معتدل ہوتے ہیں۔ اور یہ لوگ چین۔ خراسان۔ عراق اور شام کے رہنے والے ہیں۔ اور اس قوم کے لوگوں میں سے جو جماعت زیادہ جنوب کی طرف رہتی ہے وہ دانائی اور عقل میں زیادہ کامل ہوتی ہے کیونکہ منطقۃ البروج سے ان کو قرب ہوتا ہے۔ اور ان کے سمت الراس پر جو ستاروں کا راستہ ہے اس سے بھی نزدیک ہوتے ہیں۔ اور مشرقی طرف کے رہنے والے خلقت اور خُلق دونوں میں مغربی طرف کے لوگوں سے زیادہ کامل ہوتے ہیں۔ اور تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں۔ جو تحت القطبین کے طرف کے نزدیک ہوں۔ اور نیز بنات النعش ان کے سر کے نزدیک ہوتے ہیں۔ یہ لوگ آفتاب کی گذرگاہ سے دور رہتے ہیں۔ اس واسطے وہاں کی ہوا پر برودت کا غلبہ رہتا ہے۔ اور اسی وجہ سے ان کے رنگ سفید

ہوتے ہیں۔ اور اندام ان کے نرم اور ہوا کی سردی کے باعث ان کے مسامات بند رہتے ہیں۔ اور حرارت غریزی بھی ان کے باطن میں بستہ اور پوشیدہ رہتی ہے۔ اسی سبب سے ان میں شجاعت کا جوہر بہت قوی ہوتا ہے جیسا کہ ترکستان کے لوگوں کا حال ہے۔ اب جس شخص کو آدمیوں کے یہ حالات جو ان کے اخلاق اور الوان اور احوال کے متعلق ذکر ہوئے ہیں معلوم ہو جائینگے۔ اسی قیاس پر تمام حیوانوں اور نباتات او سمندروں اور کانوں اور پہاڑوں کے حالات بھی اسکو معلوم ہو جائینگے۔ اور ثابت ہو جائیگا۔ کہ جہان کے پیدا کرنے والے نے آفتاب کا جو سیر مقرر کیا ہے اسی میں عالم سفلی کی بہتری اور انتظام ہے فَسُبْحَانَ مَنْ لَهُ الْحِكْمَةُ الْبَالِغَةُ وَالْقُدْرَةُ الظَّاهِرَةُ۔ پس پاک ہے وہ جو ایسی کامل حکمت اور ظاہر قدرت رکھتا ہے +

نانویں دلیل سیر آفتاب سے خدا کی عجائب حکمت پر یہ ہے کہ موسم تابستان گرم اور خشک ہے اور موسم زمستان سرد اور تر۔ پس اگر دنیا کے احوال کی تقدیر ایسی ہوتی۔ کہ گرمی کا موسم دفعۃً سردی سے بدل جاتا۔ تو ضرور حیوانات اور نباتات کی طبیعتیں ایک حالت سے اسکی دوسری ضد حالت کی طرف دفعۃً انتقال کرتیں۔ اور ان کا ایسا ہونا طبیعتوں کے مقہور اور مزاجوں کے باطل ہونے کا باعث ہوتا اس واسطے خدا تعالےٰ کی حکمت اس بات کی مقتضی ہوئی۔ کہ گرمی اور سردی میں دو متوسط موسمیں پیدا کر دیں۔ ایک بہار۔ دوسری خزاں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ سردی اور گرمی کے درمیان میں تو بہار متوسط ہے۔ اور موسم بہار رطوبت کے لحاظ سے سردی کے ساتھ مشابہ ہے۔ اور حرارت میں موسم گرمی کے ساتھ۔ پس جب حیوان موسم سردی سے نکلتے ہیں تو بہار میں آجاتے ہیں اور موسم کی مخالفت کا اثر زیادہ نہیں پڑتا۔ اور تابستان اور زمستان کے درمیان خریف متوسط ہے۔ اور فصل خریف یبوست میں گرمی سے مشابہ ہے۔ اور برودت میں موسم سردی سے۔ پس اس طریق میں جہان کی وضع ایسی رہتی ہے کہ حیوانوں کے جسم ایک ضد سے دوسری ضد کی طرف دفعۃً انتقال نہیں کرتے۔ بلکہ ہمیشہ ایک حال سے دوسرے ایسے حال میں لوٹتے ہیں۔ کہ ان میں مشابہت ہوتی ہے۔ اور یہ اس واسطے ہے کہ فصلوں کے اختلاف کے فائدے حاصل ہوتے رہیں۔ اور ایک ضد سے دوسری ضد کی طرف لوٹنے میں جو ضرر ہے وہ نہ ہو فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ اللہ جو احسن الخالقین ہے برکت والا ہے

دسویں دلیل یہ ہے کہ زمین مثل کرہ کے گول ہے۔ اور کوئی سا گھنٹہ یا وقت فرض کرلو۔ اس وقت ایک شہر میں تو صبح ہوگی۔ اور دوسرے شہر میں وہ چاشت کا وقت ہوگا۔ اور تیسرے شہر میں ظہر کی نماز کا وقت ہوگا۔ اور چوتھے شہر میں اور ہی وقت ہوگا علیٰ ہٰذا القیاس۔ اس کا سبب یہ ہے کہ زمین مثل کرہ کے ہے اور آفتاب اسکے گرد سب طرفوں میں گردش کرتا ہے اور اس گردش کے سبب دنیا کے ہر ایک جانب میں یہ تمام احوال عجیب انتظام اور ترتیب سے موجود ہے۔ اور کوئی لحظہ ایسا فرض نہیں کیا جا سکتا۔ کہ اس میں کہیں تو ایک جماعت کے لوگ صبح کی نماز میں نہ مشغول ہوں۔ اور دوسری جگہ ظہر کی نماز میں۔ اور اسی قیاس پر باقی سب نمازوں کو سمجھ لو۔ اور اس باریکی کے سمجھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی تعریف میں جو یہ فرمایا ہے یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ رات اور دن میں خدا کی تسبیح پڑھتے ہیں اور فاصلہ نہیں کرتے۔ بشری صفت میں بھی ایسی حالت موجود ہے کیونکہ جو کچھ فرشتوں کے حق میں شخصی صورت میں ہے وہ انسانوں کے حق میں نوعی صورت میں صادق آتا ہے۔ کیونکہ ایسا لحظہ کوئی بھی فرض نہیں کیا جا سکتا جس میں انسانوں کا کوئی گروہ خدا کی عبادت میں مشغول نہ ہو۔ اور جب انسانوں کا نوع زیادہ فاضل ہے تو بیشک جو شرف فرشتوں کو شخصی صورت سے حاصل ہے وہ انسان کو نوعی صورت سے ہے ✦

فصل ۶

اُن دلائل کا بیان جو چاند کے احوال سے پیدا کرنیوالے کی ہستی اور اس کی الہیت کے کمال پر گواہ ہیں۔

یہ دلیلیں بھی کئی قسم پر ہیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ افلاک کی گردش سے جو زمانہ پیدا ہوتا ہے خدا نے اس کے چار حصے کئے ہیں۔ سال۔ مہینہ۔ دن اور ساعت۔ پہلی قسم کو تو آفتاب کی گردش سے خاص کیا ہے۔ جتنے عرصہ میں آفتاب ایک دورہ تمام کرتا ہے۔ وہ سال کہلاتا ہے۔ دوسری قسم کو چاند کی گردش سے مخصوص کیا ہے۔ وہ عرصہ جس میں چاند آفتاب سے الگ ہو کر پھر اس کا قران حاصل کرتا ہے یہ ایک مہینہ ہے۔ یعنے چاند کے ایک دورہ سے ایک مہینہ ہوتا ہے ✦ اور تیسری قسم دن اور رات ہے یہ اس حرکت سے پیدا ہوتے ہیں۔ جو آفتاب روزانہ حرکت میں ایک دورہ ختم کرتا ہے۔ چوتھی ساعت ہے

اس کا مختصر بیان یہ ہے کہ ساعتیں دو قسم پر ہیں۔ ایک قسم کی ساعتوں کو مستویہ کہتے ہیں اور یہ رات دن کے برابر گھٹتے ہیں۔ دوسری قسم کو معوجہ کہتے ہیں۔ اور یہ اس طرح پیدا ہوتی ہیں۔ کہ دن چاہے بڑا ہو چاہے چھوٹا۔ ہمیشہ اس کو بارہ ساعتوں میں ہی تقسیم کیا جائے۔ اور اسی طرح رات چاہے چھوٹی ہو اور چاہے بڑی۔ ہمیشہ اس کو بھی بارہ ساعتوں میں ہی تقسیم کریں۔ اور جب یہ معلوم ہو گیا۔ تو اس کے بعد ہم کہتے ہیں۔ کہ چاند کے دورہ کے سبب زمانہ مہینوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ اور مہینوں کے زمانہ کے تقسیم ہونے کے باعث روزے اور حج کے وقت پیدا ہوتے ہیں۔ اور معاملوں اور اجاروں کے وقت نکلتے ہیں۔ یہی معنے ہیں اس آیت شریفہ کے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ۔ اور سوال کرتے ہیں تجھ سے ہلالوں کی بابت کہہ وہ انسانوں اور حج کے واسطے خاص وقت ہیں۔ اور دوسری جگہ فرمایا ہے وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ بِحُسْبَانٍ اور سورج اور چاند کو حساب کے واسطے +

دوسری دلیل چاند کے احوال سے یہ ہے کہ اہل تجربہ نے معلوم کیا ہے کہ جب ہلال نمودار ہوتا ہے اس وقت سے بدر یعنے پورا چاند ہونے تک جوں جوں اس کا نور بڑھتا ہے۔ اسی طرح اس جہان کے اجسام کی رطوبتیں بھی بڑھتی ہیں۔ اور جب چاند کا نور بدر کے بعد گھٹنے لگتا ہے اور محاق میں پہنچتا ہے تو اجسام کی رطوبتیں بھی کم ہوتی جاتی ہیں۔ اور یہ تجربہ کئی ایک دلیلوں سے حاصل کیا ہے۔ پہلی یہ ہے کہ اگر کوئی چاند کے پہلے نصف میں رات کو روشنی میں سوئے تو اس کو زکام ہو جاتا ہے۔ اور ضرور ہے کہ یہ زکام رطوبتوں کی زیادتی کے سبب سے ہوتا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ چاند کے پہلے نصف میں دریا مد یعنے چڑھاؤ پر ہوتے ہیں۔ اور دوسرے نصف میں جزر میں یعنے اُتار ہیں۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ بیماریوں میں جو بحران واقع ہوتے ہیں طبیبوں نے اُن کا نوع چاند کے نور کی زیادتی کمی کے موافق پایا ہے اور جب اس مقدمہ کے حالات کھل گئے ہیں۔ تو اس کے بعد ہم کہتے ہیں۔ کہ جب چاند کے نور سے رطوبتیں بڑھتی ہیں۔ تو بڑھنے والے جسموں مثلاً نباتات اور حیوانات میں ضرور رطوبتیں زیادہ ہونگی۔ اور جب رطوبتیں زیادہ ہوتی ہیں۔ تو جسم میں تمدد یعنے کھچاؤ پیدا ہوتا ہے۔ پس یہی وجہ ہے کہ حیوانوں کا نشو و نما چاند کی تاثیر سے منسوب ہے +

تیسری دلیل چاند کے وجود میں یہ ہے کہ رات کے وقت جب آفتاب غروب ہو جاتا

ہے تو چاند نکل آتا ہے جس طرح آفتاب دن کو روشن کرتا ہے اسی طرح چاند رات کو روشن کرتا ہے
جیساکہ فرمایا ہے ھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَاءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا۔ اللہ وہ ہے جس نے سورج اور
چاند کو روشن کیا ہے +

چوتھی دلیل یہ ہے کہ جب چاند کا نور رطوبتوں کی زیادتی کا سبب ہوا۔ تو حکمت الٰہی
کا اقتضا یہ ہوا۔ کہ چاند کا نور ایک ہی طریق پر نہ رہے کیونکہ اگر نور ایک ہی حالت پر باقی رہتا۔
مثلاً زیادتی میں" تو دنیاوی اجسام پر رطوبتیں غالب آجاتیں۔ اور ان کا غلبہ نشو ونما والی حیاتی
کے منافی ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے نور کے احوال مختلف بنا دیئے تاکہ جو رطوبتیں اس سے
پیدا ہوں۔ وہ حد اعتدال میں رہیں +

پانچویں دلیل یہ ہے کہ اہل فلسفہ نے کہا ہے کہ فلکی اجرام تغیر کو قبول نہیں کرتے۔ اس لئے
خداوند تعالیٰ نے ان کے قول کے باطل کرنے کے واسطے چاند میں تین صفتیں پیدا کر دی ہیں۔
پہلی صفت یہ ہے کہ اسکے نور کو مختلف احوال کر دیا ہے۔ کبھی ہلال ہوتا ہے کبھی بدر اور کبھی
محاق کی حالت میں۔ تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ فلکی اجرام تغیر پذیر ہیں۔ اور جب یہ بات ثابت
ہوگئی تو قرآن میں جو اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْکَدَرَتْ۔
جب سورج لپیٹا جائیگا۔ اور تارے بے نور ہو جائینگے۔ برہان قطعی سے ثابت ہو جائیگا۔ دوسری
صفت یہ ہے کہ چاند کے چہرہ پر کلفت یعنے سیاہی نمودار ہوتی ہے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے
کہ چاند کا جرم مختلف اعتراض کو قبول کرتا ہے۔ اسکے بعض اجزا زیادہ روشن ہیں۔ اور بعض
زیادہ تاریک اور ظاہر ہے کہ جو زیادہ روشن ہیں انکی نسبت یہ بھی جائز تھا کہ وہ زیادہ
تاریک ہوتے اور جو زیادہ تاریک ہیں ان کی نسبت یہ جائز تھا۔ کہ وہ زیادہ روشن ہوتے
اور جب یہ جائزات سے ہے اور ایسا نہیں ہوا۔ تو اس سے ثابت ہے کہ یہ امر ایک
مدبر کی تدبیر اور ایک مقدار کی تقدیر کا محتاج ہے جو صاحب قدرت اور مختار مطلق ہے
تیسری صفت یہ ہے کہ چاند کو اس طرح پیدا کیا ہے۔ کہ کبھی اس کو گہن لگ جاتا ہے جسے
چاند گہن کہتے ہیں۔ اور چاند گہن کا ہونا اس بات کی دلیل ہے۔ کہ وہ اپنی صفات میں
قابل تغیر ہے +

چھٹی دلیل یہ ہے کہ علم ہیئت کے جاننے والوں اور مجسطی نے اس پر اتفاق کیا ہے
کہ چاند میں منظر کا اختلاف ہے جس سے جو اسکی جگہ معلوم ہوتی ہے یہ وہ نہیں جو اس کی اصلی

جگہ ہے اور جب حس کے رو سے اس کی اصلی جگہ معلوم نہیں ہوتی۔ تو اسکی حرکتوں کا رصد بند ضا
شکل ہوتا ہے لیکن چاند گہن کے وقت اصلی جگہ معلوم ہو جاتی ہے اس واسطے اس کے رصد
کے ذریعہ اس کے افلاک کی معرفت اور ان افلاکوں میں سے ہر ایک کی حرکتوں کی مقدار
ظاہر ہو جاتی ہے۔ پس اس سے واضح ہے۔ کہ چاند گہن حقیقت میں افلاک کے حال دریافت
کرنے کی کلید ہے۔ پس پاک ہے وہ خدا کہ جس نے مخلوقات میں سے ہر ایک میں بے انتہا
حکمتیں اور بے شمار اسرار رکھے ہیں +

فصل ۷

وہ دلائل جو ستاروں کے نکلنے اور غروب ہونے سے لی گئی ہیں۔ اور خدا کی کمال قدرت اور
اور طرح طرح کی بے شمار حکمتوں پر گواہ ہیں۔ اور بے مانند پیدا کرنیوالے کی ہستی کو ثابت کرتی ہیں
خدا تعالےٰ نے قرآن مجید میں کئی ایک جگہ اس دلیل کو یاد کیا ہے۔ ایک جگہ تو لفظ
واحد یعنے صیغۂ واحد میں ذکر کیا ہے۔ فرمایا ہے رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ یعنے مشرق
اور مغرب کا رب اور دوسری جگہ تثنیہ کے لفظ سے یاد کیا ہے فرمایا ہے رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ
وَ رَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ یعنے دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کا رب اور ایک جگہ جمع کے لفظ
سے یاد کیا ہے۔ فرمایا ہے فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ۔ اور ستاروں کے طلوع اور
غروب کے احوال سے پیدا کرنے والے کی کمال قدرت پر جو دلیل ہے۔ وہ چار طرح کی ہے
پہلی یہ ہے کہ ستارے طلوع کے وقت نہایت روشن اور صاف اور چمکدار ہوتے
ہیں۔ ان میں تاریکی اور کدورت نہیں ہوتی۔ اور غروب کے وقت تاریک اور سیاہ ہوتے
ہیں۔ اور اس قول کی صحت کی دلیل سورج کے حال کا اعتبار ہے۔ کیونکہ سب جانتے
ہیں کہ آفتاب طلوع ہونے کے وقت نہایت ہی صاف اور براق ہوتا ہے۔ اور غروب
کے وقت زرد اور ضعیف اور بے نور۔ اور یہ ظاہر ہے کہ چاند اور ستارہ کے طلوع
اور غروب کی حالت برابر ہے۔ پس ایک وقت میں نور کی زیادتی اور دوسرے وقت میں کمی
اور ضعف کی خصوصیت کا باعث طبعی تقاضا نہیں ہے بلکہ قادر مختار کی تدبیر اور تقدیر سے ہے +
دوسری دلیل یہ ہے کہ جب کوئی ستارہ اُفق میں ہوتا ہے تو اُس وقت بہت بڑا دکھائی دیتا
ہے اور جب آسمان کے درمیان ہوتا ہے تو بہت چھوٹا نظر آتا ہے حالانکہ جب اُفق میں ہوتا ہے تو

اُس وقت کی نسبت کہ آسمان کے وسط میں ہوتا ہے ہم سے قطر زمین کے فاصلہ کے برابر زیادہ دور ہوتا ہے کیونکہ جب کوئی ستارہ اُفق میں ہوتا ہے تو ہم اُسے مرکز عالم سے دیکھتے ہیں۔ اور جب آسمان کے درمیان میں ہوتا ہے تو ہم اسے دوُر زمین سے دیکھتے ہیں۔ اس لئے وسط آسمان میں ہونے کے وقت زمین کے نصف قطر کی دوری پر ہوتا ہے۔ اور عقل یہ چاہتی ہے کہ زیادہ دور ہونے کے وقت جس قدر زیادہ دور ہو۔ اسی قدر بہت چھوٹا دکھائی دے۔ اور جب نزدیک ہو تو بہت بڑا نظر آئے۔ اور یہاں یہ مسئلہ اس کے برخلاف ہے۔ کیونکہ جب افق میں بہت دور ہوتا ہے تو اس وقت بہت بڑا دکھائی دیتا ہے۔ اور جب وسط آسمان میں بہت نزدیک ہوتا ہے تو اس وقت بہت چھوٹا نظر آتا ہے پس ثابت ہے۔ کہ یہ واقعہ فاعل مختار کی تدبیر اور تقدیر سے ہے۔ کیونکہ کسی حالت کا طبیعی تقاضا کے خلاف ہونا اس بات کی اضح دلیل ہے کہ فاعل مختار کی ہستی صحیح ہے۔ اگر کوئی معترض یہ کہے۔ کہ آفتاب کے طلوع ہونے کے وقت رطوبتیں بہت ہوتی ہیں۔ اور جب کوئی دیکھنے والا جسم کو رطوبت میں دیکھتا ہے تو اس وقت وہ جسم بہت بڑا دکھائی دیتا ہے۔ اور نماز ظہر کے وقت رطوبتیں بہت گھٹ جاتی ہیں۔ اس لئے جسم بہت چھوٹا نظر آتا ہے۔ تو اس کا **جواب** یہ ہے کہ جب کوئی جسم رطوبت میں ہوتا ہے تو بے شک وہ بہت بڑا دکھائی دیتا ہے لیکن جب رطوبت میں نہ ہو بلکہ رطوبت اس جسم کے دیکھنے والے کے درمیان حائل ہو۔ تو اُس وقت بہت چھوٹا نظر آنا چاہئے۔ اور آفتاب رطوبت میں نہیں بلکہ ہمارے اور آفتاب کے درمیان رطوبت حائل ہے اس لئے بہت چھوٹا نظر آنا چاہئے۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ یہ اعتراض باطل ہے +

تیسری دلیل یہ ہے کہ ستاروں کے طلوع اور غروب کے عجائب احوال میں سے ایک صبح کاذب ہے۔ کیونکہ صبح کاذب ایک مستطیل روشنی ہوتی ہے جو مشرقی اُفق میں لحظہ بھر نمودار ہوتی ہے اور پھر گم ہو جاتی ہے اور خوب اندھیرا ہو جاتا ہے۔ بعد میں پھر مستطیر صبح نمودار ہوتی ہے۔ اور یہ حالت عجیب غریب احوال میں سے ہے کیونکہ صبح کاذب کا ظہور یا تو اس سبب سے ہے کہ آفتاب مشرقی افق کے نزدیک آگیا ہے۔ یا کسی دوسرے سبب سے ہے لیکن پہلی بات باطل ہے۔ کیونکہ اگر مشرقی افق کے بہت نزدیک ہوتا۔ تو اس کے نور کی تاثیر افق کی سب طرفوں میں نمودار ہوتی جیسی کہ صبح صادق میں ہوتی ہے۔ کیونکہ مشرقی افق کی سب

طرفوں میں آفتاب کی تاثیر برابر اور یکساں نسبت رکھتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ صبح کاذب ایسی نہیں بلکہ لمبے خط کی مانند مشرق میں ایک نور نمودار ہوتا ہے پس اس سے واضح ہوتا ہے کہ صبح کاذب کا ظہور آفتاب کے سبب سے نہیں۔ اور نیز اگر صبح اول کا ظہور آفتاب کی تاثیر سے ہوتا تو چاہیئے تھا۔ کہ اسکی روشنی ہر لحظہ بڑھتی۔ کیونکہ ہر لحظہ مشرق سے آفتاب کا قرب زیادہ ہوتا ہے۔ لیکن اسکی روشنی بڑھتی نہیں بلکہ صبح اول کے ظاہر ہونے کے بعد جہاں بہت تاریک ہوجاتا ہے اور بعد میں صبح صادق نمودار ہوتی ہے۔ پس اس دلیل سے ثابت ہوتا ہے کہ صبح کاذب کا طلوع ہونا آفتاب کی تاثیر سے نہیں بلکہ صرف قدرت سے ہے۔ اور اس میں حکمت یہ ہے کہ خدا نے جو یہ فرمایا ہے فَالِقُ الْاِصْبَاحِ صبحوں کے پھاڑنے والا۔ اس دلیل سے ثابت ہوگیا۔ اور صبح اول کے نظر آنے سے توحید کی معرفت مدلل ہوتی ہے اور صبح صادق کے کھل جانے سے اس پاک درگاہ کی عبودیت لازم آتی ہے فَسُبْحَانَهٗ سُبْحَانَهٗ مَا اَعْظَمَ شَانَهٗ پس پاک ہے وہ اور اس کا شان بہت ہی بڑا ہے +

چوتھی دلیل یہ ہے کہ ستارہ کا طلوع اور غروب پیدا ہونے اور مرنے سے مشابہ ہوتا ہے کیونکہ ستارہ کا نکلنا ایسا ہے جیسے آدمی ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے۔ اسی سبب سے ہی آدمی کے پیدا ہونے کے وقت جو درجہ طالع ہوتا ہے۔ اس سے آدمی کے حالات کی دلیل لیتے ہیں۔ اور اس کا نام درجۂ طالع رکھا ہے۔ اور یاد رکھنا چاہیئے کہ ستارہ کے طلوع اور غروب کے مختلف احوال بہت سے ہیں لیکن اُن سب میں سے پانچ زبردست حالتیں یہاں بیان کی جاتی ہیں +

پہلی حالت یہ ہے کہ جب ستارہ طلوع ہوتا ہے تو ساعت بہ ساعت اونچا ہوتا جاتا ہے۔ اور اس کا نور اور روشنی اور چمک کامل ہوتی جاتی ہے۔ اور جب تک اپنی پوری بلندی پر نہیں پہنچ جاتا۔ اس کا یہی حال رہتا ہے۔ اور یہی حال آدمی کا ہے۔ جب آدمی ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے تو دن بدن بڑھتا جاتا ہے اور جب تک بڑھنے کی آخیر مدت تک نہیں پہنچ جاتا۔ اس کا یہی حال رہتا ہے +

دوسری حالت یہ ہے کہ جب ستارہ وسط آسمان کے نزدیک پہنچتا ہے۔ تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ٹھیرا ہوا ہے اور حرکت نہیں کرتا۔ اور یہ حالت حیوان کے سن وقوف کے مشابہ ہوتی ہے۔ جسے سن جوانی بولتے ہیں۔ کیونکہ کہتے ہیں۔ کہ اس میں حیوان کے جسم میں نہ زیادتی

ہے اور نہ کمی۔ اور یاد رکھنا چاہیئے کہ جب ستارہ آسمان کے وسط میں ٹھیرا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ اس وقت وہ حقیقت میں ٹھیرا ہوا نہیں ہوتا۔ بلکہ متحرک ہوتا ہے۔ اور یہیں ٹھیرا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یہی حیوانوں کا حال ہے۔ ان کے وقوف کا سن بھی ایسا نہیں۔ کہ اس میں طبیعت کو فی الحقیقت وقوف ہو۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ حرارت غریزی ہمیشہ رطوبت غریزی کو خشک کرتی رہتی ہے پس جب تک رطوبت غریزی زائد ہوتی ہے۔ طبیعت نشو ونما میں رہتی ہے۔ اور جب رطوبت غریزی کم ہو جاتی ہے تو طبیعت بھی نقصان اور کمی میں پڑ جاتی ہے۔ اور وہ مساوات "یعنے وقوف کا زمانہ" ایک آن سے زیادہ نہیں ہوتا جیسا کہ وسط آسمان میں ستارہ کا پہنچنا ایک آن سے زیادہ نہیں ہوتا پس اس سے ظاہر ہے کہ وسط آسمان میں ستارے کے ٹھیرنے کا زمانہ جوانی میں حیوان کے وقوف سے من کل الوجوہ مشابہ ہے ◆

تیسری حالت یہ ہے کہ جب وسط آسمان سے ستارہ غربی افق کو جاتا ہے۔ تو اس کا وہ اُتار نقصان میں ہوتا ہے۔ لیکن ابتدا میں وہ نقصان تھوڑا ہوتا ہے۔ اسی واسطے نماز ظہر سے عصر تک ہر چیز کا سایہ اسی کی مثل ہوتا ہے۔ اور ستارہ کی یہ حالت حیوان کی اُس حالت کے مانند ہوتی ہے جسے کہولت کہتے ہیں۔ کیونکہ آدمی جوانی کے آخری سن سے کہولت میں آتا ہے۔ اور کہولت کے زمانہ میں نقصان پوشیدہ اور کم ہوتا ہے

چوتھی حالت یہ ہے کہ جب ستارہ نماز عصر سے نماز مغرب تک غربی افق کو جاتا ہے۔ تو اس زمانہ میں نقصان بہت زیادہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے نماز ظہر سے نماز عصر تک ہر چیز کا سایہ اسکی مثل ہوتا ہے۔ اور نماز عصر کے بعد تھوڑی مدت میں ہر چیز کا سایہ اس سے دو چند ہو جاتا ہے اور لحظہ بلحظہ اس سایہ کی تاریکی بڑھتی جاتی ہے۔ ستارے کی یہ حالت آدمی کے سن شیخوخت کی حالت سے مشابہ ہوتی ہے۔ کیونکہ شیخوخیت کے زمانہ میں انسان میں ضعف کی علامتیں اور نقصان کثرت سے ہوتا ہے۔ اور اس کی شکستگی دن بدن بڑھتی جاتی ہے۔ اور جب ستارہ افق غربی میں پہنچتا ہے تو اُس کا نور ضعیف ہو جاتا ہے اور تیرگی اور بے رونقی آجاتی ہے۔ اور جب آفتاب جو نیر اعظم کہلاتا ہے غربی اُفق میں پہنچتا ہے تو یہ بھی زرد ہو جاتا ہے۔ اور اس کا نور نہیں رہتا۔ اور جس میں ایسا دکھائی دیتا ہے۔ کہ گویا کانپ رہا ہے۔ اور اُفق کی سطح پر گر پڑا ہے۔ ستارہ کی یہ حالت

بڑھاپے کے آخری زمانہ سے مشابہ ہوتی ہے۔ جو موت کے وقت نمودار ہوتی ہے۔ کیونکہ اس زمانہ میں انسان ضعیف ہوجاتا ہے۔ اور بستر پر گر پڑتا ہے۔ اور اُس کے اعضاؤں میں لرزہ اور رعشہ آجاتا ہے۔ اور اس کے مُنہ کا نور جاتا رہتا ہے۔ اور جیسے ستارہ اس حالت میں آکر ڈوب جاتا ہے ویسے ہی جب جوان اس حالت میں پہنچتا ہے۔ تو مر جاتا ہے +

• پانچویں حالت یہ ہے کہ جب ستارہ ڈوب جاتا ہے۔ تو اُس کے نور کا اثر تھوڑی مُدت تک غربی اُفق میں باقی رہتا ہے۔ اور اُس مُدت کے گذر جانے کے بعد وہ اثر جاتا رہتا ہے۔ اور ایسا ہوجاتا ہے کہ گویا جہان میں اُس ستارہ کا اثر تھا ہی نہیں اور وہ نماز عشا کا وقت ہے۔ یہی حال انسان کا ہے۔ جب مر جاتا ہے تو کچھ عرصہ تک اس کی زندگی کی علامتیں باقی رہتی ہیں۔ اور جب کچھ زیادہ عرصہ گذر جاتا ہے۔ تو دُنیا میں اس کا کچھ اثر باقی نہیں رہتا۔ یہاں تک کہ اس کو کوئی یاد بھی نہیں کرتا۔ اور نہ کوئی اُس کی خبر سُنی جاتی ہے۔ اور جب ستاروں کے طلوع اور غروب کی یہ پانچوں عجیب حالتیں انسان کی مذکورہ بالا پانچوں حالتوں سے مشابہ ہیں۔ اس لئے صاحبِ شرع محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے ان پانچ وقتوں میں پانچ نمازیں پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ تاکہ ان وقتوں میں سے ہر ایک وقت میں عالم افلاک اور عالم خاک کی عجیب و غریب حالت ظاہر ہوتی ہے۔ اس واسطے مناسب ہے کہ بندہ ان اوقات میں سے ہر ایک وقت میں اپنے دل کو اور زبان کو بلکہ تمام جوارح اور اعضاء کو خالق عالم جل جلالہ کی معرفت کے ساتھ مزین اور آراستہ کرے۔ کیونکہ جب عالم علوی اور سفلی کے احوال کے تغیر سے خالق عالم کی قدرت اور حکمت کا کمال معلوم ہوجاتا ہے۔ تو پھر اس معرفت کے ساتھ عبودیت بھی ملجاتی ہے تاکہ بندہ حضرت الٰہیت میں مستغرق ہووے +

فصل ۸

(دلائل جو رات دن کی گردش سے خدا تعالیٰ کی ہستی پر قائم ہوتی ہیں)

رات اور دن کی گردش کی دلیل کو خداوند تعالیٰ نے قرآن کی بہت سی آیتوں میں یاد کیا ہے۔ سورۂ بقر میں فرمایا ہے اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ

تمہارا معبود وہ معبود ہے جو ایک ہی ہے۔ نہیں ہے معبود مگر وہ ایک خدا جو رحمن اور رحیم ہے۔
اس کے بعد اس قول کی تائید میں آٹھ دلیلیں بیان کی ہیں +

پہلی دلیل یہ ہے۔ فرمایا ہے اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ یعنے افلاک کی صفتیں صانع کے وجود اور اس کی وحدانیت اور رحمت پر دلیل ہیں۔ اور ہم نے اُن دلیلوں کو جو افلاک کی صفتوں سے پیدا ہوتی ہیں گذشتہ فصل میں بیان کر دیا ہے +

دوسری دلیل۔ فرمایا ہے وَالْاَرْضِ یعنی فِیْ خَلْقِ الْاَرْضِ یعنے زمین کی پیدائش میں خدا کی ہستی کی دلیلیں ہیں۔ اور زمین کی جو دلیلیں صانع حکیم کی قدرت اور حکمت پر ناطق ہیں۔ ہم نے اُن کی تشریح کر دی ہے +

تیسری دلیل۔ فرمایا ہے وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ۔ اور رات اور دن کے اختلاف میں۔ رات اور دن کے اختلاف کی تفسیر تین وجہ پر ہے + پہلی یہ ہے کہ رات اور دن ایک دوسرے کی ضد اور آپس میں منافی ہیں۔ جب رات آتی ہے تو وہ دن کو باطل اور نیست کر دیتی ہے اور دن پر غلبہ پا لیتی ہے۔ اور پھر جب نیست اور گمشدہ دن ظاہر ہوتا ہے۔ تو وہ غالب آجاتا ہے اور رات کو نیست کر دیتا ہے۔ پس رات اور دن میں سے ہر ایک کبھی غالب ہوتا ہے اور کبھی مغلوب۔ اور اگر ان کا غلبہ طبع اور خاصیت کے حکم کے موافق ہوتا تو غلبہ کی حالت ہمیشہ باقی رہتی۔ جو غلبہ پا لیتا وہ پھر مغلوب نہ ہوتا۔ اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ غالب مغلوب ہو جاتا ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں قادر اور مختار حکیم کے تصرف کے ماتحت ہیں۔ جو دونوں کو اپنی قدرت کے تصرف میں رکھتا ہے۔ پس اس سے ثابت ہے کہ رات اور دن کا اختلاف صانع عالم کی حکمت اور رحمت اور وحدانیت کے وجود پر کامل دلیل ہے جو تمام موجودات سے بلند اور پاک ہے +

دوسری وجہ رات اور دن کے اختلاف کے بیان میں یہ ہے۔ کہ شروع جاڑے سے شروع گرمی تک دن بڑھتا رہتا ہے اور رات گھٹتی رہتی ہے۔ اور اس کے بعد شروع گرمی سے دن گھٹنے لگتا ہے اور رات بڑھنے لگتی ہے۔ اور شروع زمستان تک یہی حالت رہتی ہے۔ جس قدر دن کم ہوتا ہے اُسی قدر رات میں زیادتی ہوتی جاتی ہے اور یہ اختلاف منتظم کی قدرت سے ہے کہ جتنی ایک سے کم ہوتی ہے۔ اتنی ہی دوسرے میں زیادتی ہو جاتی ہے۔ اور اس میں حکمت یہ ہے۔ کہ گرمی میں آفتاب سمت الراس

پر ہوتا ہے اور یہ ہوا کے گرم رہنے کا سبب ہے۔ اگر گرمی میں دن اسی طرح لنبا رہتا
"یعنے سخت گرمی ہی رہتی"۔ تو حرارت کی کثرت سے احتراق پیدا ہو جاتا۔ اور اسی طرح
زمستان یعنے سردی میں آفتاب سمت الراس یعنے سر کی طرف سے بہت دور ہوتا ہے
اور اس سے ہوا سرد رہتی ہے پس اگر جاڑے میں راتیں لمبی ہی رہتیں۔ اور بدستور
بڑھتی جاتیں۔ تو ہوا بہت ہی سرد ہو جاتی۔ اور زندہ چیزوں کی حیاتی نہ رہتی اس لئے
خداوند تعالےٰ کی حکمت نے ایسا ارادہ کیا۔ کہ گرمی میں جب دن حد درجہ تک بڑھ جائے
تو پھر گھٹنے لگے۔ تاکہ دن کے کم ہونے کے باعث گرمی کی شدت کم ہو جائے۔ اور حد
اعتدال پر آجائے۔ اور جاڑے میں جب دن حد درجہ تک گھٹ جائے تو پھر بڑھنے
لگ جائے۔ تاکہ دن کے بڑھنے اور گرمی کے سبب کچھ ہوا کی سردی کم ہو۔ اور حد
اعتدال پر آجائے۔ فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ۔ پس اللہ احسن الخالقین بڑا ہی با
برکت ہے +

تیسری وجہ رات اور دن کے اختلاف کے سیر میں یہ ہے کہ جیسا زمانہ میں رات
اور دن کا اختلاف موجود رکھنے کے واسطے رات اور دن کی حالت سال کے چاروں
فصلوں میں مختلف ہوتی ہے۔ مکانوں کے واسطے بھی اسی طرح ہے۔ اس کا بیان یہ
ہے کہ زمین مثل کرہ کے گول ہے۔ اس سبب سے جس وقت ایک معین شہر میں صبح ہوتی
ہے۔ اسی وقت دوسرے شہر میں نماز پیشین تیسرے میں اسی وقت نماز عصر۔ چوتھے میں
نماز شام۔ پانچویں میں نماز عشا اور چھٹے میں آدھی رات کا وقت ہوتا ہے۔ جو شخص
اس بات کو ثابت کرنا چاہتا ہے۔ اس کو چاند گرہن کا وقت ضبط رکھنا چاہئے۔ اگر
چین کے لوگوں سے پوچھیگا۔ کہ چاند گرہن کس وقت ہوا ہے تو وہ نماز عشا کا وقت بتلائینگے
اگر خراسان کے لوگوں سے پوچھینگے تو وہ آدھی رات کا وقت۔ اگر اندلس کے لوگوں سے دریافت
کرینگے تو وہ صبح کا وقت۔ پس اس طریق سے معلوم ہو جائیگا۔ کہ جس وقت چین کے نواح
میں عشا کا وقت ہوتا ہے عین اسی وقت خراسان میں آدھی رات ہوتی ہے اور مغرب
میں صبح پس رات دن کے احوال کا اختلاف دنیا کے مکانوں میں اس بیان سے ظاہر
ہوتا ہے۔ اور یہ خدا کی قدرت کامل اور اس کی رحمت شامل پر ظاہر دلیل ہے۔ کیونکہ
وہ اپنی کمال قدرت اور حکمت سے تمام جہان کی مصلحت اور بہتری کو مدنظر رکھتا ہے۔ اس لئے

کہیں رات ہے کہیں دن۔ کسی جگہ سوتے ہیں کسی جگہ جاگتے ہیں۔ چنانچہ کسی جگہ خلل واقع نہیں ہوتا۔ تاکہ اس کے بندے جب حقیقت کی طرف نگاہ کریں۔ تو ہر ایک گزرنے والی ساعت کو اس کی عبادت میں گزاریں۔ اور اس اکیلے کی پرستش کریں۔ لَا یَشْغَلُہٗ شَانٌ عَنْ شَانٍ لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبَارَكَ اللّٰہُ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ۔ ایک حال دوسرے حال سے اسکو غافل اور بے خبر نہیں کرسکتا۔ وہی خالق اور حاکم ہے۔ اللہ جہانوں کے پالنے والا بڑی برکت والا ہے پس جہان کے پیدا کرنے والے کی ہستی اور اسکی کامل قدرت اور حکمت پر رات اور دن کے اختلاف سے یہ دلیل ہے +

چوتھی دلیل جو اس آیت میں ذکر کی گئی ہے۔ وہ یہ ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ۔ اور کشتی جو سمندر میں لوگوں کے فائدے کے لئے آتی جاتی ہے۔ اگر سب جہان کے آدمی ملکر یہ چاہیں۔ کہ ایک تسو بھر پتھر یا سہارا پانی کی سطح پر ٹھیرائیں تو نہیں ٹھیرا سکتے۔ اور جہان کے پیدا کرنے والے نے اپنی قدرت سے ایسی کشتیوں اور جہازوں کو پانی کی سطح پر ٹھیرایا ہے۔ کہ ہزاروں من بوجھ اُن میں لدا ہوا ہوتا ہے۔ اور اس میں حکمت یہ ہے۔ کہ لوگوں کو کئی طرح کی حاجتیں ہوتی ہیں اور ہر قسم کی حاجتوں سے ہر قسم کے فائدے حاصل کرنے کے واسطے کئی طرح کی مخلوق پیدا کی ہے۔ اور اس میں سے ایک ایک قسم کی مخلوق کو دُنیا کی ایک ایک طرف کے ساتھ مخصوص کردیا ہے۔ مشرق کے لوگوں کو اُن چیزوں کا محتاج کیا ہے جو مغرب میں ہوتی ہیں۔ اور مغرب کے آدمیوں کو اُن کا جو مشرق میں ہیں۔ اس لئے ایک طرف سے دوسری طرف چیزوں کے لیجانے کے لئے پانی کی سطح پر چھوٹی بڑی کشتیاں جاری کردی ہیں تاکہ ایک جانب سے دُوسری جانب ان کا نقل آسانی سے ہو جائے۔ اور اس آمد و رفت سے لوگوں پر روزی کا دروازہ کھل جائے۔ یہ ہے تفسیر آیت والفلك التی تجری فی البحر بما ینفع الناس +

پانچویں دلیل جو اس آیت میں ذکر کی گئی ہے وہ یہ ہے وَمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا۔ اور اس میں جو نازل کیا اللہ نے آسمان سے پانی پس زندہ کیا اس سے زمین کو اُس کے مردہ ہو جانے کے بعد۔ غور کرنے کی بات ہے۔ کہ اگر دنیا کے تمام اہلِ عقل چاہیں کہ پانی کے ایک قطرہ کو ہوا میں معلق رکھیں۔ تو نہیں رکھ

سکتے۔ لیکن اعلےٰ خالق نے بادل کو ہوا میں معلق رکھا۔ تاکہ اس میں پانی بہت سا امانت رہے اور دنیا جہاں اس سے بھر جائے۔ اور اس میں حکمت یہ ہے۔ پانی کو بادل کے پیٹ میں ودیعت رکھا اور بادل کو ہوا میں معلق کیا۔ اور ہوا کو اس پر تسلط بخشا۔ تاکہ بادل کو چلا کر اس زمین کی طرف لے جائے۔ جس کو پانی کی حاجت ہے۔ اور وہاں اس کو ٹھیر اکر برسائے تاکہ وہ زمین سیراب ہو۔ اور طرح طرح کے پھل پھول مخلوق کے فائدے اور مصلحت کے واسطے پیدا ہوں۔ یہ ہیں معنی اس کے جو فرمایا۔ وَمَا اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا ٭ اور جو اللہ نے آسمان برسے پانی نازل فرمایا

چھٹی دلیل یہ ہے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے وَبَثَّ فِیْھَا مِنْ کُلِّ دَآبَّۃٍ۔ اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ نے زمین میں ہر قسم کے حیوانات ظاہر کئے ہیں بعض اُڑنے والے ہیں۔ بعض پاؤں سے چلنے پھرنے والے۔ بعض سطح زمین پر رہتے ہیں بعض پانی کے اندر۔ اور باوجودیکہ عناصر کی طبائع اور افلاک اور ستاروں کا اثر سب پر برابر ہے۔ ہر ایک کی صفت اور پیدائش الگ الگ ہے۔ اور ان کا صفت اور خلق میں مختلف اور متفاوت ہونا بلاشبہ اس بات کی دلیل ہے۔ کہ یہ تفاوت اور یہ اختلاف قدیم و حکیم خالق جل جلالہ کی تقدیر سے ہے پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ باوجود اس کے مختلف سرشت اور مختلف صفات میں حیوانوں کے ان تمام نوعوں کی پیدائش۔ حکیم اور قدیم پیدا کرنے والے کی تقدیر کامل سے ہے ٭

ساتویں دلیل یہ ہے۔ فرمایا ہے وَتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ اور ہواؤں کے پھرنے میں یاد رکھنا چاہئے۔ کہ ہواؤں کا احوال پیدا کرنے والے کی ہستی پر کئی وجوہات سے بہت ہی ظاہر اور روشن دلیل ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ اگر ہوا کی طبع حرکت کی مقتضی ہوتی یعنے ہوا کی حرکت کا باعث اسکی طبع ہوتی۔ تو ایسا ہونا چاہئے تھا۔ کہ متحرک ہونے کے بعد پھر ساکن نہ ہوتی۔ اگر بالطبع ساکن ہوتی۔ تو متحرک نہ ہوتی۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ہوا کبھی متحرک ہوتی ہے اور کبھی ساکن اس لئے ضرور ہے کہ ہوا کی حرکت اور اس کا سکون اسکے طبعی تقاضا سے نہیں۔ اور جب طبعی تقاضا سے نہیں۔ تو اس میں کوئی شک نہیں کہ ہوا کی حرکت اور سکون صانع مختار اور حکیم کامل کی تقدیر اور تدبیر سے ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہوا اس قدر لطیف جسم ہے کہ کوئی حس اُس کا ادراک نہیں کر سکتی۔ باوجود اس کے جب جنبش

میں آتی ہے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ پہاڑوں کو اُکھاڑ دیتی ہے۔ اور بڑے بڑے درختوں کو توڑ ڈالتی ہے۔ اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے لطیف جسم میں اِس قدر قوی اور زبردست طاقت کا آجانا فاعل مختار اور حکیم علے الاطلاق کے پیدا کرنے کے سوا اور کسی طریق سے نہیں ہو سکتا
تیسری وجہ یہ ہے کہ ہواؤں کی کئی قسمیں ہیں بعضی نافع ہیں جیسے باد بہاری ہے جیسا کہ فرمایا ہے وَاَرْسَلْنَا الرِّیَاحَ لَوَاقِحَ۔ اور بعض مضر جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا ہے وَاَرْسَلْنَا عَلَیْھِمُ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ۔ اور ظاہر ہے کہ ہوا کی طبیعت یکساں ہے باوجود اس کے پھر بعض کو باعث نفع بنانا اور بعض کو باعث ضرر بنانا حکیم فاعل مختار جل جلالہ کے ارادہ کے بغیر نہیں ہو سکتا +

آٹھویں دلیل جو خدا تعالےٰ نے بیان کی ہے۔ یہ ہے فرمایا ہے وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔ اور بادل جو آسمان اور زمین کے درمیان مسخر کئے گئے ہیں۔ اور بادل کے کچھ فائدے ہمنے بیان کر دئے ہیں۔ اور آیت شریفہ میں آٹھ قطعی دلیلیں بیان فرماکر اس کا خاتمہ اس پر فرمایا ہے لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ۔ یعنے یہ آٹھوں دلیلیں خدا کی ہستی کا قطعی فیصلہ کرنے والی ہیں۔ اور اس کی واحدانیت اور قدرت اور حکمت اور رحمت پر ظاہر دلیل ہیں۔ لیکن اُن لوگوں کے واسطے جنہیں عقل کامل حاصل ہے۔ اور ایک دوسری آیت میں خدا تعالیٰ نے رات اور دن کا فائدہ اس طرح بیان کیا ہے قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰہُ عَلَیْکُمُ الَّیْلَ سَرْمَدًا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ مَنْ اِلٰہٌ غَیْرُ اللّٰہِ یَاْتِیْکُمْ بِضِیَآءٍ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ یعنے کہہ اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم اگر خدا بزرگ اور بلند رات کو تم پر ہمیشہ کے واسطے مسلط کر دے تو خداوند تعالیٰ کے سوا کون ہے جو رات کو ہٹا دے اور دن کو لے آئے۔ اور فرمایا ہے قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰہُ عَلَیْکُمُ النَّھَارَ سَرْمَدًا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ مَنْ اِلٰہٌ غَیْرُ اللّٰہِ یَاْتِیْکُمْ بِلَیْلٍ تَسْکُنُوْنَ فِیْہِ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔ کہہ اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم اگر خدا بزرگ اور بلند دن کو ہمیشہ کے واسطے تم پر مسلط کر دے تو خدا کے سوا کون ہے۔ جو دن کو دور کر کے رات لائے تاکہ تم اس میں آرام پاؤ کیا تم نہیں سوچتے۔ اور یاد رکھنا چاہئے۔ کہ رات اور دن کے ایکدوسرے کے بعد ظاہر ہونے میں بہت سی حکمتیں ہیں +

پہلی حکمت یہ ہے کہ جب دن نکلتا ہے تو روشنائی نمودار ہوتی ہے۔ اور اس سبب سے آدمی اپنے کاروبار میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ اور جب رات آتی ہے تو اس وقت آرام کرتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا۔ ہمیشہ کاروبار اور حرکت کرنے میں ہی لگے رہتے۔ تو کم زور اور

کم طاقت ہو جاتے۔ اور اگر ہمیشہ سکون اور آرام میں ہی رہتے۔ تو بدنوں میں سردی اور تری کا غلبہ ہو جاتا۔ اور اس سے ہلاک ہو جاتے۔ مگر جب دن کے وقت کاروبار میں چلتے پھرتے رہتے ہیں اور رات کے وقت آرام کرتے ہیں۔ تو اس سے مزاج میں اعتدال رہتا ہے اور حیات مصلحت منتظم رہتی ہے +

دوسری حکمت یہ ہے کہ دن ہمیشہ اسی صورت میں رہ سکتا ہے کہ سورج آسمان پر ٹھیرا رہے اور حرکت نہ کرے۔ اور اگر ایسا ہوتا۔ تو وہ زمین کا حصہ جس پر آفتاب ہمیشہ نکلا رہتا سوختہ ہو جاتا۔ اور دوسری طرف جس میں آفتاب نہ نکلتا بالکل ٹھٹھر جاتی۔ اور اگر ایسی حالت ہوتی۔ تو تمام زمین پر کوئی ایسی جگہ نہ ہوتی۔ کہ جس میں حیوان رہ سکتے +

تیسری حکمت یہ ہے کہ نیند موت کی مانند ہے۔ اور نیند کے بعد جاگنا زندہ ہونے کی مانند اور جب ہم دیکھتے ہیں کہ رات کے وقت ہم سو جاتے ہیں۔ اور صبح کے وقت جاگ اُٹھتے ہیں۔ تو اس میں سوچنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کیا عجب ہے کہ ایک دفعہ ہم مر جائیں اور دوسری دفعہ پھر زندہ ہوں۔ اس لئے رات دن کا ایک دوسرے کے بعد آنا حشر اور نشر کے صحیح ہونے پر دلیل ہے +

چوتھی حکمت یہ ہے۔ کہ جب دو چیزیں ایک دوسری کی ضد ہوتی ہیں۔ تو ہر ایک ان میں سے دوسری کی مبطل اور مفسد ہوتی ہے۔ اور رات اور دن باوجود اس کے کہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسی تدبیر کی ہے کہ ان دو متضاد میں سے ہر ایک دوسری کے حال کے کمال کا باعث ہوتی ہے۔ کیونکہ ہم نے اوپر یہ بیان کر دیا ہے کہ اگر ہمیشہ رات اور اندھیرا ہی رہتا تو حیاتی باطل ہو جاتی۔ اور کسی میں حس اور حرکت کی قوت باقی نہ رہتی۔ اور اگر ہمیشہ دن اور نور ہی رہتا۔ اور سونے اور آرام کرنے کا وقت مقرر نہ ہوتا تو اس سے قوتیں ضعیف ہو جاتیں۔ کیا تو یہ نہیں دیکھتا۔ کہ جب انسان بے خوابی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اور اسی حالت میں رہے تو مر جاتا ہے۔ پس معلوم ہوا۔ کہ دن کا فائدہ اس وقت حاصل ہوتا ہے۔ کہ رات بھی ہو۔ اور رات کا فائدہ تب حاصل ہوتا ہے کہ دن بھی ہو۔ پس پاک ہے وہ پیدا کرنے والا۔ کہ جس نے اپنی کمال حکمت اور قدرت سے رات اور دن کو باوجود ایک دوسرے کی ضد ہونے کے ایسا بنایا ہے کہ ایک دوسرے کے حال کے کمال ہونے کا باعث ہوتی ہے +

فصل ۹

(دلائل جو برجوں کے احوال سے خالق عالم کی ہستی اور اُسکے ارادے اور اسکی قدرت کے کمال پر دال ہیں)

قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے اس دلیل کا ذکر کیا ہے۔ فرمایا ہے تَبَارَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرَاجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا۔ بزرگ ہے وہ جس نے آسمانوں میں برج بنائے اور ان میں چراغ رکھا اور روشن چاند بنایا۔ اور اسی طرح دوسری جگہ فرمایا ہے وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ۔ قسم ہے آسمان کی جو برجوں والا ہے۔ اور سورہ یٰسٓ میں فرمایا ہے۔ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ۔ اور پیدا کیا چاند کو اور مقرر کردیں ہم نے اس کی منزلیں۔ جن میں وہ گردش کرتا ہے یہاں تک کہ پھر لوٹ کر مثل پُرانی ٹہنی کے ہو جاتا ہے۔ اور سورہ یونس میں فرمایا ہے وَالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ اور چاند کو نورانی کیا۔ اور اس کی منزلیں مقرر کیں تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب معلوم کرو۔ پس ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ برجوں کا تعلق آفتاب سے ہے اور منزلیں چاند سے تعلق رکھتی ہیں۔ خدا تعالیٰ نے قرآن میں اس دلیل کو یاد کیا ہے اور اپنی حکمت اور قدرت کے کمال اور وحدانیت پر گواہ ٹھیرایا ہے اور یاد رکھنا چاہئے۔ کہ برجوں کے بیان میں خدا کی بے انتہا حکمتیں بھری ہوئی ہیں۔ اور ہم اُن میں سے کچھ چند کا بیان یہاں لکھتے ہیں۔ بارہ برجوں کے بنانے میں۔

پہلی حکمت یہ ہے کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ عالم سفلی کی مصلحت اس کے سوا کہ سال کو چار فصلوں میں تقسیم کیا جائے منتظم نہیں ہوسکتی۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے آفتاب کے مدار کو منطقہ فلک اعظم پر ترچھا واقع کیا ہے۔ اس واسطے یہ دو دائرے دو نقطوں پر ایک دوسرے کو قطع کرتے ہیں۔ ایک برج حمل کی ابتدا میں دوسرا برج میزان کے اول میں۔ اور دو نقطے اور پیدا کئے گئے جو ایک دوسرے سے ان دونوں کی نہایت دوری پر ہیں ان میں سے ایک سرطان کا اول ہے اور دوسرا جدی کا اول۔ اور اس طرح آسمان چار حصوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ پہلا ربع حمل سے سرطان کے اول تک ہے۔ اور جس زمانہ میں آفتاب اس ربع میں ہوتا ہے۔ وہ فصل بہار کا زمانہ ہوتا ہے۔ اور دوسرا ربع سرطان کے اول سے میزان کے اول تک ہے۔ جب آفتاب اس ربع میں ہوتا ہے۔ وہ فصل

تابستان کہلاتا ہے۔ تیسرا ربع وہ ہے جس میں آفتاب کا دور میزان کے اول سے جدی کے اول تک ہوتا ہے۔ اور جس زمانہ میں آفتاب اس ربع میں ہوتا ہے وہ فصل خریف کہلاتا ہے۔ اور چوتھا ربع جدی کے اول سے حمل کے اول تک ہے۔ جب آفتاب اس ربع میں ہوتا ہے اُس زمانہ کو فصل زمستان کہتے ہیں۔ پس اس طرح آسمان چار حصوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ اور پھر ان چاروں موسموں میں سے ہر ایک کے تین حصے کئے گئے ہیں۔ کیونکہ ہر ایک حادث چیز کی ایک ابتداء ہوتی ہے۔ ایک وسط اور ایک نہایت پس اس طور پر حکمت الٰہی نے یہ تقاضا کیا ہے۔ کہ آسمان چار حصوں میں تقسیم ہو۔ اور پھر ان میں ہر ایک حصہ تین حصوں میں بٹے۔ پس اس تقسیم سے آسمان کے بارہ حصے ہوتے ہیں۔ اور ان بارہ حصوں میں سے ہر ایک حصہ ایک برج کے نام سے موسوم کیا گیا ہے پس خدا نے جو یہ آیت نازل کی ہے تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا۔ اس کی تفسیر یہ ہے +

دوسری حکمت برجوں کی ترتیب میں یہ ہے۔ کہ برجوں کی طبیعتیں گرمی اور سردی میں ایسی پیدا کی ہیں۔ کہ ایک کی گرم ہے تو دوسرے کی سرد اور آخر تک یہی ترتیب چلی گئی ہے۔ کیونکہ حمل گرم ہے تو ثور سرد ہے۔ جوزا گرم ہے تو سرطان سرد ہے۔ اسد گرم ہے تو سنبلہ سرد ہے۔ میزان گرم ہے تو عقرب سرد ہے۔ قوس گرم ہے تو جدی سرد ہے۔ دلو گرم ہے تو حوت سرد ہے۔ مگر خشکی اور تری میں برجوں کی طبیعتیں ایسی پیدا کی ہیں۔ کہ دو خشک ہیں اور دو تر اور اخیر برج تک یہی ترتیب ہے کیونکہ حمل اور ثور دونو خشک ہیں۔ اور جوزا اور سرطان دونوں تر۔ اسد اور سنبلہ دونوں خشک ہیں اور میزان اور عقرب تر۔ قوس اور جدی خشک ہیں اور دلو اور حوت تر۔ اور جب عقل سے سوچا جائے۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ جہان کی بہتری اور مصلحت اسی ترتیب میں تھی۔ اسکے سوا نہیں ہوسکتی تھی۔ اسکی دلیل یہ ہے کہ حرارت اور برودت دو ایسی کیفیتیں ہیں۔ کہ اثر کرنے میں تو قوی ہیں۔ اور اثر قبول کرنے میں ضعیف اور خشکی اور تری دو ایسی کیفیتیں ہیں کہ متاثر ہونے میں تو بہت قوی ہیں اور مؤثر ہونے میں بہت ضعیف۔ اسی واسطے حکماء نے یہ کہا ہے۔ کہ حرارت یبوست اور رطوبت اور برودت کیفیات فاعلہ میں سے ہیں۔ اور خشکی اور تری کیفیات منفعلہ میں سے۔ اور جب یہ بات مقرر ہوگئی۔ تو اس کے بعد ہم کہتے ہیں۔ کہ اگر دو برج ایک دوسرے کے متصل

ہوتے۔ اور وہ دونوں گرم ہوتے یا سرد تو اس صورت میں جب آفتاب ان دونوں متصل برجوں میں آتا تو اسکی تاثیر بہت قوی ہوتی اور حد اعتدال سے گذر جاتی۔ اور حیاتی کی ضد بنجاتی۔ لیکن جب ایک برج گرم ہوتا ہے اور دوسرا سرد تو اس سے اعتدال حاصل رہتا ہے۔ اور کسی کیفیت کی افراط نہیں ہوتی۔ لیکن خشکی اور تری دو منفعلہ کیفیتیں ہیں۔ اور یہ مؤثر ہونے میں زیادہ قوی نہیں ہیں۔ اس لئے اگر ایک برج خشک ہو اور دوسرا تر تو خشک اور تر کے پاس پاس ہونے سے آفتاب میں کچھ اثر نہیں کرتے۔ اس لئے حکمت الٰہی نے ایسا کر دیا کہ دو برج متصل خشک ہوں اور دو متصل تر۔ تاکہ ان دو متصل برجوں سے اُن کی خشکی یا تری کا اثر جہان میں ظاہر ہو۔ پس اس سے ثابت ہے کہ پروردگار نے افلاک کی ترکیب اُسی طریق پر کی ہے جس میں جہان کی مصلحت اور بہتری تھی +

تیسری حکمت بروج کی ترتیب میں یہ ہے کہ جہان کے تین قسم کئے گئے ہیں۔ ایک ایک عالم اصغر کہلاتا ہے یہ انسان ہیں۔ دوسرا عالم عناصر ہے۔ اسے عالم سفلی کہتے ہیں۔ تیسرا عالم افلاک ہے اسے عالم علوی کہتے ہیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے افلاک کو پیدا کیا اور انہیں حرکت دی۔ اور وہ حرکت حرارت کا سبب ہوئی تو ضروری ہوا۔ کہ جو جسم آسمان کے بہت نزدیک ہو۔ وہ گرم اور لطیف ہو۔ اس لئے یہ تو آگ ہے۔ اور جو جسم اس سے دور ہو۔ وہ گرمی اور لطافت میں کم ہو۔ اور یہ ہوا ہے۔ اور جو ہوا کی نسبت دور ہو۔ وہ اَور بھی کم ہو۔ پس یہ پانی ہے۔ اور جو افلاک سے پانی کی نسبت بھی زیادہ دور ہو وہ بہت سرد اور کثیف ہو اور یہ خاک ہے۔ پس عالم سفلی کے عناصر اس ترتیب پر مرتب ہوئے ہیں۔ کہ سب کے اوپر تو آگ ہے۔ اور اس کے نیچے ہوا اور اس کے نیچے پانی اور پانی کے نیچے مٹی۔ اور اس ترتیب سے حکمت کے تین نوع حاصل ہوتے ہیں +

پہلی نوع یہ ہے کہ ان چاروں عنصروں میں سے ہر ایک عنصر جسم اور مقدار اَور قوت میں ایک دوسرے کے برابر ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اگر ایک دوسرے سے زیادہ ہوتا۔ تو اُس کی زیادتی یا مقدار میں ہوتی یا قوت میں۔ اِس لئے زائد عنصر دوسرے ناقص پر غالب آجاتا اور ناقص عنصر کی طبیعت بالکل باطل ہو جاتی۔ اور ان چاروں عنصروں میں سے ایک کی طبیعت بالکل ہی باطل ہو جاتی۔ تو نباتات اور حیوانوں کی ترکیب نہ ہو سکتی اس لئے حکمت الٰہی نے ایسا کر دیا ہے کہ اِن چاروں میں سے ایک دوسرے کی تعدیل

کرنے والا ہے مقدار میں بھی اور قوت میں بھی۔ اور اسی واسطے یہ کہا ہے وَبِالْعَدْلِ قَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُوْنَ اور آسمانوں اور زمینوں کو عدل کے ساتھ قائم کیا ہے۔ اگر چاروں عنصروں کی قوتوں میں اعتدال نہ ہوتا۔ تو زائد عنصر ناقص پر غالب آجاتا۔ اور ضعیف عنصر کی طبیعت بالکل باطل ہو جاتی۔ لیکن اعتدال کی وجہ سے ان چاروں میں سے کوئی دوسرے پر غلبہ نہیں پاسکتا۔ اس لئے چاروں عنصروں کی طبیعتیں باقی رہتی ہیں +

دوسری نوع حکمت کی ترتیب عناصر میں یہ ہے کہ آگ اور خاک دونوں آپس میں ضدیں ہیں۔ کیونکہ آگ علوی اور نورانی اور حار عنصر ہے۔ اور خاک سفلی اور تاریک اور بارد ہے اور جب یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ تو آگ خاک کے مقابل نہیں ہوسکتی۔ مگر اسی صورت میں ہوسکتی ہے کہ ہوا اور پانی ان دونوں کے درمیان حائل ہوں تاکہ ضدیں ایک دوسری سے دور رہیں۔ اور ہر ایک ضد کی طبیعت دوسری کی ہمسائیگی سے عاجز اور مقہور نہ ہو۔ اور نیز اگر ہم فرض کریں کہ آسمان کی سطح کے نیچے کوئی دوسرا جسم ہوتا۔ اور آگ دوسرے درجہ پر ہوتی تو جو جسم فلک کے ساتھ ملا ہوا ہوتا۔ وہ بھی آسمان کی حرکت کی حرارت سے آگ بنجاتا۔ اور اس حال میں آگ کی طبیعت حد اعتدال سے بڑھ جاتی۔ اور اسی طرح اگر مرکز عالم پر خاک کے سوا کوئی اور جسم ہوتا۔ اور اس سے دوسرے درجہ پر ہوتی۔ تو آسمان کی حرکت سے بہت دور ہونے کے باعث وہ جسم بھی سرد اور کثیف ہو جاتا۔ اور لبستہ ہو کر خاک بنجاتا۔ اس لئے خاک کی طبیعت بھی حد اعتدال سے بڑھ جاتی۔ اور یہ سارا ترتیب عالم سفلی کے انتظام کے برخلاف ہے لیکن خدا تعالےٰ نے ایسا کر دیا ہے۔ کہ آگ تو فلک کے نیچے اس کی سطح کے ساتھ رہے۔ اور خاک آسمان سے بہت ہی دوری پر رہے اور ہوا آگ سے متصل ہو اور پانی خاک سے متصل۔ تاکہ محکم اور مضبوط ترتیب حاصل ہے۔ پس بہت ہی پاک ہے وہ خدا کہ ہر ایک چیز کے پیدا کرنے میں جسکی بے انتہا حکمتیں اور بے شمار باریکیاں ہیں +

تیسری نوع حکمت کی یہ ہے کہ عالم سفلی میں عناصر کی ترتیب جو بیان کی گئی ہے معلوم ہو چکی۔ تو اس کے بعد ہم کہتے ہیں۔ فرض کرو ایک طبیعی "یعنے قوت طبعی کا قائل" یہ کہتا ہے کہ عناصر میں یہ ترتیب اس واسطے ہے کہ آگ بالطبع اوپر کی طرف کو جانے والی ہے۔ اور مٹی بالطبع نیچے کی طرف آنے والی ہے۔ اس لئے آتش مقتضائے طبعی سے اوپر ہوئی ہے

اور مٹی بالطبع نیچے گری ہے۔ اس لئے خالق حلیم۔ قدیم۔ حکیم جل جلالہ نے اس شبہ کے دور کرنے کے واسطے عالم اسفل کی ترتیب جو بدن انسان ہے۔ اور عالم علوی کی ترتیب اس کے برخلاف کی ہے۔ اور اس کا بیان یہ ہے کہ آدمی کے ہر ایک اعضاء کو ایک خاص طبیعت والا پیدا کیا ہے۔ دل آگ کی بجائے ہے۔ مُنہ کی رطوبت پانی کی بجائے۔ سانس ہوا کی بجائے اور ہڈیاں خاک کی بجائے۔ اس لئے اللہ جلشانہ نے دل کو جو آگ کی طبع رکھتا ہے نیچے رکھا ہے۔ اور مُنہ کی رطوبت جو پانی کی بجائے ہے اُسکے اوپر رکھی ہے۔ اور اس کے اوپر سانس رکھا ہے جو ہوا کی بجائے ہے۔ اور سب کے اوپر ہڈیاں پیدا کی ہیں جو مٹی کی بجا ہیں۔ تاکہ جہان کے لوگوں کو معلوم ہو جائے۔ کہ اگر آگ بقول معترض بالطبع بلند ہوتی۔ تو ایسا ہونا چاہئے تھا۔ کہ دل تمام اعضاؤں کے اوپر ہوتا۔ اور ہڈیاں سب کے نیچے ہوتیں۔ اور جب ایسا ہوا ہے کہ ہڈیاں جو خاک کی طبیعت رکھتی ہیں۔ سب سے اُوپر پیدا کی ہیں اور دل جو آتشی طبع رکھتا ہے۔ سب سے نیچے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ کا سب سے اوپر ہونا اور مٹی کا سب سے نیچے ہونا۔ خالق عالم کی تقدیر سے ہے جو بزرگ اور بلند ہے۔ طبع اور خاصیت کے رو سے نہیں۔ اس لئے طبعی معترض کا قول ٹھیک نہیں باطل ہے۔ اور عالم علوی میں برجوں کی طبیعتوں کی ترتیب عنصروں کی ترتیب کے برخلاف کی ہے۔ اور بدن انسان کے اعضا کی ترتیب کے بھی برخلاف ہے۔ کیونکہ پہلے برج آتشی پیدا کیا ہے۔ اور وہ حمل ہے۔ اور اسکے بعد برج خاکی پیدا کیا ہے۔ اور وہ ثور ہے اور اس کے بعد ہوائی اور وہ جوزا ہے۔ اس کے بعد برج آبی پیدا کیا ہے اور وہ سرطان ہے۔ پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدن انسان میں ان عنصروں کی ترتیب ایک خاص مقررہ طریق پر ہے اور عالم سفلی میں دوسرے طریق پر ہے۔ اور عالم علوی میں ان دونو کے برخلاف اور ایسا ہونا اس پر قاطع دلیل ہے۔ کہ یہ مختلف ترتیبیں خدا کی قدرت اور اس کے ارادے کا نتیجہ ہے۔ طبیعت اور علت کا نتیجہ نہیں۔

فصل ۱۰

دلائل جو خالق عالم کے الٰہ ہونے پر دوسرے ستاروں سے قائم ہیں

قرآن مجید میں ستاروں کی پیدائش میں اللہ تعالےٰ نے کئی قسم کی حکمتیں بیان فرمائی ہیں۔

پہلی حکمت یہ ہے کہ ستارے آسمان کی زینت اور آرائش کا سبب ہیں۔ جیساکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَۃِ اِلْکَوَاکِبِ۔ تحقیق زینت دی ہم نے دُنیا کے آسمان کو ستاروں کی آرائش سے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آسمان کی سطح ان ستاروں سے بہت آراستہ ہے اور ان کی طرف دیکھنا دل کو بہت بھاتا ہے۔ اور ان کے عجائب احوال میں فکر کرنا اور سوچنا خدا کی کمال قدرت اور حکمت پر ظاہر دلیل ہے۔ جیساکہ فرمایا ہے اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کیا وہ آسمان اور زمین کی ملکوت کو نہیں دیکھتے۔ اور دُوسری جگہ فرمایا ہے اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا اِلَی السَّمَآءِ فَوْقَھُمْ کَیْفَ بَنَیْنٰھَا وَزَیَّنّٰھَا وَمَا لَھَا مِنْ فُرُوْجٍ کیا آسمان کی طرف جو ان کے سر پر ہے نہیں دیکھتے اور فکر نہیں کرتے۔ کہ ہم نے ان کو کس طرح بنایا اور کیونکر ان کو آراستہ کیا۔ اور ان میں کوئی چھید نہیں ہے +

دوسری حکمت ان ستاروں کے وجود میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان ستاروں کو شیطانوں کے سنگسار کرنے کا سبب بنایا ہے۔ جیساکہ فرمایا ہے وَحَفِظْنٰھَا مِنْ کُلِّ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ۔ نگاہ رکھا ہم نے اس کو ہر ایک شیطان سنگسار کئے گئے سے +

تیسری حکمت یہ ہے کہ جب آدمی سمندروں اور بڑے بڑے لمبے چوڑے جنگلوں میں راستہ بھول جاتے ہیں تو ان ستاروں کے ذریعہ سے پھر راستے کا پتہ لگا لیتے ہیں۔ جیساکہ فرمایا ہے۔ وَعَلٰمٰتٍ وَبِالنَّجْمِ ھُمْ یَھْتَدُوْنَ۔ اور علامتیں ہیں اور ستاروں کے ذریعے سے راستے معلوم کرتے ہیں +

چوتھی حکمت یہ ہے کہ دن میں تو آفتاب کی حرکتوں سے قبلہ معلوم کرتے ہیں۔ اور رات میں قطب کے ساکن ہونے سے قبلہ دریافت کرتے ہیں +

پانچویں حکمت یہ ہے۔ کہ ستارے نورانی اجسام ہیں۔ رات کے وقت جب آفتاب ڈوب جاتا ہے۔ اور سطح زمین سے اس کا نور منقطع ہو جاتا ہے۔ تو اس وقت ستاروں کے نکلنے سے کسی قدر روشنی ہو جاتی ہے۔ اور اگر رات کو روشنی نہ ہوتی۔ تو رات کی تاریکی خالص رہ جاتی۔ اور کوئی حیوان چل پھر نہ سکتا +

چھٹی حکمت یہ ہے کہ ستارے سب روشن ہیں۔ اور روشنی حرارت کا سبب ہے اس لئے ستاروں کے نکلنے اور ان کے نور کے ظاہر ہونے سے عالم میں حرارت پیدا ہو جاتی ہے اور برودت کی کثرت معدوم ہو جاتی ہے +

ساتویں حکمت یہ ہے کہ اگر ستارے نہ ہوتے تو دُنیا میں آفتاب کی تاثیر کے سوا دوسری کسی چیز سے حرارت پیدا نہ ہوتی۔ اس سبب سے اس صورت میں چار فصلوں کا احوال تمام سال میں یکساں رہتا۔ اور ایسا ہے نہیں مگر ستاروں کے باعث سے ایسا نہیں ہے ان ستاروں کے ہونے سے سال کے بعض فصلوں میں آفتاب یا تو ثابتہ ستاروں میں سے ایک کے نزدیک رہتا ہے۔ یا سیاروں میں سے کسی کے نزدیک رہتا ہے۔ اور اس قران کے سبب سے فصلوں کا احوال گرمی اور سردی میں مختلف رہتا ہے۔ اور یاد رکھنا چاہئے۔ کہ عقول بشری کو عالم علوی کے حالات سے بہت ہی تھوڑی واقفیت ہے جیسا کہ فرمایا ہے وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا۔ اور نہیں دیا گیا تم کو علم میں سے مگر بہت تھوڑا سا۔

فصل ۱۱

دلائل جو صانع کی کمال حکمت پر سایہ سے قائم ہوتی ہیں

اللہ تعالیٰ سورہ رعد میں فرماتا ہے وَلِلّٰہِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّکَرْھًا وَّظِلٰلُھُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ یعنے جو چیز آسمان اور زمین میں ہے۔ وہ طوعاً کرہاً خدا کو سجدہ کرتی ہے۔ اور اُن چیزوں کا سایہ بھی صبح اور شام خدا کو سجدہ کرتا ہے۔ اور سورۂ نحل میں فرمایا ہے اَوَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُہٗ عَنِ الْیَمِیْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰہِ۔ کیا نہیں دیکھتے کافر لوگ اُن چیزوں کو جن کو خدا تعالیٰ نے پیدا کیا ہے کہ ان کے سائے کبھی تو دائیں طرف اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے جُھک جاتے ہیں۔ کبھی بائیں طرف۔ اس تفسیر میں کہ اور سایہ خدا تعالیٰ کو سجدہ کرتا ہے۔ اس کے تفسیر میں دو قول ہیں۔ پہلا قول تو سایہ۔ کے ظاہری احوال کے موافق ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ سجدہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ زمین پر پیشانی رکھی جائے۔ اور سایہ بھی ایسا ہی دکھائی دیتا ہے۔ کہ گویا اُس نے زمین پر پیشانی رکھی ہوئی ہے۔ اس لئے سایہ سجدہ میں پڑا رہتا ہے۔ دوسرے قول کی بناء عقلی حقائق پر ہے اور وہ یہ ہے کہ واجب الوجود لذاتہ مطلق نور ہے۔ اور ممکن الوجود لذاتہ سایہ کی مثل ہے اور ممتنع الوجود لذاتہ بالکل تاریکی ہے۔ اس کی شرح یہ ہے۔ کہ واجب الوجود لذاتہ ایسی ہستی ہے کہ نیستی کا اطلاق اس پر محال ہے اور نور مراد ہے ہستی کے کمال حال سے اس لئے واجب الوجود مطلق نور ہی نور ہے۔ اور ممکن الوجود ہستی کو بھی قبول کرتا ہے۔ اور

نیستی کو بھی اس لئے وہ سایہ کی طرح اور سایہ مراد ہے۔ کمال روشنی اور کمال تاریکی کی درمیانی حالت سے۔ اور ممتنع الوجود بالکل تاریکی ہے کیونکہ وہ محض عدم ہے۔ اور اس نے وجود کو قبول نہیں کیا۔ جب یہ مقدمہ قائم ہوگیا۔ تو اب ہم کہتے ہیں کہ یہ بات ظاہر ہوگئی۔ کہ تمام ممکن چیزیں سایہ کی صفت رکھتی ہیں۔ اور واجب الوجود کے حکم کی مسخر اور فرمانبردار ہیں۔ کیونکہ اسی کے ایجاد کرنے یعنے پیدا کرنے سے موجود ہوئی ہیں۔ اور اُسی کے معدوم کرنے سے معدوم ہونگی۔ اور سجدہ کرنے سے اطاعت اور عاجزی اور سچی محبت کا ظاہر کرنا مقصود ہے پس سایہ کے سجدہ کرنے سے مقصود یہ ہے کہ تمام ممکن چیزیں واجب الوجود کی نیست اور ہست کرنے کی تاثیر کی مطیع و خاضع و منقاد ہیں یعنی واجب الوجود چاہے ان کو نیست کرے چاہے ہست۔ اُن کو کسی صورت میں بھی اُسکی اطاعت اور انقیاد سے چارہ نہیں۔ جیسا کہ فرمایا ہے اِنْ کُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں کوئی ایسی چیز نہیں جو رحمٰن کے غلاموں کی طرح فرمانبردار نہ ہو +

تیسرا مقالہ

انسان کی کیفیت اور اس سے حقتعالیٰ کی ہستی پر دلائل کی تفصیل

خدا تعالیٰ کی ہستی پر انسان کے احوال سے دلیل لینی یا تو اس کے جسم کے احوال سے ہوگی یا اسکے رُوح کے احوال سے۔ انسان کے جسم کا احوال تین قسم پر ہے۔ پہلی تو اصل سرشت سے انسان کی پیدائش کا احوال ہے۔ دوسری مفرد اعضاؤں کا حال تیسری مرکب اعضاؤں کا حال۔ اور رُوح کا حال دو قسم پر ہے۔ ایک تو انسانی رُوح کی معرفت ہے۔ دوسری انسانی قوتوں کی معرفت۔ اس لئے اس مقالہ کے پانچ باب کئے گئے ہیں +

باب ۱

صانع کی ہستی پر جو حکیم اور قدیم اور بلند اور پاک ہے۔ انسان کی پیدائش کے احوال سے دلیل قائم کرنے کے بیان میں اور اس باب کو پانچ فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے +

فصل ۱

انسان کے پیدا کرنے میں جو حکمت ہے اُسکے فائدے

علماء نے اس باب میں کئی قسم کی رائے ظاہر کی ہے۔ پہلی یہ ہے کہ مخلوقات کی چار قسمیں ہیں۔ پہلی یہ ساری کی ساری حکمت ہو اور شہوت اُس میں ذرہ بھر بھی نہ ہو۔ یہ تو فرشتوں کی صفت ہے۔ دوسری قسم ساری کی ساری شہوت ہے۔ اور حکمت اس میں کچھ بھی نہیں یہ بہائم یعنے انسان کے سوا دوسرے جانوروں کا خاصہ ہے۔ تیسری نہ حکمت ہے اور نہ شہوت۔ اور یہ جمادات اور نباتات کی صفت ہے۔ چوتھی وہ ہے جس میں حکمت بھی ہے اور شہوت بھی۔ یہ انسانوں کی صفت ہے۔ کیونکہ انسان میں حکمت اور عقل بھی ہے اور جہالت اور شہوت بھی۔ اگر عقل اور حکمت کی پیروی کرتا ہے تو فرشتوں میں شمار ہوتا ہے۔ اگر جہالت اور شہوت کی پیروی کرتا ہے۔ تو چوپایہ جانوروں اور دوسرے حیوانوں میں داخل ہو جاتا ہے۔ پروردگار کی کمال قدرت اور عنایت اور ارادہ کا تقاضا ایسا ہوا۔ کہ ممکنات کی قسموں میں سے کوئی قسم بھی اس کے بے شمار فضل اور بخشش سے محروم نہ رہے۔ اِس لئے جب پہلے تینوں قسمیں ممکنات کے اُس کی قدرت سے وجود میں آگئیں۔ تو لازم آیا۔ کہ چوتھی قسم بھی اس کی کمال مہربانی سے وجود میں آئے۔ تاکہ ممکنات کی کوئی قسم اُس کی بخشش سے خالی نہ رہے۔ جیسا کہ فرمایا وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْئٍ میری رحمت نے تمام چیزوں کو گھیر لیا ہے +

دوسری نوع اس طرح پر ہے کہ مخلوقات کی تین قسمیں ہیں یا تو سب روحانی ہوں یا سب جسمانی یا مرکب ہوں یعنے رُوح اور جسم سے۔ پہلی قسم جو بالکل رُوح ہیں۔ وہ فرشتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کی اُس آیت میں جو مریم علیہا السلام کے حق میں ہے۔ ان معنوں کا ذکر کرتا ہے۔ فرمایا ہے فَاَرْسَلْنَا اِلَیْھَا رُوْحَنَا پس بھیجا ہم نے اُس کی طرف اپنا رُوح۔ اور روح سے جبرئیل علیہ السلام مراد ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں فرمایا ہے۔ وَاَیَّدْنَاہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ۔ اور مدد دی ہم نے اُس کو رُوح قدس سے۔ یہاں بھی جبرئیل علیہ السلام سے مراد ہے۔ اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرمایا ہے نَزَلَ بِہِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ عَلٰی قَلْبِکَ۔ اُتارا اس کو رُوح امین نے تیرے دل پر۔ اور دوسری جگہ فرمایا ہے

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ اُترتے ہیں فرشتے ساتھ روح کے اُسکے حکم سے اور دوسری جگہ فرمایا ہے۔ یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ۔ وہ دن کہ جس میں روح اور فرشتے کھڑے ہونگے۔ پس اس سے ظاہر ہے۔ کہ فرشتے بالکل ارواح ہیں اور نورانی ہیں۔ علوی ہیں۔ قدسی ہیں۔ اور شہوت۔ غضب۔ نقصان کی صفتوں سے پاک ہیں۔ دوسری قسم وہ ہے جو بالکل جسمانی ہیں۔ وہ حیوان اور کانیں اور نبات ہے۔ تیسری قسم روحانی اور جسمانی دونوں چیزوں سے مرکب ہیں۔ اس کا جسم تو عالم خلق سے ہے۔ اور روح عالم امر سے ہے جیساکہ خداتعالیٰ نے فرمایا ہے اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ۔ خبردار وہی پیداکرنیوالا ہے اور وہی حاکم۔ اور فرمایا ہے فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ۔ پس جسوقت میں نے اس کو درست اور ٹھیک کیا اور پھونکی میں نے اس میں اپنی رُوح۔ اس میں سَوَّیْتُہٗ سے جسم کی طرف اِشارہ ہے اور نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ سے رُوح کی طرف اشارہ ہے۔ اور دوسری جگہ میں فرمایا ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ۔ اور تحقیق پیدا کیا ہم نے انسان کو برگزیدہ مٹی سے۔ اور خداتعالیٰ نے پیدائش کی ترتیب کے چھ مرتبے یاد فرمائے ہیں۔ پہلا سلالہ۔ دوسرا نطفہ تیسرا علقہ۔ چوتھا مُضغہ۔ پانچواں عظام یعنے ہڈیاں۔ چھٹا لحم یعنے گوشت۔ اور یہ چھیوں مرتبے جسم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے بعد ساتویں مرتبے کا ذکر کیا ہے۔ فرمایا ہے ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ۔ پھر ہم نے اس کو ایک دوسری خلقت میں پیدا کیا۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔ پس بزرگ ہے اللہ جو سب پیدا کرنے والوں سے بہت اچھا پیدا کرنے والا ہے۔ اس میں خداوندتعالیٰ نے اپنے آپ کی تعریف کی ہے۔ کیونکہ جان اور تن میں ترکیب دینی ایک عجیب کام ہے۔ رُوح نور ہے اور جسم ظلمانی یعنے سایہ اور تاریکی ہے۔ اور رُوح علوی ہے اور جسم سفلی۔ اور رُوح لطیف ہے اور جسم کثیف۔ اور رح کو خوشی خدا کی معرفت سے اور سرور خدا کی محبت سے اور اُس کا اُنس خدا کے ذکر کے ساتھ اور اس کا رجوع حضرت حق کی طرف سے ہوتا ہے۔ اور جسم کو محسوسات سے لذت ہوتی ہے۔ اُس کا اُنس مشتہات کے ساتھ ہوتا ہے۔ اِس سے ظاہر ہے کہ رُوح کے تمام احوال جسم کے حالات کے برخلاف ہیں۔ اس لئے جسم اور روح کے درمیان ترکیب دینی محال ہے۔ اور جب اس ترکیب کا وجود ہے تو یہ خدا کی کمال قدرت اور حکمت پر دلیل ہے +

تیسری یہ ہے کہ مخلوقات کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی محض کامل کہ کسی قسم کے نقصان کو اس کی طرف راستہ نہیں جیسا کہ فرشتے ہیں۔ ان کی معرفت شبہ سے پاک اور ان کی عبودیت گناہ سے خالی ہوتی ہے۔ اور خدا کا خوف ہمیشہ ان کے حال کو لازم رہتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے یَخَافُوْنَ رَبَّھُمْ مِّنْ فَوْقِھِمْ۔ یعنے اپنے رب سے جو ان کے اوپر ہے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور فرمایا ہے یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ۔ رات اور دن خدا کی تسبیح پڑھتے ہیں اور ان کی پاکدامنی گناہوں سے آلودہ نہیں ہوتی۔ کیونکہ فرمایا ہے۔ لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ۔ جو کچھ اللہ نے ان کو امر کیا ہے اُس کی نافرمانی نہیں کرتے۔ ان کی عادت میں شہوت غضب اور غفلت کی آمیزش نہیں ہوتی۔ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِہٖ اور اُس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے۔ دوسری قسم ناقص وجود ہیں۔ کہ اُن میں کمال کو دخل نہیں جیسے کہ چوپایہ جانور اور جمادات اور نباتات ہیں۔ اور جب عقلی تقسیم میں یہ دونوں قسمیں موجود ہو گئیں۔ تو تیسری قسم انسان پیدا ہوئی کہ کبھی کامل ہو اور کبھی ناقص۔ کبھی تو اس مقام میں فرشتوں کے ہم صحبت ہو وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ اور ہم تیرے حمد کی تسبیح پڑھتے ہیں اور تجھے پاکی سے یاد کرتے ہیں۔ اور کبھی اس مقام میں پہنچکر فرشتوں سے بھی گذر جائیں۔ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا۔ اور کبھی طبیعت کی ناپاکی اور گندگی میں ملوث ہو کر چوپایہ جانوروں سے بھی نیچے گر جائیں۔ جیسا کہ فرمایا ہے۔ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ وہ مثل چوپایہ جانوروں کے ہیں۔ بلکہ اُن سے بھی زیادہ گمراہ۔ اور یہ انسان کی صفت ہے اور اس کو بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ اگرچہ فرشتوں کا حال ایسا ہی ہے جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔ لیکن دلیل اور قرآن سے ثابت ہوا ہے کہ فرشتوں میں سے ہر ایک فرشتہ کے لیئے مقام مقرر ہے۔ اور وہ اس مقام سے کبھی آگے نہیں بڑھ سکتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَہٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ۔ اور ہم میں سے ہر ایک کے واسطے مقام معلوم اور مقرر ہے۔ اور جب ان کے کمال کے درجے متغیر نہیں ہوتے تو شوق کی صفت ان کو لاحق نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ شوق کی صفت کا حاصل ہونا دو چیزوں سے مشروط ہے ایک تو یہ کہ حاصل نہ ہوتا۔ اور دوسرا یہ کہ ممکن الحصول ہو۔ اور یہ دونوں صفتیں ایسی چیز کو لاحق ہوتی ہیں جو تغیر کا محل ہو۔ اور فرشتوں کی طاعت اور عبودیت اور محبت اور معرفت میں تغیر کا ہونا ممکن نہیں۔ اس لئے ان کو شوق کی صفت بھی لاحق نہیں ہوتی لیکن آدمی کمال

اور نقصان کو قبول کرتا ہے۔ اِس لئے وہ محلِ تغیر ہے اور جب محلِ تغیر ہے تو محلِ شوق بھی ہے۔ پس اگر شوقِ معصیت یعنے گناہ اور ممنوعات میں ہو۔ تو اس وقت یہ کہتا ہے رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا اے رب ہمارے ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے۔ اور اگر علم میں ہو تو یہ کہتا ہے۔ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا۔ اے رب زیادہ کر مجھے از روے علم کے۔ اور اگر طاعت میں ہو تو پھر یہ کہتا ہے۔ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ۔ اور داخل کر مجھ کو اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں۔ پس انسان کے پیدا کرنے میں یہ حکمت تھی کہ اس کو یہ صفت حاصل ہو۔ کہ خدا تعالیٰ کے ساتھ اس کو شوق اور محبت ہو۔ اور اللہ تعالےٰ نے جو اس آیت میں اپنی امانت کا ذکر کیا ہے۔ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اس قول تک کہ وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ تحقیق پیش کیا۔ ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں وغیرہ پر۔ کسی نے اس کو برداشت نہ کیا مگر انسان نے اُس کو اُٹھا لیا۔ کچھ بعید نہیں کہ اس امانت سے مقصود خدا کے ساتھ شوق کا ہونا ہی ہو جو اوپر مذکور ہوا ہے +

فصل ۲

انسان کی بزرگی

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ۔ اور تحقیق شرف اور بزرگی دی ہم نے بنی آدم کو اس کرامت کی تفسیر میں علما نے بہت سے قول بیان کئے ہیں۔ پہلا قول یہ ہے۔ کہ اس کرامت سے مراد انسان کی بے مانند اور عمدہ صورت ہے۔ اور دوسری آیتوں میں ان معنوں کا ذکر کیا ہے۔ فرمایا ہے وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ۔ اور تم کو صورت دی اور تمہاری صورتوں کو خوبصورت بنایا۔ اور دوسری جگہ فرمایا ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ۔ تحقیق پیدا کیا ہم نے انسان کو اچھی ڈھانچ میں۔ اور دوسری جگہ ارشاد کیا ہے صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً۔ لازم پکڑو اللہ کی رنگت کو اللہ سے اچھا رنگنے میں۔ کون ہے +

دوسرا قول اس کرامت میں یہ ہے کہ اللہ نے انسان کا قد سیدھا بنایا ہے۔ اور اس کے سر کو تمام اعضاؤں سے اونچا اور بلند پیدا کیا۔ اور اسے جو اس کا چہرہ بنایا ہے۔ اس کو عقل دیا۔ فکر دیا۔ نطق دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کے درجہ اور مرتبہ کی بلندی

علم ہے ہو اسکے سوا نہیں کیونکہ سر بدن کے تمام اعضاؤں سے اِسی واسطے بلند ہوا ہو کہ وہ علم کا محل ہے۔

تیسرا قول یہ ہے ۔ کہ اس کرامت سے مطلب یہ ہے کہ اگر انسان چاہتا ہے تو کھڑا ہو جاتا ہے ۔ اور اگر چاہتا ہے تو بیٹھ جاتا ہے ۔ اور اگر سونا چاہتا ہے تو سو جاتا ہے ۔ اور یاد رکھنا چاہئے کہ اجسام چار قسم پر ہیں ۔ ایک تو وہ ہیں جو پاؤں کے بل کھڑے ہیں جیسے نباتات اور درخت ہیں ۔ دوسرے وہ ہیں جو رکوع کرنے والوں کی طرح رہتے ہیں جیسے چوپایہ جانور ہیں تیسرے وہ ہیں جو سجدہ کرنے والوں کی طرح دکھائی دیتے ہیں ۔ چوتھے وہ ہیں جو اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے اور ثابت قدم ہیں جیسا کہ پہاڑ ہیں ۔ اور ان کی پیدائش کے بعد حق تعالیٰ نے سب چیزوں سے خبر دی ہے ۔ کہ یہ تمام میری تسبیح اور پاکی بیان کرنے میں مشغول ہیں ۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ ۔ یعنے ہر ایک چیز اللہ کی حمد کی تسبیح پڑھتی ہے ۔ پس آدمی کو اللہ تعالیٰ نے ایسا پیدا کیا ہے ۔ کہ وہ کبھی کھڑا ہو جاتا ہے کبھی رکوع کرنے لگ جاتا ہے ۔ کبھی سجدہ میں پڑ جاتا ہے اور کبھی بیٹھ رہتا ہے ۔ نماز میں انسان کو ان چار حالتوں سے ہی یاد کیا ہے تاکہ نماز کی دو رکعتوں کے ادا کرنے میں باقی تمام مخلوقات کے برابر ہو جائے ۔ اور سب کو جو مرتبہ حاصل ہے وہ اس ایک میں جمع ہو +

چوتھے قول میں کرامت سے یہ مراد لی ہے ۔ کہ خدا نے آدمی کو پانی اور مٹی سے پیدا کیا ہے جیسا کہ فرمایا ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ اور تحقیق پیدا کیا ہم نے انسان کو برگزیدہ مٹی سے پس خاک اور پانی دونوں کو پاک اور پاک کرنے والا پیدا کیا ہے ۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ پانی کے حق میں خدا نے فرمایا ہے وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَہُوْرًا اور نازل کیا ہم نے آسمان سے پاک پانی اور مٹی کے حق میں فرمایا ہے فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا پس تیمم کرو پاک مٹی سے ۔ اور جب آدمی کا اصل پانی اور خاک ہے ۔ اور یہ دونوں پاک اور پاک کرنے والی چیزیں ہیں تو انسان اگرچہ بہت ہی گناہ کرے ایک دفعہ یہ کہدے ۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا ۔ اے ہمارے رب ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے ۔ تو اس کے سب گناہ دور ہو جاتے ہیں اور اصلی پاکی کی طرف لوٹ جاتا ہے ۔ اور شیطان کا اصل آگ تھی ۔ اور شافعی مذہب میں آگ پاک کرنے والی چیز نہیں ۔ اور جب پلیدی گناہ ٹھیری ہے ۔ تو یہ بدستور پلیدی پر باقی رہتا ہے ۔ اور کبھی پاک نہیں ہوتا +

پانچواں قول کرامت میں اس طرح پر ہے کہ آدمی تو ہاتھ سے طعام اٹھا کر منہ میں ڈالتا ہے۔ اور دوسرے حیوان منہ سے گھاس وغیرہ کھاتے ہیں۔ اور ان معنوں میں دو طرح کی کرامتیں موجود ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ کھانا شہوت کی خدمت کرنی ہے۔ پس جو حیوان کھانے کے واسطے سر جھکاتا ہے۔ اس کا سر اسکی شہوت کا خدمتگار ہوتا ہے۔ اور انسان کا سر عقل اور فکر کا محل ہے اس لئے اسکے سر کے واسطے دوسرا خدمتگار ٹھیرایا ہے۔ تاکہ ہاتھ سے لقمہ اٹھا کر منہ میں ڈالے۔ اور سر جو عقل کا مقام ہے۔ اس کا مخدوم ہو۔ اور دوسرے اعضا اس کے خدمتگار رہوں۔ اور آدمی کے سوا دوسرے حیوانوں کا سر عقل اور فکر سے خالی ہوتا ہے۔ اس واسطے اس کے سر کو شہوت کا خدمتگار بنا دیا ہے کیونکہ جب سر نہیں جھکاتا۔ گھاس نہیں کھاسکتا پس اس سے ظاہر ہے کہ جو علم زیادہ رکھتا ہے۔ وہ مخدومی کے زیادہ لائق ہوتا ہے۔ اس باب میں ایک اور دقیقہ بھی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ گویا خداوند تعالے فرماتا ہے اور یہ تعلیم دیتا ہے۔ کہ میں نے تم کو اس طرح پر پیدا کیا ہے کہ تجھے طعام کھانے کے واسطے سر جھکانا نہیں پڑتا۔ اس لئے جہالت سے طعام کی تلاش میں بھی مخلوق کے آگے سر نہ جھکا۔ دوسری یہ ہے کہ جب کوئی چوپایہ منہ میں گھاس پکڑتا ہے تو وہ نجاستوں اور ناپاک چیزوں سے آلودہ ہوتا ہے لیکن آدمی کا ایسا حال نہیں۔ وہ اپنے طعام کو اپنے ہاتھ سے پاک کر لیتا ہے۔ اور اس میں یہ دقیقہ ہے کہ رحمت الٰہی نے اس کو روا نہیں رکھا۔ کہ انسان کا طعام نجاستوں سے آلودہ ہو۔ اسلئے اسکو ہاتھ دیتے ہیں تاکہ اپنے طعام کو آپ پاک کر لے۔ پس دانا آدمی کو چاہیئے۔ کہ وہ اپنے روح کی غذا کو جو معرفت اور محبت ہے شبہ اور شہوت کی ناپاکیوں سے پاک رکھے +

چھٹے قول میں کہتے ہیں کہ کرامت سے مطلب یہ ہے کہ انسان کو عقل سے بزرگی دی گئی ہے۔ اور عقل کی فضیلت پر دلیل یہ ہے کہ رسول صلعم نے فرمایا ہے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ تَعَالیٰ اَلْعَقْلُ۔ جو چیز کہ خدا نے سب سے اول پیدا کی ہے وہ عقل ہے۔ اور اس کے بعد فرمایا ہے وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ مَا خَلَقْتُ خَلْقًا اَکْرَمَ عَلَیَّ مِنْکَ۔ مجھے اپنی عزت اور اپنے جلال کی قسم ہے۔ کہ میں نے ایسی کوئی چیز پیدا نہیں کی جو میرے نزدیک تجھ سے زیادہ بزرگ ہو +

ساتواں قول کرامت کے باب میں یہ ہے۔ کہ جو چیزیں آدمی کے سوا ہیں۔ وہ سب آدمی کے واسطے پیدا کی گئی ہیں۔ اور آدمی کو خاص بندگی کے واسطے پیدا کیا ہے۔ اس پر دلیل یہ

ہے۔ کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔ جو کچھ زمین میں ہے وہ سب تمہارے واسطے پیدا کیا ہے۔ اور فرمایا ہے وَسَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور مطیع اور فرمانبردار بنایا ہے تمہارے واسطے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔ اور فرمایا ہے جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا۔ زمین کو تمہارے واسطے فرش بنایا ہے اور فرمایا ہے وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا۔ اور بنایا ہم نے آسمانوں کو آدمی کے واسطے محفوظ سقف۔ اور فرمایا ہے اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ۔ سورج کو اذان اور نماز کے وقتوں کے واسطے بنایا ہے۔ اور فرمایا ہے قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ۔ کہہ یہ انسان اور حج کے واسطے وقت ہیں یعنے چاند کو بھی اس واسطے بنایا ہے۔ کہ آدمی نماز روزہ کا وقت پہچان لے۔ اور فرمایا ہے۔ وَعَلٰمٰتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ یَهْتَدُوْنَ یعنے ستاروں کو بھی اس واسطے پیدا کیا ہے کہ وہ انسان کو راستہ دکھلائیں۔ اور فرمایا ہے۔ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَکُمْ فِیْهَا دِفْءٌ اور چوپایہ جانوروں کو پیدا کیا ہے۔ اُن میں تمہارے واسطے طعام ہے۔ اور کپڑا اور فرمایا ہے وَالْخَیْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِیْرَ لِتَرْکَبُوْهَا وَزِیْنَةً اور تمہارے واسطے گھوڑے اور خچریں اور گدھے پیدا کئے تاکہ اُن پر سواری کرو۔ اور یہ تمہارے واسطے زینت اور آرایش ہے۔ اور فرمایا ہے کُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَکُمْ۔ یعنے طرح طرح کی نباتات بھی آدمی کے واسطے پیدا کی ہے۔ کھاؤ اور اپنے چوپاؤں کو بھی کھلاؤ۔ اور فرمایا ہے وَاٰتٰکُمْ مِّنْ کُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ۔ اور جو کچھ تم نے مانگا وہ تم کو دیا۔ وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ۔ اور تمہارے رب نے کہا ہے۔ مجھ سے دُعا مانگو اور جو دُعا کروگے میں اسکو قبول کرونگا۔ اور فرمایا ہے۔ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ اور بہشت عدن جسکی چوڑائی آسمانوں اور زمینوں جتنی ہے پرہیزگاروں کے واسطے تیار کیا گیا ہے۔ اور یہ سب چیزیں تو آدمی کے واسطے پیدا کی ہیں۔ اور آدمی کو اپنی خاص خدمت کے واسطے پیدا کیا ہے جیسا کہ فرمایا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔ اور نہیں پیدا کیا میں نے جنوں اور انسانوں کو مگر اس واسطے کہ وہ میری عبادت کریں۔ یعنے آدمیوں اور جنوں کو اپنی عبادت کے واسطے پیدا کیا ہے۔ اور اسکے بعد فرمایا ہے۔ اگر تو خدمت نہ کرے یعنے فرمانبرداری اور اطاعت نہ کرے بلکہ معصیت میں مشغول ہو جائے۔ اور پھر میری طرف آئے۔ تو میں تیرے تمام گناہ بخش دونگا۔ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا۔ تحقیق اللہ تعالے چھوٹے موٹے سب گناہ بخشدیگا۔

اور ان معنوں کے معلوم ہونے سے ظاہر ہوتا ہے کہ آدمی کے حق میں خدا تعالے کی کرامتیں بے انتہا ہیں۔ جیسا کہ فرمایا ہے اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرو۔ تو ان کا شمار نہیں کر سکو گے +

آٹھواں قول کرامت میں یہ ہے کہ آدمی کی زبان کو تو اپنی کبریائی کی تعریف کی بزرگی عطا کی ہے۔ اور اس کے دل کو اپنی معرفت اور محبت سے آراستہ کیا ہے۔ اور آدمی کے ظاہری اور باطنی اعضاؤں کو طرح طرح کی اطاعتوں اور مہربانیوں سے زینت دی ہے۔ اس واسطے مناسب یہ ہے کہ انسان کی زبان خدا کے ذکر میں مشغول رہے۔ کیونکہ فرمایا ہے اُذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ تم مجھے یاد کرو گے تو میں تم کو یاد کرونگا۔ اور انسان کا دل خدا کی معرفت اور محبت میں ڈوبا رہے کیونکہ ارشاد کیا ہے يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ۔ اور آدمی کے ظاہری باطنی اعضا خدا کی عبودیت اور بندگی میں محو رہیں۔ فرمایا ہے اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ یعنے خدا کی محبت اور اسکی معرفت کے سمندر میں غرق ہونے والے وہ لوگ ہیں۔ جو کھڑے ہو کر خدا کا ذکر کرتے ہیں بیٹھ کر خدا کا ذکر کرتے ہیں۔ لیٹے ہوئے خدا کی درگاہ میں حاضر رہتے ہیں۔ اور اس کا ذکر کرتے ہیں +

نانواں قول اس کرامت میں یہ ہے کہ ہمارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو علم کے باعث فرشتوں پر خدا تعالیٰ نے فضیلت اور بزرگی دی ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے۔ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ۔ کہا اے آدم آگاہ کر ان کو اُنکے ناموں سے۔ اور آدم کو سب فرشتوں کا مسجود بنایا ہے جیسا کہ ارشاد کیا ہے اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ۔ آدم کو سجدہ کرو۔ اور شیطان کو حضرت آدم کی عزت کے واسطے ہی بہشت سے نکالدیا جیسا کہ حکم دیا۔ اُخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ۔ تو بہشت میں سے نکل جا پس تحقیق تو سنگسار کیا گیا ہے۔ اور اس کے بعد لعنت کے پتھر سے شیطان کو سنگسار کیا جیسا کہ فرمایا ہے وَاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ اور تحقیق قیامت کے دن تک تجھ پر میری لعنت ہے۔ اور جب آدم سے گناہ صادر ہوا۔ اور توبہ کی تو اپنی رحمت سے توبہ کو قبول فرمایا ہے۔ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔ پس اللہ نے رجوع کیا اُس پر۔ بیشک اللہ توبہ کو قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔ اور اس کے بعد اُن کے سر پر برگزیدگی کا تاج رکھدیا۔ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ کر لیا آدم کو۔ اور یہ ظاہر ہے کہ جو کرامت باپ کو نصیب ہوتی ہے۔ بیٹے کو بھی اُس سے پورا اور کامل حصہ

پہنچتا ہے +

دسواں قول کرامت میں یہ ہے کہ اللہ نے جو پیغمبر لوگوں کی طرف بھیجا ہے۔ وہ ان کی جنس سے ہی بھیجا ہے۔ فرمایا ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ ۔ اور نہیں بھیجا ہم نے رسولوں میں سے کوئی رسول مگر اُسی قوم کی زبان کے ساتھ بھیجا۔ اور لوگوں پر انکی جنس سے ہی رسول کا بھیجنا ان پر بڑی مہربانی اور شفقت کا باعث ہے +

گیارھواں قول اس کرامت سے مقصود یہ ہے کہ خدا نے آدمی کو خط لکھنا سکھلایا ہے۔ فرمایا ہے عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۔ سکھلائی کتابت اور اس میں یہ حکمت ہے کہ ایک آدمی میں اسقدر طاقت نہیں ہوتی۔ کہ وہ اکیلا سارا علم حاصل کرلے۔ اس لئے لوگوں میں سے ہر ایک شخص کسی قدر علم حاصل کرتا ہے اور اس کو لکھ لیتا ہے۔ پھر جو لوگ ان کے بعد آتے ہیں۔ اس کو پورا کرتے ہیں۔ اور اس طریق سے علم مکمل اور بحثیں پوری ہو جاتی ہیں +

بارھواں قول کرامت میں یہ ہے کہ خدا نے انسان کو سخن کہنے پر قادر بنایا ہے اور اس کو بیان کرنے اور فصاحت کی طاقت دی ہے جیساکہ فرمایا ہے خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۔ انسان کو پیدا کیا اور بیان سکھلایا۔ بلکہ سخن کو رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا معجزہ بنایا ہے۔ فرمایا ہے فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۔ ایک سورۃ لاؤ جو قرآن مجید کی عبارت سے مشابہ ہو۔ اور رسول صلعم نے فرمایا ہے اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا ۔ اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ بیان جادو ہے +

تیرھواں قول کرامت میں یہ ہے کہ انسان کی روزی لذیذ طعاموں سے بنائی ہے دودھ کے حق میں فرمایا ہے مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۔ اور انگبین کے حق میں فرمایا ہے يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ نکلتا ہے۔ ان کے بطنوں میں سے پینے کی چیز کہ اُس کے رنگ مختلف ہیں۔ اور آدمیوں کے واسطے اُس میں شفا اور تندرستی ہے۔ پس تمام طیب چیزوں کو خدا نے حلال بنایا ہے اور فرمایا ہے قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ ۔ کہہ کس نے حرام کیا اللہ کی زینت کو جیسے اس نے اپنے بندوں کے واسطے پیدا کیا ہے۔ اور دوسری جگہ ارشاد کیا ہے اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۔ حلال کی گئی ہیں تمہارے واسطے طیب چیزیں۔ اس مقام میں ایک نکتہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آدمی کو لذیذ طعام کا محتاج بنایا ہے۔ اور اُسکے دل میں چیزوں کی خواہشیں

بھی پیدا کردی ہیں تاکہ انسان سخت حاجت کے باوجود اُن لذیذ طعاموں کو خدا کی رضامندی کے واسطے ایثار کرے " یعنے باوجود خود محتاج ہونے کے دوسرے کو دیدے - فرمایا ہے وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا - اور کھلاتے ہیں طعام اس کی خوشنودی کے لئے مسکینوں اور یتیموں اور اسیروں کو - اور دوسری جگہ فرمایا ہے وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ " اور ایثار کرتے ہیں اپنے نفسوں پر اگرچہ اُن کو خود حاجت ہو اور اس بخشش کو ابدی ثواب اور ہمیشہ کی نعمت کا سبب ٹھیرایا ہے - فرمایا ہے مَا عِندَكُمْ يَنفَدُ ۖ وَمَا عِندَ اللَّهِ بَاقٍ +

چودھواں قول کرامت میں یہ ہے کہ جس قدر خدا نے انسان پر تکلیف کا بوجھ رکھا ہے اُس قدر اور کسی مخلوق پر نہیں رکھا - جیسا کہ فرمایا ہے إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَن يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ تحقیق پیش کیا ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں پر پس اُنہوں نے اس کا بوجھ اُٹھانے سے انکار کیا - اور اس سے عاجز آگئے اور اُٹھالیا اس کو انسان نے - اور ظاہر ہے کہ جب بادشاہ کے بندے بہت ہوتے ہیں - اور اُن میں سے ایک کو حکم دیتا ہے کہ تو میری فلاں خاص خدمت میں مشغول رہ - تو ضرور ہے کہ اسکو دوسرے بندوں پر فضیلت اور بزرگی دیتا ہے +

پندرھواں قول یہ ہے کہ امیر المومنین فرماتے ہیں - اس کرامت سے مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب کی دعوت کی ہے - اور ان کو بہشت میں بُلایا ہے وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَىٰ دَارِ السَّلَامِ - اور اللہ سب کو بہشت کی طرف بلاتا ہے - اور دعوت کرنے کے بعد اپنا دیدار دکھلانے کا وعدہ کیا ہے - لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ " جن لوگوں نے نیکی کی - ان کے واسطے نیکی ہے اور زیادہ بھی +

فصل - ۳

آدم علیہ السلام کی پیدایش

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی پیدائش کو قرآن مجید میں دس نوع پر بیان کیا ہے :-

پہلی نوع یہ ہے کہ اللہ نے ارشاد کیا ہے آدم کو میں نے خاک سے پیدا کیا - إِنَّ

مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ تحقیق عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ کے نزدیک ایسی ہی ہے جیسی آدم کی۔ کہ اللہ نے ان کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔ اور ابلیس نے اس پر خدا کی لعنت ہو یہ کہا کہ میں آدم سے بہتر ہوں۔ کیونکہ میری اصل آگ سے ہے اور آدم کی اصل مٹی سے ہے۔ اور آگ مٹی سے بہتر ہے۔ اس لئے میں آدم سے بہتر ہوں۔ اور علمائے نے اس باب میں بہت سی دلیلیں بیان کی ہیں۔ کہ آگ سے مٹی بہتر ہے + پہلی دلیل یہ ہے۔ کہ خاک متواضع ہے اور آگ متکبر ہے اور جو متواضع یعنے تواضع کرنے والا ہوتا ہے۔ وہ تکبر کرنیوالے سے قطعاً بہتر ہے۔ اور آدم علیہ السلام نے جو تواضع کی ہے۔ اس کا یہی سبب ہے۔ کہ وہ خاکی سرشت تھا۔ فرمایا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا۔ ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ اور شیطان نے اسواسطے تکبر کیا ہے کہ وہ آگ سے تھا۔ ابلیس نے یہ کہا۔ اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ۔ میں اُس سے اچھا ہوں + دوسری دلیل یہ ہے کہ مٹی اگرچہ تاریک ہے لیکن بہ عیب پوش ہے۔ اور آگ اگرچہ روشن ہے لیکن عیبوں کی پردہ دری کرنے والی ہے۔ اور پردہ دری کرنے والی چیز سے پردہ پوش چیز بہتر ہوتی ہے + تیسری دلیل یہ ہے کہ مٹی آگ کو بجھا دیتی ہے۔ اور آگ مٹی میں کچھ عمل نہیں کرسکتی۔ اور اس سبب سے آدم کی دولت نے ابلیس کو باطل کردیا۔ اور شیطان کا وسوسہ آدم کی صفت کو باطل نہ کرسکا + چوتھی دلیل یہ ہے کہ عالم کے پیدا کرنے والے نے ارادہ کیا۔ کہ مخلوقات کی پیدائش میں اپنی کمال قدرت کو ظاہر کرے۔ اس لئے آدم کو تاریک مٹی سے پیدا کیا۔ اور اس میں معرفت کا نور بھر دیا ہے تاکہ تاریکی جاتی رہے اور روشن ہو جائے۔ اور شیطان کو روشن آگ سے پیدا کیا۔ اور اس میں کفر کی تاریکی ڈال دی تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے۔ کہ روشن یا تاریک جو کچھ ہے خدا کے ارادے اور اسکی قدرت کا عطیہ ہی ہے مخلوق کی خاصیت اور طبیعت سے نہیں + پانچویں دلیل یہ ہے مٹی زیادتی اور فائدہ کا سبب ہے اگر اس میں ایک دانہ ڈالے۔ تو ایک کی بجائے ستر دانے واپس دیتی ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے کَمَثَلِ حَبَّۃٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِیْ کُلِّ سُنْبُلَۃٍ مِّائَۃُ حَبَّۃٍ مثل ایک دانہ کے کہ اُس سے سات خوشے نکلتے ہیں۔ اور ہر ایک خوشہ میں سو دانہ ہوتا ہے۔ اور آگ نقصان کا سبب ہے کیونکہ جو چیز تو آگ میں ڈالیگا۔ وہ جل جائیگی۔ اور باطل ہو جائیگی۔ اور زیادتی نقصان سے بہتر ہے۔ اس لئے مٹی آگ سے بہتر ہے + چھٹی دلیل یہ ہے کہ مٹی صاحب امانت ہے۔ فرمایا ہے وَالْبَلَدُ الطَّیِّبُ یَخْرُجُ نَبَاتُہٗ بِاِذْنِ رَبِّہٖ۔ اور گاؤں طیب اُگتی ہے نبات اسکی اُس کے رب کے اذن سے

اور آگ صاحب خیانت ہے کیونکہ جو کچھ اُس کو دے یعنے اُس میں ڈالے اسکو کھا جاتی ہے
اور امانت خیانت سے بہتر ہوتی ہے۔ اس لئے مٹی آگ سے بہتر ہے + ساتویں دلیل یہ ہے
کہ پانی پاک ہے۔ اور دوسری چیز کو بھی پاک کرنے والا ہے۔ فرمایا ہے وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ
مَاءً طَهُوْرًا یعنے نازل کیا ہم نے آسمان سے پانی طہور یعنے جو خود بھی پاک ہے اور پاک کرنیوالا
بھی ہے۔ مٹی بھی پاک ہے اور پاک کرنے والی بھی ہے فَاِنْ لَمْ تَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا
طَيِّبًا۔ اور اگر تم پانی نہ پاؤ۔ تو تیمم کرو پاک مٹی سے۔ اور آگ کا یہ حال نہیں۔ اور اسی واسطے جب
کوئی پلید جسم جلجاتا ہے تو وہ بقول شافعی پاک نہیں ہوتا۔ اس لئے مٹی آگ سے بہتر ہے +
آٹھویں دلیل یہ ہے کہ آگ کی صفت یہ ہے کہ اس کا نور نیچے ہوتا ہے۔ اور اُس کا دھواں اوپر
ہوتا ہے۔ اور مٹی کی صفت یہ ہے کہ اُسکی کثافت نیچے ہوتی ہے۔ اور اُسکی لطافت اوپر۔ اور
تو یہ نظیر نہیں دیکھتا۔ کہ درخت کی جڑ جو بے سود ہوتی ہے۔ وہ زمین کے اندر ہوتی ہے۔
اور اسکی شاخ اور پھل اور پتے جو فائدہ مند ہیں زمین کے اوپر ہوتے ہیں۔ اس لئے مٹی
آگ سے بہتر ہونی چاہئے۔ نانویں دلیل یہ ہے۔ کہ آگ اگرچہ صورت میں اچھی ہے۔ لیکن
سیرت میں خراب ہے کیا تو یہ نہیں دیکھتا۔ کہ اگر اُنگلی کا سرا آگ میں پڑجائے۔ تو انسان درد
سے بیقرار ہوجاتا ہے۔ پس آگ تو منافق آدمی کی مانند ہوتی ہے یا فاحشہ اور بدکار عورت
سے مشابہ ہوتی ہے۔ اور مٹی کا یہ حال نہیں۔ خاک اگرچہ بدصورت ہوتی ہے لیکن اس
کی سیرت اچھی ہے۔ کیونکہ مُردہ اور زندہ آدمی کے واسطے جو چیزیں درکار ہوتی ہیں۔ وہ
سب خاک سے حاصل ہوتی ہیں۔ اور یہ مسلم بات ہے۔ کہ صورت کی خوبی سے سیرت
کی خوبی بہتر ہوتی ہے۔ اس لئے مٹی فضیلت میں آگ سے بڑھی ہوئی ہے + دسویں دلیل
یہ ہے۔ کہ آگ گو روشن ہے مگر اس کا فرزند تاریک ہے یعنے اُس کا اثر تاریکی بخشتا ہے۔
کیونکہ جس چیز میں آگ اثر کرتی ہے وہ سیاہ ہو جاتی ہے۔ اور مٹی صورت میں تاریک
ہے۔ مگر اس کا فرزند بہت ہی خوبصورت ہوتا ہے کیونکہ کانی۔ نباتاتی۔ حیوانی ہزاروں
انواع کی پیدائش خاک ہی سے ہے جو خوبی میں انتہا درجہ پر ہیں۔ پس اس بیان سے ثابت
ہوتا ہے کہ خاک آگ سے بہتر ہے + گیارھویں دلیل یہ ہے کہ عالم سفلی کی نہایت کرہ خاک
ہے اور عالم علوی کی نہایت فلک اقصیٰ ہے۔ پس خاک جسمانی عالم کے کرہ کے رکنوں میں سے
ایک رکن ہے۔ اور آگ نہ علو یعنی بلندی کی غایت ہے اور نہ عالم سفلی کی۔ اس لئے یہ ارکان عالم یعنی

اور مٹی ارکان میں سے ہے۔ اس لئے خاک آگ سے بہتر ہے۔ بارھویں دلیل یہ ہے۔ آگ غذا بہت کھاتی ہے اور جلدی مرجاتی ہے۔ اور زمین غذا نہیں کھاتی۔ بلکہ سب کھانے والوں کو غذا دیتی ہے اور مرتی نہیں۔ پس آگ تو بہت کھانے والے بے فائدہ آدمی کی مانند ہے اور زمین بہت فائدہ دینے والے بے ضرر آدمی کی مانند ہے۔ اس لئے زمین آگ سے بہتر ہے۔ تیرھویں دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ وَ مَنْ تَکَبَّرَ وَضَعَہُ اللّٰہُ۔ جو آدمی خدا کی رضامندی کے واسطے تواضع کرتا ہے خدا اس کو بلند کرتا ہے۔ اور جو شخص تکبر کرتا ہے اللہ اس کو گرا دیتا ہے۔ آگ نے تکبر کیا اس واسطے مقہور ہوگئی جیسا کہ فرمایا ہے وَاِنَّ عَلَیْکَ لَعْنَتِیْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔ بے شک روز قیامت تک تجھ پر میری لعنت ہے۔ اور خاک نے تواضع کی جیسا کہ فرمایا ہے رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا۔ اے ہمارے رب ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ اس لئے اس نے بلندی پائی۔ اور مرتبہ میں بڑھ گئی۔ ثُمَّ اجْتَبٰہُ رَبُّہٗ فَتَابَ عَلَیْہِ۔ پس خدا نے اس کو برگزیدہ کیا۔ پس رجوع کیا اللہ نے اوپر اس کے۔ چودھویں دلیل یہ ہے کہ خاک بوجھ اٹھانے والی اور بردبار ہے۔ اس واسطے دیر تک باقی رہنے والی ہے اور آگ رنج پہنچانے والی ہے اس واسطے جلدی مرجاتی ہے۔ تاکہ یہ معلوم ہو جائے۔ کہ راحت رسانی بقا کا باعث ہے اور رنج دہی فناء کا سبب۔

دوسری نوع آدم کی پیدائش کی حقیقت میں۔ فرمایا ہے وَھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَہٗ نَسَبًا وَّصِھْرًا۔ اور اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا آدمی کو پانی کے قطرہ سے الخ اور یاد رکھنا چاہئے کہ پانی میں بہت سی صفتیں ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ پانی صاف اور نورانی جوہر ہے اس سبب سے معرفت کے نور کو قبول کرنے والا ہے۔ دوسری صفت یہ ہے۔ کہ سر کے بل چلتا ہے اور یہ درگاہ الٰہی کے مقربوں کی صفت ہے۔ کہ وہ یہ خدا کی عبودیت کے راستے میں سر کو قدموں سے تبدیل کر کے سر کو قدم بنا کر چلتے ہیں تیسری صفت یہ ہے۔ کہ پانی پاک ہے اور پاک کرنے والا ہے۔ اسی وجہ سے امام شافعی کے قول کے موافق پانی کے سوا دوسری کسی چیز سے طہارت حاصل نہیں ہوتی۔

تیسری نوع آدم کی پیدائش کے بیان میں یہ ہے۔ کہ انسان مٹی سے پیدا کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ۔ میں پیدا کرنیوالا ہوں آدمی کو مٹی سے۔ مٹی سے

مٹی سے آدمی کے پیدا کرنے میں بہت سی حکمتیں ہیں۔ پہلی حکمت یہ ہے کہ خاک کثیف ہے اور پانی لطیف خاک ساکن ہے اور پانی متحرک۔ خاک خشک ہے اور پانی تر۔ یہ دونوں ضدیں ہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے اِن ضدوں کو اپنی قدرت سے جو بے علت ہے۔ ایک کو دوسری کے ساتھ ملایا ہے۔ اور اُن کی ترکیب سے آدم ع کو پیدا کیا ہے تاکہ آدم ع کی یہ ترکیب خالق عالم یعنے خدا کی وحدانیت اور یگانگت پر دلیل ہو۔ جیسا کہ فرمایا ہے وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ۔ اور ہر شے سے ہم نے جوڑے پیدا کئے ٭ دوسری حکمت یہ ہے کہ آگ کو خاک بھی بجھا دیتی ہے۔ اور پانی بھی۔ اس لئے خدا نے آدم علیہ السلام کو خاک اور پانی سے پیدا کیا۔ تاکہ پانی اور خاک دونوں حرص اور شہوت اور غضب کی آگ کو بجھاویں۔ تیسری حکمت یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی مٹی پر چلے اور اس کا پاؤں پھسل جائے اور گر پڑے۔ تو شاید گرنے سے اُسکے کپڑے آلودہ ہو جائیں لیکن اُسکے اعضا نہیں ٹوٹتے۔ اور آدم علیہ السلام کا روح بھی جلدی سے دوڑا۔ جیسا کہ فرمایا ہے خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ۔ پیدا کیا گیا ہے اِنسان جلدی سے یعنے رُوح دوڑتا ہوا آدم ع میں داخل ہوا۔ اور جب رُوح دوڑا تو اُس کا پاؤں پھسل گیا اور گر پڑا۔ اس سے حضرت آدم ع کی عصمت کا جامہ آلودہ ہو گیا۔ جیسا کہ فرمایا وَعَصَىٰ آدَمُ یعنی آدم نے بیفرمانی کی۔ مگر آپ کے اعضاء ٹوٹنے سے بچ گئے۔ جیسا کہ فرمایا فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ پس رجوع کیا اللہ نے اس پر اور ہدایت پائی ٭

چوتھی نوع آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بیان میں یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے آدم کو میں نے سلالہ سے پیدا کیا ہے جیسا کہ وارد ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ۔ تحقیق پیدا کیا ہم نے اِنسان کو مٹی کے خلاصہ سے اور سلالہ سے مراد وہ مٹی ہے۔ جو نہایت لطافت کی وجہ سے اُنگلیوں میں لازب ہو کر باہر نکل جاتی ہے۔ حدیث میں آیا ہے خَمَّرَ طِينَةَ آدَمَ بِيَدِهٖ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا۔ آدم ع کی مٹی کو چالیس صباح تک اپنے ہاتھوں سے گوندھا۔ شہر نیشاپور میں ایک بوڑھی عورت تھی۔ اس کو لوگ نازنین کہتے تھے۔ وہ کہا کرتی تھی۔ کہ بیچارے آدمی کا عجب حال ہے۔ اسکی مٹی کی تو یہ حالت ہے کہ وہ بھی مسخر ہے۔ جیسا کہ فرمایا خَمَّرَ طِينَةَ آدَمَ بِيَدِهٖ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا۔ اور ایسا ہی جو اس کا دل بھی جیسا کہ فرمایا قَلْبُ الْمُؤْمِنِ بَيْنَ أُصْبُعَيْنِ مِنْ أَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ مومن آدمی کا دل رحمٰن کی اُنگلیوں میں سے دو اُنگلیوں کے درمیان ہے۔ پس آدمی اپنی ہمت سے کس کام پر ثابت قدم ہو کر ٹھہر سکتا ہے ٭

پانچویں نوع آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بیان میں یہ ہے اِنَّا خَلَقْنٰھُمْ مِنْ طِیْنٍ لَّازِبٍ تحقیق پیدا کیا ہم نے اُن کو نرم مٹی سے ۔ لازب اُس مٹی کو کہتے ہیں جو نرمی اور لطافت کی وجہ سے اُنگلیوں کے ساتھ چپک جائے ۔ اس سے مقصود یہ ہے ۔ کہ ابتداء میں آدمؑ کی مٹی قدرت کے ہاتھ ساتھ چپک گئی تھی ۔ اسلئے چاہیئے کہ آدمی کا دل اپنی ہر حالت میں خدا کی رحمت کی دہلیز سے جدائی نہ کرے +

چھٹی نوع یہ ہے فرمایا ہے اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ۔ تحقیق پیدا کرنے والا ہوں میں انسان کو خشک اور سیاہ اور ناخوش مٹی سے ۔ اس آیت میں مٹی کی تین صفتیں بیان کی ہیں ۔ پہلی صلصال ہے اور صلصال اُس مٹی کو کہتے ہیں ۔ جو ایسی خشک ہو کہ اگر کوئی چیز اس میں ڈالی جائے ۔ تو اُس سے آواز آئے ۔ اور یہ صفت اُس کی طرف اشارہ ہے کہ آدمی درمیان سے خالی ہے اور جو ایسا ہو وہ بیچارہ اور ضعیف ہوتا ہے ۔ اور تھوڑے سبب سے فریاد کرنے لگ جاتا ہے + دوسری صفت حماء ہے ۔ اور حماء اس سیاہ مٹی کو کہتے ہیں جو بدلوں کی جڑھوں میں ہوتی ہے ۔ اس مٹی کا رنگ سیاہ ہوتا ہے + تیسری صفت مسنون ہے اور مسنون اس مٹی کو کہتے ہیں جسکی بُو ناخوش ہو ۔ اور اس میں معاصی اور گناہوں کی کثرت کی طرف اشارہ ہے +

ساتویں نوع آدمؑ کی پیدائش کے بیان میں یہ ہے کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا ہے مِنْ صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ میں پیدا کرنے والا ہوں انسان کو خشک مٹی سے جو مثل فخار کے ہے ۔ اور فخار وہ مٹی ہوتی ہے جو خشک ہو جائے ۔ اور پھر اسکو آگ میں پکالیں ۔ تاکہ سفال ہو جائے ۔ اور ان سب آیتوں کے جمع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جب پانی اور مٹی کو آپسمیں ملاتے ہیں تو وہ گل یعنے کیچ سا بنجاتی ہے ۔ اور جب کچھ مدت تک اس کی پرورش کرتے ہیں یعنے گوندھتے رہتے ہیں تو وہ سلالہ اور لازب ہو جاتی ہے ۔ اور جب کچھ اور مدت تک اسی طرح رہتی ہے تو حماء مسنون یعنے سیاہ اور ناخوش بُو ہو جاتی ہے ۔ اور جب پھر خشک ہو جاتی ہے تو وہ صلصال کہلاتی ہے ۔ اور جب اُس کو آگ پر پکا دیتے ہیں ۔ تو وہ فخار ہوتی ہے ۔ پس اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اِن آیتوں میں مغایرت نہیں ۔ اور اسی واسطے جمع کی ہیں +

آٹھویں نوع یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۔ پیدا کیا گیا ہے

انسان جلدی سے۔ ان معنوں سے اس طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ آدمی بے صبر ہوتا ہے۔ روایت کرتے ہیں کہ حقتعالیٰ نے آدمؑ کو سب چیزوں کے بعد پیدا کیا ہے۔ اور جب جمعہ کے روز نماز عصر کے وقت حضرت آدم علیہ السلام کے سر میں روح داخل ہوئی۔ تو ابھی آپ کے پاؤں میں نہیں پہنچی تھی۔ کہ آپ نے فرمایا۔ الٰہی رات آنے سے پہلے پہلے روح میرے تمام بدن میں داخل کر دے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے فرمایا خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ یعنے پیدا کیا گیا ہے انسان جلدی سے +

ناویں نوع آدم علیہ السلام کی پیدائش میں یہ ہے۔ فرمایا ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ کَبَدٍ تحقیق پیدا کیا ہم نے انسان کو رنج میں۔ کبد سے مقصود دنیا کا رنج اور مشقت مراد ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ اس سے مقصود موت کی سختیاں ہوں۔ اور وہ تکلیفیں جو قیامت میں نازل ہونگی۔ اور ان چاروں قسموں کی اور بھی بہت تفصیل ہے۔ اور حکماء کہتے ہیں۔ کہ آدمؑ کے پیدا ہونے کے وقت سب ستارے اپنے شرف میں تھے۔ مگر عطارد اپنے شرف میں نہیں تھا۔ اسی واسطے انسان کے انتظام کا کام کبھی پورے انتظام سے نہیں رہتا۔ اور ان معنوں کو شعر میں اس طرح بیان کیا ہے ؎

اِنَّ الْکَوَاکِبَ کُنَّ فِیْ اَشْرَافِھَا
اِلَّا عُطَارِدُ حِیْنَ صُوِّرَ اٰدَمُ

جس وقت آدم علیہ السلام کی تصویر بنائی ہے۔ اس وقت سب ستارے اپنے اپنے شرفوں میں تھے مگر عطارد اپنے شرف میں نہیں تھا +

دسویں نوع یہ ہے اللہ جل شانہٗ فرمایا ہے اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ ضُعْفٍ اللہ وہ ہے جس نے تم کو ضعف یعنے عاجزی کی حالت سے پیدا کیا ہے۔ اور آدمی پر ضعف اور عاجزی کے نشانات بخوبی ظاہر ہیں۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ ایک روز ایک بادشاہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اس وقت اس بادشاہ کو نیند آ رہی تھی۔ جب ذرا سو جاتا۔ تو ایک مکھی آکر اس کے منہ پر بیٹھ جاتی اور تکلیف دیتی۔ اور جو نہی تکلیف دیتی۔ بادشاہ اُسکے دفع کرنے کے واسطے اپنے منہ پر زور سے چانٹا جاتے تھے۔ اسی حال میں ایک دفعہ امام شافعی کو کہا۔ مکھی کے پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے۔ آپ نے جواب دیا اس میں حکمت یہ ہے کہ جو لوگ جباری کا دعوے کرتے ہیں انہیں ان مکھیوں کے ذریعہ ان کا عجز اور ضعف

اُن پر ظاہر کر دے۔

فصل ۴

آدمیوں کی پیدائش کے مراتب کے بیان میں

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کے سات مرتبے بیان کئے ہیں۔ فرمایا ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ آیت کے آخر تک اور پہلا مرتبہ یہی ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ ہے۔ اس آیت پر ایک مشکل سوال وارد ہوتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس آیت سے دو ہی مقصود ہو سکتے ہیں۔ ایک تو آدم علیہ السلام کی پیدائش کی شرح۔ دوسرا اولاد آدمؑ کی شرح۔ اگر اس سے آدم علیہ السلام کی پیدائش کی شرح مقصود ہے تو یہاں تک تو مضمون درست ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ۔ لیکن باقی جو یہ آیت ہے ثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ آخر آیت تک اس کے مضمون کی مطابقت مشکل ہوتی ہے۔ کیونکہ آدمؑ کی پیدائش نطفہ۔ علقہ۔ مضغہ سے نہیں ہوئی۔ اور ثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ آخر آیت تک اگر اس کے بیان سے اولاد آدم کی پیدائش مقصود ہو تو ٹھیک ہے لیکن آیت کا جو پہلا یہ حصہ ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ اس کا مضمون درست نہیں ہوتا۔ اس میں وہی مشکل پیش آتی ہے کیونکہ آدمؑ کی اولاد کی پیدائش مٹی سے نہیں جیسی کہ آدمؑ کی ہوئی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت سے مقصود اولاد آدمؑ کی پیدائش کا بیان ہی ہے۔ اور یہ بھی مٹی سے ہی پیدا کیگئی ہے۔ کیونکہ یہ نطفہ اور خون سے پیدا ہوئی ہے۔ اور یہ دونوں غذا سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور غذا یا حیوانی ہوتی ہے یا نباتاتی۔ اور جو حیوانی ہے وہ بھی دوسری غذا سے پیدا ہوتی ہے۔ اور آخر کو نباتات پر پہنچتی ہے۔ اور نباتات کو مٹی اور پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔ پس اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اولادِ آدم سب سلالہ مٹی سے پیدا ہوئی ہے۔ اور اسی واسطے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى یعنے مٹی سے ہی ہم نے تم کو پیدا کیا اور مٹی میں ہی ہم تم کو واپس لوٹائینگے اور مٹی سے ہی ہم تم کو پھر دوسری دفعہ نکالینگے۔

دوسرا مرتبہ پیدائش کا یہ ہے ثُمَّ جَعَلْنٰہُ نُطْفَۃً فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ۔ پس پیدا کیا ہم نے اُسکو

نطفہ ایک مقرر جگہ میں اس آیت کی تفسیر کے واسطے ہم کو دس مسئلوں کی ضرورت ہوئی ہے +

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ ہاضمہ کے مرتبے بیان کئے جائیں۔ آدمی کا بدن ایک جسم ہے جو گرم اور تر ہے۔ جب اس میں گرمی اثر کرتی ہے۔ تو اس سے ایک بخار اوپر کو اٹھتا ہے اور وہ تحلیل ہو جاتا ہے۔ اگر ہمیشہ بدن کے اجزا بخار بن کے تحلیل پاتے رہیں اور ان کا بدل نہ ہو۔ تو وہ جسم باطل ہو جاتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایسا مقرر کر دیا ہے کہ جب انسان غذا کھائے تو وہ بدن متحلل حصہ کا بدل بنے۔ لیکن غذا کے کھانے کے وقت سے اس وقت تک کہ غذا بدل ما یتحلل بنے ہضم کے واسطے غذا پر چار حالتیں گزرتی ہیں۔ پہلی حالت یہ ہے کہ جب غذا پہلے معدہ میں پہنچتی ہے اور پانی پیتے ہیں۔ تو وہ پانی غذا میں ملجاتا ہے۔ اور اُس کے ملنے سے غذا کا جسم جَو کے موٹے سے دلئے کی مانند ہو جاتا ہے۔ اور پھر یہاں پکتا ہے۔ پک کر جو لطیف ہوتا ہے وہ تو جگر میں چلا جاتا ہے۔ اور جو کثیف ہوتا ہے وہ نیچے انتڑیوں میں پہنچتا ہے۔ اور پکنے کے فعل کے تمام ہونے تک وہاں رہتا ہے۔ دوسری حالت یہ ہے کہ معدہ سے جو لطیف غذا جگر میں آتی ہے۔ وہ جگر میں پکتی ہے۔ اور پک کر اس سے خون پیدا ہوتا ہے۔ اور کچھ جھاگ سی اس کے سر پر آجاتی ہے۔ یہ صفرا ہوتی ہے۔ اِس کو پتا اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ اور کچھ میل پیدا ہو جاتی ہے یہ سودا ہے اس کو تلی کھینچ لیتی ہے۔ اور جو پانی پیا جاتا ہے اور غذا میں ملتا ہے۔ اسکی زیادتی ہو۔ اس سے الگ ہو جاتی ہے۔ اور اس کو گردہ کھینچ لیتا ہے۔ اور جو باقی خون اس میں ہوتا ہے وہ گردوں کی غذا بنتا ہے۔ اور بعد میں جو صرف مائیت رہجاتی ہے۔ وہ مثانہ میں آتی ہے۔ اور پھر مثانہ سے قضیب کے سوراخ کے راستے سے باہر نکلجاتی ہے "یہی پیشاب کہلاتا ہے" اور یہاں تک دوسرا ہضم تمام ہو جاتا ہے + تیسری حالت یہ ہے کہ غذا جو جگر میں خون بنا ہے وہ جگر سے رگوں میں آتا ہے۔ اور رگوں میں آکر پھر پورا نضج حاصل کرتا ہے۔ اور اس نضج کا جو فضلہ ہوتا ہے یعنے ناکارہ اور ردی چیز وہ پسینے اور میل کے ذریعہ الگ ہو جاتا ہے لہذ یہاں تک تیسرا ہضم ختم ہو جاتا ہے + چوتھی حالت یہ ہے کہ خون رگوں سے دوسری رگوں کے راستے سے جو بال کی مانند باریک ہوتی ہیں۔ اعضاؤں میں پہنچتا ہے۔ اور شبنم کی طرح اعضاؤں کی سطح پر بیٹھ جاتا ہے۔ اور یہاں چوتھی دفعہ پھر پکتا ہے۔ اور جب اس ہضم کا فعل پورا ہو جاتا ہے تو اعضاؤں کی قوتِ جاذبہ اس غذا کی جزوں کو اپنے اندر کھینچ لیتی ہے۔ اور ان جزوں کے قائم مقام بناتی ہے۔ جو تحلیل ہو کر بدن سے الگ ہو گئی ہیں۔ اور اس مسئلہ کو

بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ جب غذا چوتھے ہضم میں پہنچتی ہے۔ اور اعضاؤں کی سطح پر بیٹھ جاتی ہے اور پکنے کے بعد ہر ایک اعضا کی خاصیت اس میں پیدا ہو جاتی ہے۔ تو طبیعت اس مادہ میں سے کسی قدر لیکر اوعیۂ منی میں لے آتی ہے " اوعیۂ منی اس جگہ کو کہتے ہیں۔ جہاں انسان کی منی رہتی ہے"۔ اور اس مادہ کو ہر ایک حیوان کا اصل بناتی ہے۔ اور اسی کو منی کہتے ہیں۔ اور یہی سبب ہے کہ فرزند اپنے ماں اور باپ سے مشابہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی پیدائش اُس مادہ سے ہوتی ہے جو اعضاؤں کے جوہر میں پہنچا ہے اور اُن اعضاؤں کی خاصیت اُس میں ہوتی ہے۔ اسی واسطے فرزند کے اعضاء بشبہ اپنے ماں باپ کے مشابہ ہوتے ہیں۔ ذکر کرتے ہیں کہ ایک یہودی آیا۔ اور اُس نے آکر کہا اے محمد میں آپ سے ایک مسئلہ پوچھتا ہوں۔ اگر آپ جواب دیدیں تو میں سمجھونگا۔ کہ آپ برحق پیغمبر ہیں اور اس کے بعد کہا اس کا کیا سبب ہے۔ کہ فرزند کبھی ماں سے مشابہ ہوتا ہے اور کبھی باپ سے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا۔ کہ اگر باپ کی منی غالب ہوتی ہے تو فرزند باپ سے مشابہ ہوتا ہے اور اگر ماں کی منی غالب ہوتی ہے تو ماں سے۔ یہودی نے اس کی تصدیق کی اور مسلمان ہو گیا۔ پس اس بیان سے ظاہر ہے کہ منی کی حقیقت کیا ہے +

دوسرا مسئلہ آیت کی تفسیر میں یہ ہے کہ آدمی کی پیدائش نطفے اور خون سے ہے۔ اور یہ دونو جسم حد درجہ کی رطوبت میں ہیں۔ اس لئے خداتعالےٰ کی حکمت نے ایسا ارادہ کیا کہ ان جسموں کی حرارت اُن کی رطوبت پر اس قدر غالب رہے کہ اِس حرارت کی خشکی اس تری کو کم کرتی رہے تاکہ ان سے سخت اعضا پیدا ہوں۔ اور جب ایسا ہوتا ہے تو حرارت ہمیشہ رطوبت کو خشک کرتی رہتی ہے۔ گویا رطوبت حرارت کی غذا ہوتی رہتی ہے۔ اور اس رطوبت کو حرارت غریزی سے وہی نسبت ہے جو تیل کو آگ اور بتّی سے ہے۔ جب تک آگ بتی میں لگی رہتی ہے۔ تب تک روغن کی جزوں سے کچھ نہ کچھ تحلیل کرتی رہتی ہے۔ اسی طرح حرارت غریزی بھی رطوبت غریزی سے ہمیشہ کچھ نہ کچھ تحلیل ہوتی رہتی ہے۔ لیکن جس قدر رطوبت غریزی کم ہوتی ہے۔ اسی قدر حرارت غریزی ضعیف ہو جاتی ہے۔ اور اسی ترتیب سے ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت آجاتی ہے کہ حرارت غریزی رطوبت غریزی کو بالکل فنا کر دیتی ہے۔ اور جب رطوبت غریزی فنا ہو جاتی ہے۔ تو حرارت غریزی بھی بجھ جاتی ہے۔ پس اس طریق سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ خالق عالم نے آدمی کے بدن کو ایسا پیدا کیا ہے۔ کہ اس کا وجود ہی اس کے عدم کا

سبب ہو اور مر جائے۔ اور جب وجود کا باقی رہنا ممکن نہیں تھا۔ اس واسطے خدا تعالیٰ نے
ایک ایسا طریق بنا دیا کہ وجود کا باقی رکھنا اس کے نوع سے حاصل ہو۔ اور وہ اس طرح پر ہے
کہ خدا نے ایسی حکمت کر دی ہے کہ جماع کے وقت نطفہ الگ ہونے سے لذت حاصل ہوتی
ہے۔ اس لئے حیوان اس لذت کے حاصل کرنے کے واسطے مباشرت کرتے ہیں۔ اور
مردوں کی پیٹھ سے عورتوں کے رحم میں کھیتی کا بیج پہنچتا ہے۔ اور بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اور
اس طرح حیوانوں کا نوع باقی رہتا ہے۔ پاک ہے وہ پیدا کرنے والا۔ کہ جس نے ہر ایک چیز
میں کامل حکمتیں رکھدی ہیں۔ اور اسی واسطے لواطت تمام شریعتوں میں حرام ہے۔ کیونکہ جماع
کی لذت میں خالق عالم کی حکمت بچے کا وجود ظاہر کرتا ہے۔ اور لواطت سے فرزند پیدا نہیں
ہوتا۔ اس لئے جماع کرنے کا جو اصلی مقصود تھا وہ لواطت سے ضائع ہو جاتا ہے۔ اسی واسطے
یہ فعل تمام شریعتوں میں حرام ہو گیا۔ اور یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ جب طبیعت لذت حاصل کرنے کے لئے
جماع میں مشغول ہوتی ہے۔ تو اس وقت مرد اور عورت کے جسم میں حرارت کا غلبہ ہو جاتا ہے
اور اس حرارت کے باعث اس مادے کا جو چوتھے ہضم تک پہنچا ہوا ہوتا ہے کچھ حصہ جدا
ہو کر اوعیۂ منی میں آجاتا ہے۔ اور پھر قضیب کی سوراخ کی راہ سے عورت کے رحم میں پہنچ جاتا
ہے اور اُس سے فرزند پیدا ہوتا ہے۔ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ۔
خبردار خالق اور حاکم وہی ہے اللہ جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اور بڑا برکت والا ہے +

تیسرا مسئلہ آیت مذکور کی تفسیر کے لئے یہ ہے کہ جب آدمی کا نطفہ عورت کے رحم میں
آتا ہے تو وہاں گول بنجاتا ہے۔ اور نطفہ کے مدوّر بننے کے بہت سے وجوہات ہیں۔ پہلی وجہ
یہ ہے کہ عورت کے رحم میں یہ خاصیت ہے۔ کہ وہ نطفہ کو نگاہ رکھے۔ اور نطفہ کا وجود تھوڑا
سا ہوتا ہے اور رحم بہت بڑا ہوتا ہے۔ اس لئے رحم سب طرف سے نطفہ کے ارد گرد آ
جاتا ہے۔ اور اس کو گھیر کر ایک جگہ میں اکٹھا کر دیتا ہے۔ اس سے نطفہ گرہ کی مانند ہو جاتا
ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ منی رطوبت ہے۔ اور جب اس کے واسطے کوئی چیز مانع نہیں ہوتی
تو اس کی شکل کُرّہ کی مانند ہو جاتی ہے۔ کیا یہ نہیں دیکھتا۔ کہ اگر پانی کے قطرے ہوا میں پھینکے
جائیں جب تک وہ قطرے ہوا میں ہوتے ہیں۔ سب مروارید کے دانوں کی مانند گول ہو جاتے
ہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اوپر ہم نے بیان کر دیا ہے۔ کہ نطفہ انسان کے سب اعضاؤں سے
جدا ہوتا ہے۔ اِس لئے ضرور ہے کہ روح طبعی اور حیوانی اور نفسانی کی جزیں اس کے ساتھ

ملی ہوئی ہوں۔ اور جب یہ مادہ رحم میں گرے تو روحانی جزیں بحکم مشابہت جمع ہو جائیں۔ اور جب حکمت الٰہی روحانی جزوں کے واسطے عنایت میں پوری ہے۔ تو ضرور ہے کہ روحانی جزو کو وہ رحم میں جمع کر دے اور اس کی کثیف جزوں کو اسکے ارد گرد لے آئے۔ وہ جسم کرہ کی شکل کا بنجائے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ تمام جسموں میں سے آفات کے صدموں سے سلامت اور محفوظ اور بہت دور جسم وہ ہے جو گول ہو۔ اس لئے حفاظت میں زیادہ مبالغہ کے واسطے خدا تعالیٰ نے نطفہ کو کرہ کی شکل میں بنا دیا ہے +

چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ جب منی عورت کے رحم میں پہنچتی ہے تو تین روز گذر جاتے ہیں۔ تو اُس کرہ کی ظاہری سطح پر ایک سخت پردہ آجاتا ہے۔ اور یہ ایسا ہی ہوتا ہے جیساکہ نرم خمیر کو تپتے ہوئے پتھر پر رکھیں تو اس کی بیرونی سطح پر ایک پردہ آتا جاتا ہے۔ اور اس غشا یعنے پردہ کے آنے میں بہت سی حکمتیں ہیں۔ پہلی حکمت یہ ہے کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ نُطفہ کے جسم کا بہ شکل کرہ ہوجانا اس واسطے ہوتا ہے کہ اُسکی کثیف جزیں اُسکی روحانی جزوں کے گرد اگرد آجائیں تاکہ روحانی جزیں تحلیل نہ پائیں۔ اور ظاہر ہے کہ جب یہ سخت پردہ اس خمیر کے ارد گرد آجائیگا۔ تو روحانی جزوں کی نگاہبانی کامل طور پر رہیگی۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ جب یہ پردہ جسم کے گرد آجاتا ہے تو حرارت غریزی اُس کے باطن میں جمع ہو جاتی ہے۔ اور قوی ہوتی ہے۔ اور جب حرارت غریزی زیادہ قوی ہوتی ہے۔ تو قوت مصورہ کا عمل خالق عالم کی تدبیر سے زیادہ کامل ہوتا ہے۔ تیسری حکمت یہ ہے کہ جب حرارت غریزی اس کرہ کے اندر جمع ہو جاتی ہے۔ تو اُسکی تاثیر اس رطوبت کے تحلیل کرنے میں جو اندر ہوتی ہے۔ زیادہ کامل ہو جاتی ہے اور ایسا ہونے سے جسم کے اندر بخارات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور وہ بخارات منفذ چاہتے ہیں یعنے باہر آنے کے سوراخ اس لئے اُس جسم میں سوراخ اور راستے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے ذریعے سے پیدائش کا فعل کامل اور پورا ہو جاتا ہے۔ چوتھی حکمت ہے کہ جب اس پردہ کو آتے ہوئے کچھ مدت گذر جاتی ہے تو وہ زیادہ سخت ہو جاتا ہے۔ اور جنین کے ارد گرد آجاتا ہے۔ اور اسی کو مشیمہ کہتے ہیں۔ اور جنین کے واسطے مشیمہ کے ہونے کا جو فائدہ ہے وہ ظاہر ہے فَتَبَارَكَ اللهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ وَأَكْمَلُ الْمُتَقَدِّرِينَ یعنے اللہ احسن الخالقین اور اکمل المتقدرین بڑا بابرکت ہے +

پانچواں مسئلہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنی کمال حکمت سے عورت کی پیدائش ایسی بنائی ہے۔ کہ مرد کی نسبت اس میں رطوبتیں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ اور اس میں بھی بہت حکمتیں ہیں۔

پہلی حکمت یہ ہے کہ عورت کے بدن میں رطوبتیں بہت ہوتی ہیں۔ تو اس سے اُن کا فضلہ باقی رہتا ہے اور اس فضلہ کا فائدہ یہ ہے کہ بچے کے پیدا ہونے کے وقت وہ رطوبت زائدہ اس کے تولد کا باعث اور مددگار ہوتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو فرزند پیدا نہ ہو سکتا +

دوسری حکمت یہ ہے۔ کہ عورت کے بدن میں رطوبت کے زیادہ ہونے سے اُس کے اعضا تمدد کے قابل ہو جاتے ہیں۔ اور جب فرزند کا وجود رحم میں پیدا ہو جاتا ہے۔ تو رطوبت کی زیادتی کے باعث اسکے اصلی اعضاء اصل کی نسبت پھیلجاتے ہیں۔ اور اس سے فرزند کے رہنے کے واسطے جگہ نکل آتی ہے +

تیسری حکمت یہ ہے کہ بچہ جننے کے وقت اعضاء رحم رطوبت کی کثرت سے پھیلجاتے ہیں۔ اور ٹوٹتے نہیں +

چوتھی حکمت یہ ہے۔ کہ رطوبتوں کی زیادتی جو عورت کے بدن میں ہوتی ہے وہ اُن کی اندام کو بہت نرم رکھتی ہے تاکہ مس کرنے سے مرد کو کامل لذت حاصل ہو۔ اور اُس لذت کے باعث آدمی کو مجامعت کی طرف بہت رغبت ہو تاکہ اولاد کے پیدا ہونے کا کامل سبب بنے۔ تعالےٰ مَنْ لَہُ الصَّنعُ المُتقن وَالحِکمَۃُ البَالِغَۃُ۔ بلند ہے وہ جس کی ایسی یقینی مضبوط صفت اور کامل حکمت ہے +

چھٹا مسئلہ آیت مذکور کی تفسیر کے بیان میں یہ ہے کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ جب نطفہ رحم میں پڑ جاتا ہے تو وہ مدوّر شکل کا ہو جاتا ہے۔ اور جو روحانی جزیں ہوتی ہیں۔ وہ اسمیں جمع ہو جاتی ہیں۔ اور جو جسمانی جزیں ہوتی ہیں۔ وہ روحانی جزوں کے گرد آجاتی ہیں۔ اور اس موقع پر عجیب مناسبتیں پیدا ہوتی ہیں۔

پہلی مناسبت یہ ہے کہ انسان عالم صغیر ہے اور باقی تمام جہان عالم اکبر ہے۔ اور جیسے عالم اکبر کا کرہ خدا کی حفاظت اور اسکے ارادہ سے ایسے خلا میں کھڑا ہے۔ جو نامتناہی ہے جیسا کہ فرمایا ہے اَللّٰہُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَھَا اللہ وہ ہے جس نے بلند کیا آسمانوں کو بغیر ستونوں کے جنہیں تو دیکھتا ہے۔ اسی طرح عالم اصغر کا کرہ عورت کے رحم کے فضاء میں معلق کھڑا ہے جو خدا کی حفاظت میں ہے۔ اور اس کے ارادہ سے ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نطفہ کا جرم غلیظ رطوبت ہوتی ہے اور ایسی چیز بالطبع ثقیل ہوتی ہے۔ اور جو ثقیل بالطبع ہو وہ ہابط یعنے نیچے کو گرنے والی ہوتی ہے۔ پس رحم کے فضا میں اس کا اس طرح معلق

ہونا خالق عالم کی تدبیر اور حفاظت سے ہی ہے +

دوسری مناسبت یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے آسمانوں کی صفت میں فرمایا ہے وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا - اور بنائی ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط بنائیں - اور بنا اُسے کہتے ہیں - جو ایک قرارگاہ پر رکھی جاتی ہے - لیکن جو ہوا میں معلق ہوتی ہے - اس کو بنا نہیں کہتے - اور افلاک بھی ہوا میں معلق ہوتے ہیں - اور ان کو بنا کہا ہے - اسکی وجہ یہ ہے - کہ پیدائش کی بناؤں میں سے یہ زیادہ محکم اور مضبوط ہے اور یہی حال نطفہ کا ہے - اگرچہ نطفہ رحم کے فضا میں معلق کھڑا ہے - لیکن خدا کی حفاظت اسکے حق میں حد درجہ تک ہے - اسی واسطے اس کو قَرَارٍ مَّكِينٍ کہا ہے - پس اس باب میں قرآن کے اسرار میں فکر کرنا اور اس کی حکمت کو سوچنا عالم غیب کے مکاشفات کے کھل جانے کا باعث ہے +

تیسری مناسبت یہ ہے - کہ عالم اصغر میں روحانی لطیف جزیں اندر کو ہیں اور جسمانی کثیف جزیں اسکے گرد - اور عالم اکبر میں اسکے برخلاف ہے - اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین اور پانی کی جزیں کثیف ہیں - اس لئے وہ اندر کو ہیں - اور افلاک کے اجسام لطیف ان جزوں کے ارد گرد ہیں +

چوتھی مناسبت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عالم اکبر کی تعریف میں فرمایا ہے خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ - پیدا کیا آسمانوں اور زمینوں کو چھ دنوں میں - اس سے ظاہر ہے - کہ اس جہان کی پیدائش چھ رات دن میں ہوئی ہے - اور اہل تجربہ کہتے ہیں کہ چھ رات دن تک نطفہ اپنے حال پر رہتا ہے - اور اس میں کچھ تغیر واقع نہیں ہوتا - اور یہ دونوں میں عجیب طرح کی سخت مناسبت ہے +

ساتواں مسئلہ آیت کی شرح کے بیان میں یہ ہے کہ لکھتے ہیں جب خدا تعالےٰ نے چاہا کہ آدمؑ کو خاک سے پیدا کریں - تو فرشتہ کو حکم دیا - کہ زمین کی ہر ایک جانب سے تھوڑی تھوڑی خاک اُٹھا لائے - کچھ سیاہ - کچھ سفید - کچھ خوش - کچھ ناخوش - بعض نرم - بعض سخت - ان تمام قسموں کو جمع کیا - اور اس مجموعہ سے آدمؑ کے جسم کو پیدا کیا - اس لئے بعض اولاد تو سیاہ پیدا ہوئی - بعض سفید - بعض سرخ اور بعض رحیم اور کریم - بعض سخت دل - بعض مومن - بعض کافر - اور اسی طرح یہ بھی ہے کہ جب خدا نے چاہا - کہ اولادِ آدمؑ کو پیدا کرے تو اس فرشتہ کو جو آدمی کے بدن پر موکل اور مقرر ہے - اُسے حکم دیا کہ ماں اور باپ کے وجود کی ہر ایک جانب سے تھوڑا

تھوڑا سا حصہ لے اس لئے اس نے تھوڑا سا سفید دانتوں اور سفید چمڑے سے۔ تھوڑا سا سرخ خون سے۔ تھوڑا سا سرد دماغ سے۔ تھوڑا سا گرم دل سے۔ تھوڑا سا تر جگر سے۔ اور کچھ خشک ہڈیوں سے لیا۔ غرض دونوں کے ہر ایک عضو سے تھوڑا تھوڑا لے لیا جو طبیعت اور خاصیت میں ہر ایک عضو کے مناسب تھا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے آدم کی پیدائش میں خبر دی ہے اور فرمایا ہے خَمَّرْتُ طِيْنَةَ آدَمَ بِيَدِيْ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا۔ ایسا ہی اس کی نسبت بھی خبر دی ہے۔ کہ اولاد آدمؑ کی پیدائش چالیس روز میں تمام ہوئی ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے يُجْمَعُ خَلْقُ اَحَدِكُمْ فِيْ بَطْنِ اُمِّهٖ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا۔ جمع کی گئی تم میں سے ایک کی سرشت اپنی ماں کے پیٹ میں چالیس روز تک۔ اور اس کو بھی سمجھ لینا چاہئے۔ کہ ان مناسبتوں میں ایسے بڑے بڑے اسرار ہیں۔ کہ علما کو اجازت یہ نہیں کہ انہیں بیان کریں یا لکھیں کیونکہ وہ ایسے اسرار ہیں۔ کہ ان کو خالق عالم کے سوا اور کوئی نہیں جانتا +

آٹھواں مسئلہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے نطفہ سے آدمی کے پیدا ہونے کی کیفیت قرآن مجید میں ستر جگہ بیان فرمائی ہے۔ اور ہر ایک جگہ میں عجیب لطیفہ اور باریک بھید رکھا ہے۔ کہ اس کتاب میں اس کا حصر نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اُسکے بیان کرنے سے طوالت ہو جاتی ہے۔ مگر ہم ان معنوں سے کچھ تھوڑا سا بیان کرتے ہیں +

پہلی صفت اس میں یعنی نطفہ میں یہ ہے کہ دافق ہے یعنے اُچھلنے والا۔ فرمایا ہے خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ۔ پیدا کیا گیا اُچھلنے والے پانی سے۔ اور اس پانی کے اچھل کر نکلنے میں بہت سی حکمتیں ہیں پہلی حکمت یہ ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے۔ کہ جماع کرنے سے مقصود لذت کا طلب کرنا ہی نہیں۔ کیونکہ اگر لذت کی طلب ہی مقصود ہوتی۔ تو منی کا پانی بہت آہستہ آہستہ نکلتا اور لذت دیر تک رہتی۔ اور جب کود کر جلدی نکل جاتا ہے۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جماع کرنے کا اصلی مقصود اولاد کا پیدا ہونا ہے صرف لذت کا حاصل کرنا ہی نہیں + دوسری حکمت یہ ہے کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ آدمی کے جسم پر ایک فرشتہ موکل ہے۔ اور اس نے ماں باپ کے ہر ایک عضو سے تھوڑی تھوڑی مٹی لی ہے۔ اور یہ نطفہ اس کا مجموعہ ہے اس لئے ایسا ہی ہونا چاہئے کہ یہ مجموعہ مقر رحم میں ایک ہی دفعہ داخل ہو جاوے۔ تا کہ سب اجزاء میں تاثیر یکساں ہو۔ اور اگر ایسا نہ ہوتا۔ تو جو جزو رحم میں پہلے داخل ہوتی طبیعت کی تاثیر اس میں مقدم ہوتی۔ اور جو بعد میں داخل ہوتی۔ اس میں تاثیر پیچھے ہوتی۔ اس لئے بعض اعضا کی پیدائش

بعض سے پہلے ہوتی۔ اور یہ امر حیات کی مصلحت کے حاصل ہونے کا مانع ہے۔ اور جب منی فاعلی سبب ہے۔ اس واسطے باپ سے اس کا انفصال اور ماں کی جانب سے اس کا حصول ایک ہی دفعہ ہوتا ہے اور ماں کی منی جو غذا بنتی ہے۔ اس کا انفصال دفق کے طریق سے نہیں ہوتا۔ بلکہ آہستہ آہستہ اور تھوڑا تھوڑا ہوتا ہے۔ تعالیٰ مَنْ لَهُ الْحِكْمَةُ الْبَالِغَةُ۔ بلند ہے وہ جو ایسی کامل حکمت رکھتا ہے۔ تیسری حکمت یہ ہے کہ آدمی کے اصل کا جوہر باپ کے نطفہ سے پیدا ہوا ہے۔ اور جب باپ کے نطفہ سے ہے۔ تو اسکی حفاظت میں کمال درجہ کی ہوشیاری اور کوشش ہونی چاہئے پس اسی واسطے باپ کی پیٹھ سے جدا ہوتے ہی بہت جلد ماں کے رحم میں پہنچ جاتا ہے۔ تاکہ حفاظت کی پوری احتیاط حاصل رہے +

دوسری صفت نطفہ میں یہ ہے۔ فرمایا ہے۔ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ۔ نکلتا ہے پیٹھ اور ترائب کے درمیان سے اور ترائب سینہ کی ہڈیوں کو کہتے ہیں۔ اور صلب سے مرد کی پیٹھ کی طرف اشارہ ہے اور ترائب سے عورت کے پیٹ کی طرف۔ پس اس آیت سے یہ اشارہ ہے کہ منی بدن کے تمام اعضاؤں سے پیدا ہوتی ہے یعنے پیچھے سے بھی نکلتی ہے۔ اور آگے سے بھی نکلتی ہے۔ اوپر سے بھی پیدا ہوتی ہے۔ اور نیچے سے بھی۔ دائیں سے بھی اور بائیں سے بھی +

تیسری صفت نطفہ میں یہ ہے فرمایا ہے اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِنْ مَنِيٍّ يُمْنٰى۔ کیا نہیں تھا منی کا قطرہ جو ٹپکایا جاتا ہے اسمیں ایک لطیفہ ہے اور وہ آدمی کے حال کی حقارت پر تنبیہ ہے کیونکہ منی کا گذر پیشاب کی گذرگاہ سے ہوتا ہے۔ اس لئے اس مقولہ سے مطلب یہ ہے۔ کہ تو وہی ہے کہ ایک دفعہ تو باپ کے پیشاب کی گذرگاہ سے گذرا ہے۔ اور دوسری دفعہ ماں کے پیشاب کی گذرگاہ سے گذرا ہے۔ پس سرکشی اور غرور تیرے حال کو لائق کیونکر ہو سکتا ہے +

چوتھی صفت یہ ہے فرمایا ہے اَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِنْ مَاءٍ مَهِيْنٍ۔ کیا نہیں پیدا کیا ہم نے تم کو متنفر پانی سے۔ علماء شریعت کو منی کی پاکی اور ناپاکی میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ تو فرماتے ہیں منی پاک ہے چاہے تر ہو چاہے خشک۔ وجہ یہ ہے کہ سب پیغمبر منی سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور یہ جائز نہیں کہ پیغمبروں کی اصل پلید ہو۔ اور مالک رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ منی پلید ہے چاہے تر ہو چاہے خشک۔ اور ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ منی جب تر ہو پلید ہے اور جب خشک ہو پاک ہے اور سب مذہبوں کا اس پر اتفاق ہے کہ نفرت کیگئی ناپاکیوں میں سے ہے۔ اور سلیم طبع کو اس سے کامل نفرت ہوتی ہے پس اس سے ثابت ہوا کہ منی ماءٌ مہین ہے +

پانچویں صفت یہ ہے کہ منی کو نطفہ کہا ہے - فرمایا ہے خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ - پیدا کیا انسان کو نطفہ سے - اور نطفہ پانی کا چھوٹا سا قطرہ ہوتا ہے - اور اس چھوٹے سے قطرے سے اتنا بڑا جسم پیدا ہو جاتا ہے - اور ایسے چھوٹے سے قطرے سے ایسے بڑے جسم کا بن جانا اس بات کی واضح دلیل ہے - کہ یہ اجزا جو بڑھے ہیں - خالق عالم کے پیدا کرنے سے وجود میں آئے ہیں +

چھٹی صفت یہ ہے کہ نطفہ کو امشاج سے تعبیر کیا ہے یعنے ہر جنس سے آمیختہ فرمایا ہے اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ - بیشک پیدا کیا ہم نے انسان کو نطفہ سے جو ہر جنس سے ملا ہوا ہے - علماء نے اس آمیزش کی تفسیر میں بہت وجہیں بیان کی ہیں - پہلی وجہ یہ ہے کہ باپ کا نطفہ ماں کے نطفہ سے ملا ہوا ہے - دوسری وجہ یہ ہے کہ نطفہ حیض کے خون سے ملا ہوا ہوتا ہے - کیا تو نہیں دیکھتا کہ جب عورت حاملہ ہوتی ہے - تو اُسکے حیض کا خون بند ہو جاتا ہے - تیسری وجہ یہ ہے کہ نطفہ اربعہ عناصر سے پیدا ہوا ہے " یعنے اِس میں یہ ملاوٹ ہے +

نانواں مسئلہ اُن صفتوں کے بیان میں جن کو خالق عالم نے نطفہ کے باب میں یاد کیا ہے یہ ہے کہ نطفہ سے آدمی کا پیدا ہونا خدا کی ہستی پر ظاہر اور روشن دلیل ہے اور یہ دس نوع پر ہے +

پہلی نوع یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں - کہ نطفہ ایک حال سے دوسرے حال پر پھرتا رہتا ہے - اور یہ یقینی امر ہے کہ ان تغیرات میں نطفہ بذاتہ مؤثر نہیں - باوجودیکہ یہ ظاہر ہے ہم اس کے متعلق تین دلیلیں بیان کرتے ہیں - پہلی دلیل یہ ہے - کہ اگر اپنے آپ میں خود اثر کرتا ہے تو یہ اثر یا تو اس وقت ہوگا - کہ جب وہ نیست ہو - اور یا اُس وقت کہ جب ہست ہو چکا ہے - پہلا امر تو محال ہے کیونکہ عدم چیز سے ہستی کا فعل نہیں ہو سکتا - اور دوسرا امر بھی محال ہے کیونکہ جب ہست ہو چکا ہے - تو اب اس کو اپنے ہست کرنے والے کی حاجت نہیں - پس معلوم ہوا کہ وہ اپنے آپ کو ہست کرنے والا نہیں - دوسری دلیل یہ ہے کہ انسان بڑا ہو کر نطفہ ہونے کی حالت کی نسبت علم اور قدرت میں زیادہ کامل ہوتا ہے - اور جب غایت کمال کی حالت میں ایک سر مو کے برابر بھی اپنے وجود پر کچھ بڑھا نہیں سکتا - تو اپنے حد درجہ کے عجز کی حالت میں اپنا فاعل آپ کیونکر ہو سکتا ہے - تیسری دلیل یہ ہے کہ بدن انسان کی ترکیب ایک ایسی ترکیب ہے - کہ حکمت کی بے شمار نشانیاں اس سے ظاہر

ہوتے ہیں۔ اور ایسا فعل کسی کامل ذات کے سوا دوسرے سے ظاہر نہیں ہو سکتا! وانسان جب نطفہ ہوتا ہے۔ اُس وقت کچھ نہیں جانتا۔ اس لئے نطفہ سے اس خوبی کے ساتھ پیدا کرنے کا فعل کب درست ہو سکتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ انسان کا پیدا کرنے والا اُس کے اپنے اور اُسکے ماں باپ کے سوا اور ہی ہے۔ اس کے بعد ہم کہتے ہیں کہ وہ پیدا کرنے والا یا طبیعت ہے یا فاعل مختار ہے۔ اور جائز نہیں ہو سکتا۔ کہ طبیعت پیدا کرنے والی ہو۔ چاہے وہ تضیب کی طبیعت فرض کیجائے چاہے ماں کے رحم کی۔ چاہے عناصر اور ارکان کی۔ چاہے افلاک اور ستاروں کی۔ وجہ یہ ہے کہ نطفہ دو حال سے باہر نہیں ہو سکتا۔ یا تو وہ فی نفسہ متشابہ بہ اجزاء ہو گا۔ اور یا فی نفسہ مختلف با جزاء۔ اگر فی نفسہ متشابہ بہ اجزا ہو گا۔ تو ضرور ہے کہ جس وقت طبیعت اس میں عمل کرے۔ کہ اس طبیعی قوت کی تاثیر فی نفسہ متشابہ با جزا جسم میں ایک ہی طرح کی ہو۔ اور جب ایک ہی طرح کی ہو۔ تو وہ جسم کرہ کی شکل کا ہونا چاہئے۔ اور اس کی طبیعت متشابہ ہونی چاہئے اس دلیل کی بنا پر حکماء کی رائے ہے کہ بسائط شکلیں بشکل کرہ ہونی چاہئیں۔ اس لئے آدمی کا بدن بھی مثل کرہ کے متشابہ الطبیعت الاجزا ہونا چاہئے۔ اور ظاہر ہے کہ انسان کی شکل ایسی نہیں اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ بدن انسان کے پیدا کرنے میں طبیعت مؤثر نہیں۔ اور اگر نطفہ مختلف با جزا جسم ہے۔ تو ضرور ہے کہ یہ جسم محال جسموں سے مرکب ہو کہ اُن میں سے ہر ایک بذاتہ متشابہ با جزا ہو۔ اگر ایسا ہو تو اس سے دو محال لازم آتے ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ اُن جزوں میں ہر ایک جزو بہ شکل کرہ ہونی چاہئے۔ اس صورت میں آدمی کی شکل ایسے کروں کی سی ہونی چاہئے جو ایک دوسرے سے چسپاں ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ آدمی کا ایسا حال نہیں۔ اور دوسرا محال یہ ہے کہ منی کا جسم رطب جسم ہے۔ اور جو رطب جسم ہوتا ہے۔ اُس کی جزوں کی ترتیب ایک طریق پر قائم نہیں رہتی۔ اس لئے اعضاء کی ترتیب بھی ایک طریق پر قائم نہیں رہنی چاہئے اور جب ایسا نہیں ہے۔ تو معلوم ہوا کہ حیوان کے بدن کا پیدا کرنے والا ایسا حکیم و علیم موجود ہے۔ کہ موجودات میں اس کی تاثیر اس کی اپنی قدرت اور ارادہ اور حکمت سے ہے۔ اور اگر کوئی سائل یہ کہے کہ کیوں اس بات کو روا نہ رکھا جائے کہ افلاک اور ستارے احیاء ناطقہ ہوں۔ اور حیوانوں کے بدن کے پیدا کرنے والے اجرام فلکی ہوں۔ اور یہ نہیں تو بدن حیوان کے پیدا کرنے والا عقل یا نفس ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے اس امر کو ثابت کر دیا ہے۔ کہ حیوانات کے بدنوں کا مدبر۔ فاعل مختار ہے۔ اس کے بعد ہم کہتے ہیں۔

کہ وہ فاعل مختار یا واجب ہے یا ممکن۔ اگر واجب ہے تو ایسا ہونا چاہئے۔ کہ وہ نہ جسم ہو نہ جوہر نہ عرض۔ اور اگر ممکن ہے تو وہ ضرور واجب الوجود تک پہنچتا ہے۔ اس لئے ہر طرح سے ہمارا مقصود حاصل ہے۔ اور خدا کی وحدانیت اور قدرت اور حکمت اور اسکی رحمت پر یہ دلیل بہت ہی روشن ہے *

دوسری نوع دلیل کی انسان کے نطفہ سے پیدا ہونے کی دلائل میں سے یہ ہے۔ کہ نطفہ وہ جسم ہے جو ایسی چار طبیعتوں سے ملا ہوا ہے جن میں سے ہر ایک دوسری سے الگ ہوتی ہے۔ اور علیحدگی کے واسطے کسی علیحدہ کرنے والے کا ہونا لازم ہے۔ اس لئے فاعل مختار کا ہونا ضروری ہے۔ اگر کوئی یہ سوال کرے کہ علیحدہ کرنے والا حیوان کا نفس کیوں نہ مانا جائے اس کا جواب ہم یہ دیتے ہیں۔ کہ نفس کا پیدا ہونا اور اس کا بدن میں پہنچنا مزاج کے پیدا ہونے پر موقوف ہے۔ اور مزاج کا پیدا ہونا اجتماع پر موقوف ہے۔ اور اگر یہ اجتماع نفس کے واسطے ہو تو اس سے دَور پیدا ہو جاتا ہے۔ اور دَور محال ہے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ ان جزوں کا اجتماع خالق عالم کے ارادہ اور تقدیر سے غلبہ اور قہر کے طریق پر ہے *

تیسری نوع دلیل کی نطفہ سے آدمی کی پیدائش میں یہ ہے کہ نطفہ میں دو صفتیں ہیں ایک گرمی اور دوسری تری۔ اور ان دو صفتوں کا حال دو قسموں سے باہر نہیں ہو سکتا یا تو یہ ہے ان دونوں میں سے کوئی ایک دوسری میں کچھ اثر نہ کرے۔ اور یا اس طرح پر ہوں کہ ایک دوسری میں مؤثر ہو۔ اور اس پر غالب ہو۔ لیکن پہلی قسم کہ دونوں میں سے کوئی دوسری میں اثر نہ کرے۔ اگر ایسا ہو تو اس سے لازم آتا ہے۔ کہ نطفہ کا جسم اپنے حال سے نہ پھرے یعنے ایک ہی حال پر رہے۔ اور دوسری قسم کہ ایک صفت دوسری پر غالب ہو۔ ایسا ہونے سے ہم یہ کہتے ہیں کہ مغلوب میں غالب کی تاثیر یا تو تدریج یعنے آہستگی سے ہوگی۔ اور یا ایک ہی دفعہ ہوگی۔ اور یہ جائز نہیں کہ تاثیر آہستگی سے ہو۔ وجہ یہ ہے۔ کہ ایک جسم ایک ہی زمانہ میں ایک نوع سے ایک ہی عدد کے سوا حاصل نہیں ہوتا" یا یوں کہو۔ کہ ایک ہی وقت ایک جگہ دو جسم نہیں سما سکتے"۔ کیونکہ جمع مثلثی محال ہے۔ اس لئے دو رطوبتیں ایک جسم میں جمع ہو کر نہیں رہ سکتیں۔ پس درست ہوا۔ کہ ایک جسم میں ایک رطوبت کے سوا کوئی دوسری نہیں آسکتی۔ ایک ہی قائم رہ سکتی ہے۔ اور ایک چیز جب معدوم ہو تو وہ ایک ہی دفعہ کے سوا نیست نہیں ہوتی۔ کیونکہ جس چیز کا عدم تدریج یعنے آہستگی سے ہو۔ اُسکی صورت

یوں ہوتی ہے کہ اس کے بعض اجزا تو معدوم ہو جاتی ہیں۔ اور بعض باقی رہتی ہیں اور جس کا یہ حال ہوتا ہے وہ ایک چیز نہیں ہوتی بلکہ دو چیزیں ہوتی ہیں۔ اس لئے جو ایک چیز ہوتی ہے اس کا عدم ایک ہی دفعہ ہوتا ہے۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ نطفہ کی حرارت کی تاثیر اسکی رطوبت میں اگر ہو تو ایک ہی دفعہ ہونی چاہیئے۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا نہیں۔ اس لئے ثابت ہوا۔ کہ احوال کا اختلاف جو نطفہ پر وارد ہوتا ہے طبائع کی تاثیر سے نہیں بلکہ فاعل مختار اور اس صانع حکیم کی تدبیر سے ہے جو سب سے برتر اور پاک ہے +

چوتھی نوع دلیل کی انسان کے حدوث سے صانع حکیم کی کمال قدرت پر یہ ہے۔ کہ اجسام حیوانات کی ترکیب میں بے شمار حکمتیں ہیں۔ علم تشریح میں اس کا بیان کیا گیا ہے اور اہل عقل کے نزدیک یہ بدیہی امر ہے۔ کہ ایسے فعل جن میں کمال حکمت پائی جائے۔ جاہل آدمیوں سے صادر نہیں ہوتے۔ اور جب جاہلوں سے صادر نہیں ہوتے۔ تو یہ امر بدرجہ اولیٰ نہ ہونا چاہیئے کہ قوت مصورہ سے بھی جو قوت طبعی ہے ادراک اور شعور کے سوا ضرور صادر نہ ہوں بلکہ حیوانوں کے بدنوں کا خالق وہ ہو جو نہایت درجے کا حکیم و علیم ہو۔ اور تمام فلاسفہ کے فاضلوں اور طبیبوں نے علم تشریح میں اس بات کا اقرار کیا ہے۔ پس یہ کہنا کہ اعضاؤں کا پیدا ہونا قوت مصورہ سے ہے۔ بالکل جہالت اور گمراہی ہے بلکہ جسکے علمی معلومات زیادہ ہونگے۔ خالق حکیم کی ہستی پر اس کا اعتراف بہت ہی واضح ہوگا +

دسواں مسئلہ آیت مذکور کی تفسیر کے بیان میں یہ ہے کہ آدمی کے بدن میں جو عضو پہلے پیدا کیا گیا ہے وہ دل ہے اور اسکی دلیل یہ ہے۔ کہ ہم نے بیان کر دیا ہے۔ کہ تمام روحانی جزیں اندر کو جمع ہو جاتی ہیں۔ اور سب کثیف جزیں اُسکے ارد گرد آکر اسکو گھیر لیتی ہیں۔ اور وہ درمیانی حصہ جو مجمع الارواح کہلاتا ہے۔ جب تمام ہو جاتا ہے۔ وہ دل ہوتا ہے۔ اور دل سے ارواح کا کچھ حصہ دماغ میں جاتا ہے اور کچھ جسم میں۔ اور یہ امر بھی پیدائش کے عجائب امور میں سے ہے۔ کیونکہ دل جب معرفت اور محبت کا محل ہے تو پہلا عضو جو وجود میں آتا ہے۔ وہ دل ہوتا ہے۔ تاکہ معلوم ہو جائے۔ کہ انسان کے پیدا کرنے سے معرفت اور محبت اور طاعت کے سوا اور کچھ مقصود نہیں جیسا کہ فرمایا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ اور نہیں پیدا کیا ہم نے جنوں اور انسانوں کو مگر اس واسطے کہ وہ طاعت اور فرمانبرداری کریں۔ پس یہ گفتگو ہے اس آیت کی تفسیر میں ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ

تیسرا مرتبہ آدمی کی پیدائش کے مرتبوں میں سے یہ ہے کہ نطفہ علقہ بنتا ہے جیساکہ فرمایا ہے۔ فَخَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً پس پیدا کیا ہم نے نطفہ کو علقہ۔ اہل تجربہ کہتے کہ جب نطفہ عورت کے رحم میں پڑتا ہے۔ تو اکٹھا ہو کر کرہ کی مانند گول ہو جاتا ہے۔ اور اس کا رنگ سفید ہوتا ہے چھ رات دن تک اُسی حالت میں رہتا ہے جیساکہ ہم نے بیان کیا ہے۔ اس کے بعد اُس کرہ کے درمیان اس جگہ میں جو مرکز کے نزدیک ہوتی ہے۔ خون سے ایک نطفہ نمودار ہوتا ہے۔ اور وہ وہی جگہ ہے جس کا نام ہم نے مجمع الارواح رکھا ہے۔ اور وہ دِل ہے۔ اس کے بعد دو اور نقطے پیدا ہوتے ہیں۔ وہ خون سے اُسکے اندر پیدا ہوتے ہیں۔ ایک تو پہلے نقطہ کے اوپر کو ہوتا ہے۔ اور دوسرا اُس کے دائیں جانب۔ اوپر کی طرف کا نقطہ تو دماغ ہے اور دائیں طرف کا نقطہ جگر ہے۔ اور یہی تینوں اعضاء رئیسہ کہلاتے ہیں۔ اس کے بعد یہ نقطے کھیچ جاتا ہے۔ اور ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں۔ اور یہ سب کچھ پہلی مدت کے علاوہ یعنی چھ دنوں کے بعد تین دنوں میں پورا ہو جاتا ہے۔ اور ابتداء سے اس وقت تک کل نو دن ہوتے ہیں۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے۔ کہ ایک دن پہلے یا بعد میں ہو۔ اسکے بعد چھ رات دن اور اسی حالت میں گذر جاتے ہیں۔ اور یہ تمام زمانہ ابتدا سے لیکر پندرہ رات دن کا ہوتا ہے۔ اور تمام خون کا رنگ ہو جاتا ہے۔ اور علقہ کہلاتا ہے۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک یا دو دن اس سے آگے پیچھے ہو۔ پس علقہ کے حال کی تشریح یہ ہے جو ہم نے بیان کر دی ہے۔ اس مرتبہ میں پیدا کرنے والے کی کامل قدرت اور حکمت پر بہت دلیلیں ہیں:۔

پہلی دلیل یہ ہے کہ جو نقاش کوئی نقش کرنا چاہتا ہے۔ اس کے واسطے تین چیزیں ہوتی چاہئیں۔ پہلی یہ کہ جسم سخت ہو تاکہ اُس نقش کو ٹھیرا رکھے۔ دوسری مکان فراخ ہو تاکہ نقاش نقش کو پورا بنا سکے۔ تیسری جگہ روشن ہو تاکہ نقاش نقش کو ایسی طرح سے نقش کرے۔ کہ اس میں کسی قسم کا کوئی خلل نہ ہو۔ اور خالق عالم نے فرمایا وصورکم فاحسن صورکم۔ اور تمہاری صورت بنائی۔ خوبصورت نقش کھینچکر دکھایا ہے۔ چنانچہ تینوں شرائط میں سے ایک بھی موجود نہیں۔ کیونکہ اگر یہ نقش قطرۂ منی پر کیا ہے تو اس کی جگہ رحم تھا۔ اور وہ اتنے بڑے نقش کے مقابلہ میں بڑی تنگ جگہ ہے۔ فرمایا ہے هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ اور اللہ وہ ہے جس نے رحموں میں تمہارا نقش کھینچا ہے۔ پس یہ کام بڑے اندھیرے میں ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّن بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ

پیدا کیا تم کو تمہاری ماؤں کے بطنوں میں سرشت بعد سرشت کے تین تاریکیوں میں۔ اِس لئے اس بیان سے ظاہر ہے کہ نطفہ اور علقہ کے احوال کا اختلاف اللہ تعالٰے کی ہستی پر روشن اور کامل دلیل ہے ✦

دوسری دلیل یہ ہے کہ نقاش جب کوئی نقش کھینچنا چاہتا ہے۔ تو وہ پہلے اس نقش کو اس جسم کے ظاہر پر ظاہر کرتا ہے۔ یعنے پہلے اُس کا خاکہ کھینچ لیتا ہے۔ اور اُس کے بعد اُس نقش کو ظاہر سے باطن میں پہنچاتا ہے یعنے اُس کو مکمل کرتا ہے۔ اور یہاں اللہ تعالٰی نے اسکے خلاف کیا ہے۔ پہلے وہ تین نقطے جو دل اور دماغ اور جگر کی جگہ ہیں۔ باطن میں ظاہر کئے ہیں۔ اور اس کے بعد اس نقطہ کو جو خون کا رنگ رکھتا ہے۔ باطن سے ظاہر میں لایا ہے۔ اور یہ اس امر پر دلیل ہے۔ کہ جس طرح اسکی ذات کسی ذات سے مشابہ نہیں ہوتی۔ اسی طرح اسکی صفتیں بھی کسی کی صفتوں سے مشابہت نہیں رکھتیں۔ اور نہ ہی اسکے افعال غیروں کے افعال کی مانند ہوتے ہیں ✦

تیسری دلیل یہ ہے کہ نقاش جب کوئی عجیب نقش کھینچتا ہے۔ تو اسکو چار چیزوں سے بچائے رکھتا ہے۔ مٹی سے بچاتا ہے کیونکہ جب اس پر مٹی بیٹھ جاتی ہے۔ تو اسکو تاریک اور مکدر کر دیتی ہے۔ اسکو پانی سے نگاہ رکھتا ہے۔ کیونکہ اگر اس پر پانی پھر جاتا ہے تو وہ بیکار ہو جاتا ہے۔ اور اُسکو ہوا سے محفوظ رکھتا ہے۔ کیونکہ جس نقش پر ہوا کا بہت گذر ہوتا رہے اُسکی طراوت اور تازگی نہیں رہتی۔ اور اسکو آگ سے بچائے رکھتا ہے۔ کیونکہ جس نقش پر آگ پڑ جاتی ہے۔ وہ بلکہ نیست و نابود ہو جاتا ہے۔ اور خالق عالم کے افعال اُسکے خلاف ہیں۔ کیونکہ آدمؑ کو خاک سے پیدا کیا ہے۔ فرمایا ہے اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ۔ تحقیق مثال عیسٰی علیہ السلام کی اللہ کے نزدیک آدم علیہ السلام جیسی ہے۔ کہ پیدا کیا ہے اس کو مٹی سے۔ اور دوسرے حیوانوں کو پانی سے پیدا کیا ہے۔ جیسے فرمایا ہے وَاللّٰہُ خَلَقَ کُلَّ دَآبَّۃٍ مِّنْ مَّآءٍ اور اللہ نے پیدا کیا ہر ایک حیوان کو پانی سے۔ اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کو ہوا سے پیدا کیا ہے۔ فرمایا ہے فَنَفَخْنَا فِیْہَا مِنْ رُّوْحِنَا۔ پس پھونکا ہم نے اس میں اپنے روح میں سے۔ اور جنوں کو آگ سے پیدا کیا ہے۔ فرمایا ہے وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰہُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ اور جن۔ پیدا کیا ہم نے اُن کو پہلے سے گرم ہوا کی لُو سے۔ یہ تمام دلیلیں اس پر گواہ ہیں۔ کہ اللہ تعالٰی کے فعل کسی مخلوق کے فعلوں سے مشابہ نہیں ہوتے ✦

چوتھی دلیل یہ ہے۔ کہ انسان کے وجود کی جو چیز پہلے پیدا کی گئی ہے وہ دل ہے کیونکہ بدن کا سلطان دل ہے۔ پس سوچنا چاہیئے۔ کہ دِل بدن کا سلطان کیوں ہوا۔ اور دوسرے اعضاء اسکی رعیت کیوں بنے یہ اس واسطے نہیں۔ کہ یہ عضو دوسرے اعضاؤں سے بہت بڑا ہے۔ کیونکہ آدمی کے بدن میں اور بہت سے اعضاء ہیں جو دل سے بڑے ہیں۔ اور یہ سبب بھی نہیں کہ دوسرے اعضاؤں سے زیادہ سخت ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہڈیاں بدرجۂ اولیٰ سلطان ہوتیں۔ اور دل کی صفتوں میں سے جس صفت کا اعتبار کیا جائے معلوم ہوتا ہے کہ دل کی سلطنت اس صفت کے باعث سے نہیں مگر ایک صفت۔ اور وہ یہ ہے کہ دل فکر کا محل ہے۔ اور معرفت اور محبت کی کان تو دل جو بدن کا سلطان بنا ہے۔ تو اس واسطے کہ وہ علم کا محل ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کی درگاہ سے معرفت اور حکمت سے بڑھ کر کوئی خلعت فاخرہ بندوں کو نہیں ملا +

پانچویں دلیل یہ ہے کہ رُوح بدن کا سلطان ہے۔ اور اس کا تخت دل ہے۔ اور اس سلطان کو تخت کی حاجت تھی۔ اِس لئے اس کے تخت کا وجود دوسرے اعضاؤں کے وجود سے پہلے ہوا ہے۔ اور اگر خالق عالم یعنے اللہ تعالیٰ تخت پر ہوتا۔ تو ایسا ہونا چاہیئے تھا۔ کہ عرش کا وجود باقی تمام جسموں سے مقدم ہوتا۔ لیکن یہ قرآن کی آیت اور حدیث سے باطل ہے۔ فرمایا ہے اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۔ تحقیق تمہارا رب وہ معبود ہے۔ جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمینوں کو چھ دن میں۔ اور پھر عرش پر مستوی ہوا۔ کلمہ ثُمَّ اسکو چاہتا ہے۔ کہ عرش پر استوا آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش کے بعد ہوا ہے۔ اور حدیث میں وارد ہے۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰى الْعَقْلَ پہلے جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے وہ عقل ہے +

چھٹی دلیل۔ فرقہ مشبہ کے لوگ کہتے ہیں۔ جو چیز اشرف ہوتی ہے۔ اس کا مکان سب سے اوپر ہوتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ موجودات سے اشرف ہے۔ تو سب موجودات سے اسکا مکان بھی اوپر ہونا چاہیئے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے اس شبہ کے باطل کرنے کے واسطے تمام لوگوں کو جتلا دیا ہے کہ سب اعضاؤں کا سلطان دل ہے۔ اور وہ سب اعضاؤں سے اوپر نہیں۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ جو یہ کہا ہے کہ جو چیز اشرف ہوتی ہے اس کا مکان بھی سب سے اوپر ہونا چاہیئے۔ باطل ہے +

ساتویں دلیل یہ ہے کہ پکانے سے پہلے گوشت سُرخ ہوتا ہے اور جب اس کو پکاتے ہیں۔ تو اسکی سُرخی کم ہو جاتی ہے۔ اور سفیدی کے رنگ کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے سفید نطفہ کو ماں کے رحم کی دیگ میں رکھا۔ اور حرارت غریزی سے اس کو پکایا پہلے سفید تھا۔ اس لئے سُرخ ہو گیا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ خدا تعالیٰ کے فعل لوگوں کے فعلوں سے مشابہ نہیں ہوتے۔

چوتھا مرتبہ پیدائش کا یہ ہے۔ کہ علقہ مضغہ ہوتا ہے۔ اور ہم نے بیان کیا ہے۔ کہ رحم میں نطفہ پڑنے کے وقت سے پندرہ روز میں علقہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد بارہ روز میں مضغہ بنتا ہے۔ اور دل اور دماغ اور جگر ایک دوسرے سے الگ ہوتے ہیں۔ اور پیٹھ کے مُہروں کی صُورت نمودار ہوتی ہے۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ مطلب دو یا تین روز اس زمانہ سے پہلے یا بعد میں حاصل ہو۔ اور اس کے بعد اور نو دنوں میں انسان کا سر کندھوں سے جدا ہوتا ہے۔ اور پہلو سے ہاتھ الگ ہوتے ہیں۔ اور ممکن ہے کہ ان حالات کا ظہور چالیس روز سے پہلے پہلے ہی ہو جائے۔ اگر کوئی سائل سوال کرے کہ عبداللہ بن مسعود رضؓ مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا ہے اِنَّ خَلْقَ اَحَدِکُمْ یُجْمَعُ فِیْ بَطْنِ اُمِّہٖ اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا ثُمَّ یَکُوْنُ عَلَقَۃً مِثْلَ ذٰلِکَ ثُمَّ یَکُوْنُ مُضْغَۃً مِثْلَ ذٰلِکَ ثُمَّ یُرْسِلُ اللّٰہُ تَعَالٰی مَلَکًا یَنْفُخُ فِیْہِ فَیُؤْمَرُ بِاَرْبَعِ کَلِمَاتٍ فَیَکْتُبُ رِزْقَہٗ وَاَجَلَہٗ وَعَمَلَہٗ وَشَقِیٌّ اَوْ سَعِیْدٌ۔ تحقیق تم میں سے ہر ایک کا خلق جمع کیا جاتا ہے۔ اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس۴۰ روز۔ اسکے بعد علقہ ہوتا ہے مثل اس کی۔ اس کے بعد مضغہ ہوتا ہے مثل اس کی۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ فرشتہ بھیجتا ہے جو اس میں رُوح پھونکتا ہے۔ پھر اسکو چار حکم دِئے جاتے ہیں۔ پھر اس کا رزق لکھا جاتا ہے۔ اور اس کی موت کا وقت اور اس کا عمل اور اس کا بدبخت ہونا یا نیک بخت ہونا یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ چالیس۴۰ روز میں نطفہ ہوتا ہے اور چالیس۴۰ ہی روز میں علقہ اور چالیس۴۰ ہی روز میں مضغہ۔ اور یہ اس قول کے خلاف ہے جو اہل تجربہ نے بیان کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں شک نہیں چالیس روز میں یہ اعضاء پیدا ہو جاتے ہیں۔ مگر ان حالات کا کمال ایک سو بیس روز کے گذرنے کے بعد ہوتا ہے۔

پانچواں مرتبہ پیدائش کا یہ ہے کہ مضغہ ہڈیاں بنے جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

فخلقنا المضغۃ عظاما پس بنایا ہم نے مضغہ کو ہڈیاں۔ اور جاننا چاہیئے کہ خداوند تعالے نے ذی حیوان کے اعضا میں سے ہڈیوں کو بھی عضو قرار دیا ہے۔ کیونکہ ہڈیوں کی پیدائش نطفہ سے بھی زیادہ عجیب ہے۔ کیونکہ نطفہ نہایت مرطوب جسم ہوتا ہے۔ اور ہڈیاں نہایت سخت اور گوشت ان کا سخت اور نرم جسموں کے درمیانی متوسط جسم ہے۔ پس عقل کے نزدیک تو ایسا ہونا چاہیئے تھا۔ کہ نطفہ سے اول گوشت بنتا۔ اور پھر ہڈیاں بنتیں۔ لیکن ایسا نہیں کیونکہ ہڈیاں بدن کا اصل ہیں۔ اور گوشت اس کا تابع ہے۔ اور اس کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا فکسونا العظام لحما۔ پس پہنایا ہم نے ہڈیوں کو گوشت۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ حیوان کے اعضاء کا حدوث طبیعت اور خاصیت کے موافق نہیں۔ بلکہ مصلحت کے مطابق ہے۔ اس واسطے اس کا حدوث قدرت اور ارادت سے ہونا چاہیئے طبع اور علت سے۔ پس ہڈیوں کی تعداد کی شرح اور ہر ایک کی شکل اور کیفیت کا بیان کیا جائیگا انشاء اللہ تعالیٰ +

چھٹا مرتبہ یہ ہے کہ فرمایا ہے فَکَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا۔ پس پہنایا ہم نے ہڈیوں کو گوشت اور یاد رکھنا چاہیئے کہ گوشت کے پیدا کرنے میں بہت سی حکمتیں ہیں۔ پہلی حکمت یہ ہے۔ کہ خالق عالم نے ایسا مقرر کیا ہے کہ حس اور حرکت کی قوت کا منبع دماغ ہو۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ جب دماغ اور کسی دوسرے عضو کے درمیان سُدہ پیدا ہو جاتا ہے۔ تو اس عضو کی حس اور حرکت کی قوت باطل ہو جاتی ہے۔ اور جب ایسا ہے تو ایک ایسا آلہ ہونا چاہیئے تاکہ حس اور حرکت کی قوتیں اس میں سے گذریں۔ اور سب اعضاؤں میں پہنچ جائیں۔ ایسا آلہ پٹھے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالے نے دماغ سے پٹھے اُگائے ہیں۔ اور اُن پٹھوں کو بدن کی تمام ہڈیوں سے ملا دیا ہے تاکہ حس اور حرکت کی قوت جو ہڈیوں کو ہلاتی ہے ان پٹھوں میں سے گذر سکے۔ اور ان پٹھوں کو بہت باریک نہیں بنایا۔ اگر بہت باریک ہوتے تو درمیان سے ٹوٹ جانے کا خطرہ ہوتا۔ اور ہڈیوں سے کامل متصل بھی نہیں کیا۔ اُس حکیم اور علیم خالق نے گوشت پیدا کیا ہے۔ اور پٹھوں کو لیف دار کر مفروش کیا ہے۔ اور اس طرح گوشت سے ملایا ہے۔ اور پھر اس گوشت کو ہڈیوں سے پیوستہ کیا ہے۔ تاکہ جلدی ٹوٹ جانے کے خوف سے امن میں ہو جائیں۔ اور ہڈیوں سے بھی اچھی طرح ملے رہیں۔ اور گوشت کے پیدا کرنے میں یہ بہت بڑا فائدہ ہے۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ جب بدن کی ہڈیاں بن چکیں۔ اور اُن کے بیچ میں فاصلے رہ گئے۔ تو اس حکیم خالق نے گوشت پیدا کر دیا۔ تاکہ وہ فاصلے گوشت سے بند

ہو جائیں جیساکہ جب لکڑیوں کو ایک دوسری پر رکھ کر گھر کی چار دیواری بناتے ہیں۔ اور ان لکڑیوں میں فاصلے باقی رہ جاتے ہیں۔ تو ان کو مٹی سے بند کر دیتے ہیں تیسری حکمت یہ ہے کہ گوشت خون سے پیدا ہوتا ہے اور خون بالطبع گرم و تر ہے۔ اور حرارت کی قوت گوشت میں باقی رہتی ہے۔ اس لئے گوشت جو آدمی کے بدن میں ہے۔ اس کے وجود کی حرارت کی قوت کا سبب ہے۔ اور یہ گوشت اسکے بدن میں گویا ایسا ہے جیساکہ اس کے بستر میں روئی۔ اور یہی وجہ ہے کہ جو شخص موٹا ہوتا ہے یعنی جس کے بدن میں گوشت زیادہ ہوتا ہے۔ اس کو دُبلے آدمی کی نسبت سردی کم محسوس ہوتی ہے۔ چوتھی حکمت یہ ہے کہ اگر ہڈیوں کے بیچ میں گوشت حائل نہ ہو تو سخت ہونے کی وجہ سے ایک دوسری سے رگڑ کر ٹوٹ جائیں جیساکہ دو ٹھیکریاں ایک دوسری سے رگڑی جائیں۔ تو دونوں گھِسکر ٹوٹ جاتی ہیں۔ پس اس ضرر کے دفع کرنے کے واسطے خالق عالم نے ہڈیوں کے درمیان گوشت پیدا کر دیا ہے۔ اور اس میں اَور حکمت یہ ہے۔ کہ اگر آدمی کے بدن پر گوشت نہ ہوتا۔ تو زمین پر سونے کے وقت ہڈیاں زمین سے ٹکرائیں اور اس سے آدمی کو سخت درد پہنچتا۔ لیکن جب آدمی کے بدن پر گوشت ہے۔ تو سونے کے وقت وہ گوشت پہلوؤں کے نیچے نرم بستر کی مانند ہوتا ہے۔ اور اس سے آدمی کو درد اور رنج نہیں پہنچتا۔ پس بہت ہی پاک اور کامل حکیم ہے۔ وہ خداوند جس نے مخلوقات کے ہر ایک نوع میں بیشمار حکمتیں پیدا کی ہے وَهُوَ الْعَلِيْمُ۔

ساتواں مرتبہ پیدائش کا یہ ہے۔ فرمایا ہے ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ۔ پھر ہم نے اس کو دوسری خلق میں پیدا کیا۔ طبیبوں نے کہا ہے کہ جتنی مدت میں اعضاؤں کی پیدائش ہوتی ہے جب اس سے دُگنی مدت میں اعضاؤں کی پیدائش پوری ہو جاتی ہے۔ اور جب اس مجموعہ کا دو چند اَور مدت گذر جائے تو ماں کے رحم سے جنین الگ ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر تیس ۳۰ روز میں اعضاؤں کی پیدائش ہو تو ساٹھ دن میں کامل ہو جاتے ہیں۔ اور ایکسو بیس روز اَور گذرنے کے بعد جنین ماں کے رحم سے جُدا ہو جاتا ہے۔ پس یہ کُل مجموعہ ایکسو اسّی روز ہوئے۔ اور یہ چھ مہینے ہوتے ہیں۔ اور اگر پینتیس روز میں اعضا نمودار ہوں۔ تو ستر روز میں انکی پیدائش تمام ہو جاتی ہے۔ اور ایک سو چالیس ۱۴۰ روز اَور گذرنے کے بعد جنین رحم سے الگ ہو جاتا ہے۔ اور ان سب کا مجموعہ دو سو دس ہوتا ہے۔ اور یہ سات مہینے ہوتے ہیں۔ اور اگر چالیس روز میں کسی انسان کے اعضاؤں کی خلقت ہو۔ تو اسّی دن میں

وہ پوری ہو جاتی ہے۔ اور ایک سو ساٹھ اور گذرنے کے بعد جنین رحم سے الگ ہو جاتا ہے اور یہ سب مدت دو سو چالیس روز تک ہوتی ہے جس کے آٹھ مہینے ہوتے ہیں۔ اور اگر اعضا پنتالیس روز میں پیدا ہوں تو نوے دن میں تمام ہو جاتے ہیں۔ اور ایک سو ہی دن اور گذر جانے کے بعد جنین رحم سے جدا ہو جاتا ہے۔ اور ان سب کا مجموعہ دو سو ستر ہوتا ہے۔ اور یہ نو مہینے ہوتے ہیں۔ اور یاد رکھنا چاہئے کہ یہ جو اندازہ کیا گیا ہے تقریبی ہے تحقیقی نہیں۔ کیونکہ اِن مقداروں کی زیادتی کمی کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں۔ اور انسان کی عقل ان مقداروں کی علتوں کے معلوم کرنے سے قاصر ہے۔ ممکن نہیں کہ ان پر کسی کو پوری پوری اطلاع ہو سکے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ کی حکمت کے لاانتہا اسرار کو خدا تعالیٰ کے بے انتہا علم کے سوا کوئی نہیں جان سکتا ✦

باب ۲

(آدمی کی پیدائش کے ان عجائب امور میں جو اعضا بسیط میں ہیں)

حیوان کے اعضا دو قسم پر ہیں ایک بسیط یعنی مفرد کہلاتے ہیں۔ دوسرے مرکب عضو بسیط اسے کہتے ہیں کہ اگر اس کی کوئی سا محسوس جز الگ کیا جائے۔ تو اس جز کا نام اور اس کی تعریف اس کے کل کے نام اور تعریف کا عین ہو۔ جیسا کہ ہڈی کا کوئی ٹکڑا الگ کیا جائے۔ تو وہ ٹکڑا بھی ہڈی ہی کہلائیگا۔ اور گوشت کا کوئی سا ٹکڑا الگ کریں وہ گوشت ہی کہلائیگا۔ اور جو عضو ایسا نہ ہو اسکو مرکب کہتے ہیں جیسے ہاتھ۔ جب ہاتھ کا کوئی ٹکڑا الگ کر لیا جائے۔ تو وہ ٹکڑا ہاتھ نہیں کہلائیگا۔ اسی طرح پاؤں کا ٹکڑا پاؤں نہیں کہلاتا۔ اور یاد رکھنا چاہئے کہ بسیط اعضا کی دس قسمیں ہیں۔ عِظَام یعنے ہڈیاں۔ غضاریف یعنی مُرکنی ہڈیاں۔ اعصاب یعنے پٹھے۔ رباطات۔ اَوتار۔ اَورِدہ یعنے وریدیں۔ شریانات یعنے شریانیں۔ اغشیہ یعنے پردے۔ لحم یعنے گوشت۔ جِلد یعنے چمڑا۔ یہ ہیں تمام اعضاء مفرد جو حیوان کے بدن میں موجود ہیں۔ اب ہم ان اعضاؤں میں سے ہر ایک اعضاء کے کچھ فائدے اور صفتیں بطور اختصار بیان کرتے ہیں ✦

فصل ۔ ۱

(ہڈیوں کی صفتیں)

اس فصل میں چار مسئلہ لکھے جاتے ہیں پہلا مسئلہ ۔ ہڈیوں کی دو قسمیں کی گئی ہیں ۔ پہلی قسم میں تین نوع کی ہڈیاں شامل ہیں جو بدن کو فائدہ پہنچانے کے لحاظ سے ان نوعوں میں تقسیم ہوئی ہیں ۔ پہلی نوع میں وہ ہڈیاں ہیں جو تمام بدن کے لئے مثل اصل اور بنیاد کے ہیں ۔ کہ دوسرے اعضاء اُن پر رکھے گئے ہیں جیسے جب کوئی شخص کشتی بناتا ہے تو پہلے بڑی سی لکڑی نیچے رکھتا ہے ۔ اور اس کے اوپر دوسری لکڑیوں کو ترتیب دیتا ہے تاکہ تمام کشتی بنجائے ۔ دوسری نوع میں وہ ہڈیاں ہیں ۔ جو تمام بدن کے واسطے مثل ڈھال کے ہیں ۔ تاکہ اگر باہر سے بدن پر کوئی بلا آئے ۔ تو اس کا صدمہ اُن ہڈیوں پر پہنچے ۔ اس عضو کو نہ پہنچے جو اُن کے اندر ہے جیسے کہ سر کی ہڈیاں ہیں ۔ ان کے اندر دماغ ہے اور دماغ عضو شریف ہے ۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے اس کے ارد گرد سر کی ہڈیاں پیدا کر دی ہیں ۔ تاکہ اگر کوئی پتھر یا لکڑی سر کو صدمہ پہنچائے تو اُس کی چوٹ ہڈی پر آئے ۔ دماغ کے جرم پر نہ آئے ۔ تیسری نوع میں وہ ہیں ۔ جو تمام بدن کے واسطے مثل ہتھیاروں اور آلوں کے ہیں ۔ اور اُن کے ذریعہ سے عمل کرنا آسان ہوتا ہے ۔ جیساکہ ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کی ہڈیاں ہیں ۔ کیونکہ انگلیوں کے پیدا کرنے میں یہ حکمت ہے کہ اُن کے وسیلہ سے بہت کام کرنا آسان ہو جائے ۔ ان کے پیدا کرنے میں حکمت یہ ہے ۔ کہ ان کے وسیلہ سے بہت کام کرنے آسان ہو جاتے ہیں ۔ اور جو ہڈی اسواسطے پیدا کی ہے کہ وہ دوسرے عضو کے لئے سپر ہو ۔ اس کو مضبوط اور بڑی پیدا کیا ہے ۔ اور جو اس واسطے پیدا کی ہے کہ وہ کاموں کی حرکتوں کے واسطے آلہ ہو ۔ اسے چھوٹی بنایا ہے ۔ کیونکہ اگر بڑی ہوتی ۔ تو بھاری ہوتی ۔ اور اُس سے کام کرنا آسان نہ ہوتا ۔ اور پھر اس غرض کے لئے کہ بہت سبک ہو ۔ اس کو مجوف بنایا ہے ۔ اور اس کے جوف کو مغز سے بھرا ہے ۔ وجہ یہ ہے کہ جب انھیں حرکتوں اور عملوں کا آلہ بنایا ۔ تو کاموں کی کثرت کی وجہ سے ان میں خشکی ضرور پیدا ہوگی ۔ اس لئے اس کے جوف کو مغز سے بھر دیا ۔ تاکہ وہ مغز اُس کے اجزا کو چرب رکھے ۔ اور حرکات کی کثرت کے سبب خشکی اُس پر غلبہ نہ کرے ۔ پس پاک ہے وہ خدا تعالیٰ جس نے ہزاروں حکمتیں انہ ان کی پیدائش میں پیدا کر دی ہیں ۔ دوسری قسم وہ ہیں کہ جو دو ہڈیاں

ایک دوسری سے پیوستہ ہوتی ہیں۔ ان کی پیوستگی چار طرح پر ہے۔ ایک موصول۔ دوسری مرکوز
تیسری مدروز۔ چوتھی ملتصق۔ اور پہلی نوع جو موصول ہے۔ اسکی چار قسمیں ہیں۔ پہلی قسم یہ ہے
کہ ان میں ایسا جوڑ ہو جس سے حرکت کرنی آسان ہو۔ جیساکہ ہاتھ کے بند کا جوڑ ہے۔ اور
انگلیوں کی ہڈیوں کے جوڑ ہیں۔ دوسری قسم وہ ہیں جن میں ایسا جوڑ ہو جیساکہ پیٹھ کے مُہروں کے
اوپر کے نصف حصہ میں ہے آدمی سیدھا کھڑا ہو سکتا ہے پیٹھ کو جھکا سکتا ہے جیسے رکوع میں لیکن یہ
حرکت ہاتھ کے بندوں اور انگلیوں کی حرکت جیسی نہیں ہوتی تیسری قسم وہ ہیں جن میں ایسا جوڑ ہو کہ ہلکی حرکت بہت کم
ہو جیسی کہ سینوں کی ہڈیوں کی حرکت ہے۔ ان ہڈیوں کے جوڑ میں سانس لینے کے وقت
تھوڑی سی حرکت ضرور ہوتی ہے۔ چوتھی قسم وہ ہیں۔ جو کچھ حرکت نہیں کرتیں جیساکہ پیٹھ کے
مُہروں کے نیچے کے حصہ کی ہڈیوں کے جوڑ ہیں۔ کیونکہ یہ جوڑ بہت محکم اور مضبوط ہیں۔ اس لئے
یہ کچھ حرکت نہیں کرتیں۔ دوسری نوع وہ ہے جس میں دو مرکوز ہڈیاں آپس میں جڑی ہوتی
ہیں۔ وہ اس طرح پر ہیں کہ اوپر کی ہڈیوں کے دندانے نیچے کی ہڈیوں میں سخت گڑے ہوئے
ہوں۔ تیسری نوع جنہیں مدروز کہتے ہیں۔ اور وہ سر کی ہڈیاں ہیں۔ کیونکہ وہ بہت سی ہڈیوں
سے مرکب ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک آرے کی طرح دندانہ دار ہے۔ اور ان کو خدا نے
ایک دوسری میں ترکیب دیا ہے۔ چوتھی نوع میں ملصق ہیں وہ ایسی ہیں جیسے ہاتھ کی کلائی
کی ہڈیاں ہیں۔ کیونکہ یہ دو ہڈیاں ایک دوسری پر رکھی ہوئی ہیں۔ اور پیوستہ کی گئی ہیں +

دوسرا مسئلہ۔ ہڈیوں کی کیفیت کے بیان میں۔ اللہ تعالیٰ نے حیوانوں کے جسم کو
ایک ہڈی سے پیدا نہیں کیا۔ بلکہ بہت ہڈیوں سے پیدا کیا ہے۔ اور اس میں پانچ فائدے ہیں
پہلا فائدہ یہ ہے کہ سر سے پاؤں تک لکڑی کی مانند سخت نہ ہو۔ کیونکہ حیوان کو ایسا بھی کرنا پڑتا
ہے کہ اپنے بعض اعضاؤں کو تو حرکت دے اور بعض اعضاؤں کو نہ دے۔ اگر اس کا تمام بدن
ایک ہی ہڈی ہوتا تو یہ مطلب حاصل نہ ہوتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہت ہڈیوں
سے مرکب کیا ہے تاکہ اس کو یہ طاقت حاصل ہو سکے ایک عضو کو حرکت دینے کے وقت اس کے
دوسرے اعضا ساکن رہیں۔ دوسرا فائدہ یہ ہے کہ حیوانوں کا جسم گرم تر ہے۔ اور یہ حرارت
ہمیشہ رطوبت میں عمل کرتی رہتی ہے۔ اور بخار اٹھاتی رہتی ہے۔ اور اگر ان کے بدن میں ایک
ہی ہڈی ہوتی تو بدن کے اندر سے ان بخارات کا جدا ہونا مشکل ہو جاتا۔ لیکن بہت ہڈیاں ہونے
سے غلیظ بخاران کے جوڑوں سے الگ ہو جاتے ہیں۔ اور بخاروں کے بند ہونے سے جو

آفت پیدا ہوتی ہے۔ وہ دور ہو جاتی ہے۔ تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اگر بدن کی تمام ہڈیوں کی بجائے ایک ہی ہڈی ہوتی۔ اور وہ کسی سبب سے ٹوٹ جاتی۔ تو اس کا اثر تمام بدن کو پہنچتا۔ اور اس سے تمام بدن معیوب ہو جاتا۔ لیکن جب بہت ہڈیوں سے مرکب ہے۔ تو ایک کے شکستہ ہونے سے اس کا اثر دوسری کو نہیں پہنچتا۔ اور باقی بدن سلامت رہتا ہے۔ اور ہاتھ اور پاؤں تمام بدن کے خدمت کرنے والے ہیں۔ اور ان سے بہت فائدے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تین چیزوں بازو ساعد یعنے کلائی اور کتف یعنے کندھے سے مُرکّب ہے۔ اور خدمتگار ہتھیلی ہے۔ اس لئے وہ ستائیس ۲۷ ہڈیوں سے مرکب ہے۔ اس صورت میں اگر ایک ہڈی کو ضرر پہنچتا ہے۔ تو دوسری ہڈیاں سلامت رہتی ہیں۔ تا کہ ہاتھ سے جو فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ وہ رک نہ جائیں۔ پاک ہے وہ اللہ تعالیٰ جس نے آدمی کی پیدائش میں اپنے فضل اور رحمت سے اس قدر طرح طرح کی حکمتیں اور مصلحتیں رکھدی ہیں۔ چوتھا فائدہ یہ ہے کہ بعض اعضاء بڑے ہیں اسلئے اُن کی ہڈیاں بھی بڑی ہونی چاہئیں جیسے ران اور بازو کی ہڈیاں ہیں اور بعض اعضاء چھوٹے ہیں اسلئے انکی ہڈیاں بھی چھوٹی ہونی چاہئیں جیسے انگلیاں۔ اور اگر تمام بدن کی ایک ہی ہڈی ہوتی تو یہ فائدہ حاصل نہ ہوتا۔ پانچواں فائدہ یہ ہے کہ حکمت کا تقاضا ایسا ہوا کہ بعض ہڈیاں مجوف ہوں اور بعض سخت اور مضبوط کیونکہ بدن کے اعضاء میں اشرف دل اور دماغ ہیں۔ دل کو خدا نے بدن کا سلطان بنایا ہے اور اُسکے گرد ایک جھلی پیدا کی تاکہ وہ دل کی محافظ ہو پھر اس غشا یعنے جھلی کے گرد پھیپھڑے کو رکھا پھر سینہ کی ہڈیوں سے چار دیواری اور اسکی پچھلی طرف کو پیٹھ کی ہڈیوں کو قائم کیا پھر ان دونوں قسم کی ہڈیونکی چار دیواری کو گوشت سے بھر دیا تاکہ اگر کسی لکڑی یا پتھر کا صدمہ اس پر آئے تو ہڈی پر اسکا اثر کم ہو۔ اگر یہ ہڈیاں خالی ہوتیں تو پتھر وغیرہ کے صدمہ سے شکستہ ہو جاتیں اور جب ہڈیوں پر گوشت ہو تو اس سے اس پتھر کا اثر کم ہوتا ہے۔ چنانچہ دیکھو کہ اگر ایک پتھر پر دوسرے پتھر کو مارا جائے۔ تو اس سے کچھ نہ کچھ ٹوٹ جاتا ہے۔ لیکن اگر ایک پتھر روئی میں ہو۔ اور دوسرا پتھر اس پر لگے۔ تو اس سے کچھ بھی نہیں ٹوٹتا۔ چونکہ دل بہت شریف عضو تھا۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے یہ سب اعضا اس کی حفاظت اور سلامتی کے واسطے پیدا کئے ہیں۔ اور دماغ بھی شریف عضو تھا۔ اس کے گرد پتلا سا چمڑا بنایا۔ اور پھر اور سخت چمڑا کاسۂ سر کے نیچے پیدا کیا ہے۔ اور اس سے مقصود یہ تھا۔ کہ یہ دونوں چمڑے جرم دماغ اور ہڈیوں کے درمیان حائل رہیں۔ کیونکہ دماغ بہت لطیف ہے۔ اور ہڈیاں بہت کثیف ہیں۔ اور اگر دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہوتی۔ تو لطیف

عضو کو ضروری صدمہ پہنچتا۔ پس اس صدمے کے دور کرنے کے واسطے خدا تعالیٰ نے یہ دو غشا پیدا کر دئے ہیں۔ پھر سر کی ہڈی دماغ کے گرد پیدا کی ہے۔ تاکہ اگر کوئی بلا آئے تو وہ ہڈی اُس بلا کو دماغ کے آس پاس سے دور رکھے۔ پھر اس مطلب کے لئے جو اوپر بیان ہوا ہے اس ہڈی کے اوپر گوشت پیدا کر دیا ہے۔ پھر گوشت کے گرد چمڑا پیدا کیا ہے۔ تاکہ وہ چمڑا اُس گوشت کو عفونت سے بچائے رکھے۔ پھر چمڑے کے اوپر بال پیدا کر دئے ہیں۔ تاکہ اگر کوئی پتھر یا لکڑی لگے تو پہلے بالوں پر آئے۔ اور چمڑے اور گوشت اور ہڈی پر اس کا اثر کم ہو چونکہ دل اور دماغ بدن کے اشرف اعضا تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کے واسطے یہ تمام سامان پیدا کیا ہے۔ اور دوسرے اعضا شرف میں ان سے کم تھے اِس لئے اُن کے واسطے اس قدر احتیاطیں موجود نہیں۔ اور اگر بدن کی ایک ہی ہڈی ہوتی۔ تو یہ فائدہ حاصل نہ ہو سکتا۔ فَتَبَارَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ +

تیسرا مسئلہ سر کی ہڈیوں کی کیفیت میں۔ اللہ تعالیٰ نے سر کی ہڈیوں کی پیدائش میں کئی نوع کی حکمت اور رحمت ظاہر کی ہے۔ پہلی نوع یہ ہے کہ سر کو خدا نے گرد پیدا کیا ہے۔ اور اس میں تین حکمتیں ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ کرہ کی شکل جو گول ہوتی ہے۔ وہ آفتوں سے بچی رہتی ہے۔ کیونکہ جب کرہ کی مانند گول ہوتی ہے تو کسی پتھر یا لکڑی کے ملنے یا ٹکرانے سے اس کو کم صدمہ پہنچتا ہے۔ اور اگر ضلعدار ہوتی۔ تو اس کو زیادہ صدمہ پہنچتا۔ دوسری حکمت یہ ہے۔ کہ سر کی شکل گول ہے۔ اگر اسی حد میں ضلعدار ہوتی۔ تو اُسکی مساحت کم ہوتی۔ اور اب کُروی شکل کی مساحت زیادہ فراخ ہے۔ تیسری حکمت یہ ہے کہ آدمی کا سر آسمان کی مانند ہے۔ اور اُس میں دو آنکھیں آفتاب اور چاند کی مانند ہیں۔ اور قوت حافظہ جیسے لوح محفوظ۔ اور قوت مفکرہ مثل قلم کے ہے۔ پس جیسے فلک کرہ ہے اسی طرح آدمی کا سر بھی کرہ ہے۔ دوسری نوع حکمت کی سر کی پیدائش میں یہ ہے کہ سر کا کاسہ ایک ہڈی نہیں بلکہ بہت سی ہڈیاں ہیں جو ایک دوسری میں ملائی گئی ہیں۔ اور اس میں تین حکمتیں ہیں۔ پہلی حکمت یہ ہے کہ آدمی کا تمام بدن گرم و تر ہے۔ اور جب گرمی تری میں عمل کرتی ہے۔ تو بخارات اٹھ کر اوپر کو چڑھتے ہیں اور سر بدن کے اوپر ہے۔ اس لئے تمام بخار جو بدن میں ہوتے ہیں سر میں آجاتے ہیں۔ اس لئے خداوند تعالیٰ نے سر کی ہڈی کا ایک ہی ٹکڑا پیدا نہیں کیا۔ بلکہ اس کو بہت ہڈیوں سے مرکب بنایا ہے تاکہ جو بخار ہمیشہ سر میں آتا رہتا ہے۔ وہ ہڈیوں کے جوڑوں سے باہر نکلتا رہتا

ہے۔ اور آدمی تندرست اور زندہ رہتا ہے۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ کہ اللہ جلشانہ نے ایک بہت پتلی اور باریک جھلی جرم دماغ کے اردگرد پیدا کی ہے۔ اور ایک دوسری سخت جھلی سر کی ہڈیوں کے نیچے پیدا کی ہے۔ اور ان میں یہ حکمت رکھی ہے۔ کہ دماغ کے لطیف جرم اور ہڈیوں کے کثیف جرم کے درمیان دو جھلیاں حایل رہیں۔ اور ان دونوں جھلیوں کے درمیان فضا بھی موجود رہے۔ کیونکہ اونچی آواز کرنے کے وقت اور بہت غصہ کے وقت دماغ کا جرم بڑھ جاتا ہے۔ اور اگر فضا نہ ہوتا تو دماغ کا جرم ہڈیوں کے جرم سے ملجاتا اور یہ مرض رنج کا باعث ہوتا۔ اور جب یہ معلوم ہوگیا۔ تو اسکے بعد ہم کہتے ہیں۔ کہ یہ حکمت اس وقت حاصل ہوتی ہے۔ کہ جب سخت جھلی ہڈیوں کے جسم سے ملی ہوئی ہو۔ اس لئے اللہ تعالٰے نے جو حکیم کامل ہے۔ سر کی ہڈی کو بہت ہڈیوں سے مرکب بنایا ہے۔ اور کثرت سے بڑی باریک رگیں اس سخت جھلی سے نکالی ہیں۔ اور ان کا گذرگاہ سر کی ہڈیوں کے جوڑوں میں سے بنایا ہے۔ اور انہیں سر کے باہر لانکالا ہے۔ اور اس جھلی سے ملادیا ہے۔ جو سر کے باہر واقعہ ہے تاکہ وہ جھلی جو سر کے اندر ہے۔ ہڈی سے ملی رہے۔ اور جس فضا کا ذکر کیا ہے وہ باقی رہے۔ اور وہ مصلحت حاصل ہو۔ تیسری حکمت یہ ہے کہ دماغ کا جرم بڑا شریف ہے۔ اور کاسۂ سر اس کا محافظ ہے۔ اس لئے اس ہڈی کی احتیاط کرنی واجب تھی۔ اور اگر ایک ہی ہڈی ہوتی۔ اور وہی ٹوٹ جاتی تو سارا کارخانہ باطل ہوجاتا۔ لیکن جب بہت ہڈیوں سے مرکب کیا گیا ہے۔ تو اگر کوئی ٹکڑا ٹوٹ جائے۔ تو باقی ہڈیاں سلامت رہتی ہیں۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سر کو جو بہت ہڈیوں سے بنایا ہے اسی میں ہی انسان کی بڑی مصلحت تھی اور اسی طرح اس چاردیواری بنانے میں مصلحت تھی جیسے بہت سی ہڈیوں سے مرکب کرکے محافظ ٹھیرایا ہے۔ تیسری نوع حکمت کی سر کی ہڈیوں کی پیدائش میں یہ ہے کہ سر کے کاسہ کو چھ ہڈیوں سے مرکب کیا ہے۔ چار ہڈیاں تو چاردیواری کی شکل پر ہیں۔ اور دو بمنزلۂ چھت کے ہیں چاردیواری کی چاروں ہڈیوں میں سے ایک تو پیشانی کی ہڈی ہے۔ دوسری سر کے پچھلی طرف کو ہے اور دو دوسری سر کے دونوں طرفوں میں ہیں ان چھ ہڈیوں میں خالق عالم کی بیشمار حکمتیں ہیں اور ہم ان میں سے کچھ ذکر بھی کرتے ہیں۔ یہ چاروں ہڈیاں جو چاردیواری کی مانند ہیں آپس میں طبیعت اور خاصیت میں متشابہ نہیں یعنے انکی طبیعت اور خاصیت ایک ہی نہیں پیشانی کی ہڈی ان میں سے زیادہ لطیف اور نازک ہے اور جو ہڈی سر کی پچھلی طرف کو ہے۔ وہ ان چاروں سے زیادہ کثیف اور سخت ہے اور باقی دونو ہڈیاں

جو سر کی دونوں طرف ہیں۔ لطافت اور کثافت میں متوسط ہیں۔ اور ایسا کرنے میں دو حکمتیں ہیں۔ پہلی حکمت یہ ہے کہ معدہ اور دماغ کے اگلے حصے کے درمیان میں بڑی شرکت ہے یہ اسی شرکت کا باعث ہی ہے۔ کہ اگر ناخوش بُو سونگھی جاتی ہے۔ تو اس میں پہنچ جاتی ہے اور اگر کوئی سرد پانی پیتا ہے۔ تو اسکی سردی کا اثر آدمی کے دماغ کی اگلی طرف میں پہنچ جاتا ہے اِس سے ظاہر ہے کہ معدہ اور دماغ کے اگلے حصہ کے درمیان بڑی شرکت ہے۔ اور معدہ بہت سی رطوبتوں کا محل ہے۔ اسواسطے ہمیشہ بہت سے بخارات معدہ سے دماغ کی اگلی طرف پر آتے رہتے ہیں۔ پس اس مطلب کے واسطے اللہ تعالیٰ نے پیشانی کی ہڈی بہت نرم اور لطیف پیدا کی ہے تاکہ وہ بخارات لطیف ہڈی کے سوراخوں سے نکلجائیں۔ اور جب معدہ اور دماغ کے اگلے حصہ میں شرکت ہے۔ اور اسکی دماغ کے پچھلے حصہ کے ساتھ مشارکت ہوجاتی ہے۔ اس واسطے سر کی اگلی ہڈی تو بڑی لطیف اور سر کی پچھلی طرف کی ہڈی سخت پیدا کی ہے۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ سر قوت بینائی کا نگاہ رکھنے والا ہے۔ اور آنکھ سر کی اگلی طرف میں ہے سر کی پچھلی جانب نہیں۔ اس لئے اگلی ہڈی تو آنکھ کی حفاظت میں ہے۔ اور پچھلی ہڈی آنکھ کی حفاظت سے محروم ہے۔ اس لئے سخت قوی ہونے میں احتیاط زیادہ ہوتی ہے۔ اور دو ہڈیاں جو سر کے دونوں طرف ہیں آنکھ کی حفاظت کے فائدہ میں متوسط درجہ رکھتی ہیں۔ اس لئے یہ سختی اور نرمی میں معتدل ہیں پس یہ فائدے اور مصلحتیں ہیں جو خدا نے اپنے بیشمار فضل اور اپنی بے انتہا رحمت سے عطا کئے ہیں +

چوتھا مسئلہ۔ انسان کے اعضاؤں کے فائدوں میں بہت گفتگو ہے۔ اگر ان سب کو ہم لکھیں تو بہت سی جلدیں لکھنی پڑتی ہیں لیکن ہم ایک اور مثال بیان کر کے اسی پر اس گفتگو کو ختم کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ بدن کے سب اعضا میں سے بہت چھوٹا اور حقیر عضو انگلیاں ہیں۔ ان کے ہم کچھ تھوڑے سے فائدے بیان کرتے ہیں۔ اور باقی اعضاء کو ان پر ہی قیاس کرلیا جائے۔ اس سے معلوم ہوجائیگا۔ کہ دُنیا کے تمام ذرّوں میں سے ہر ایک ذرہ کی پیدائش میں خداوند تعالیٰ کی بے انتہا حکمتیں ہیں۔ اور انسان کی عقل کو ان میں سے بہت تھوڑا معلوم ہوا ہے۔ اس بیان کی آٹھ قسمیں کی جاتی ہیں +

پہلی قسم۔ انگلیوں کی پیدائش کی کیفیت میں اس صانع حکیم نے جو رحیم اور سب سے زیادہ بلند ہے۔ انگلیوں کی پیدائش میں کئی طرح کی حکمتیں رکھی ہیں۔ پہلی حکمت یہ ہے کہ ہاتھ کے پیدا کرنے

سے یہ مطلب ہے کہ وہ بدن کی خدمت کرے اور بدن کی خدمت اس وقت پوری ہوتی ہے۔ کہ انگلیوں میں سے ہر ایک انگلی تین ہڈیوں سے مرکب ہو۔ کم یا زیادہ سے نہ ہو۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کو جب وہ اپنا سارا ہاتھ بدن پر ملنا چاہے اسکی ضرورت ہوتی ہے۔ کہ انگلیوں کو سیدھا رکھے۔ اور اگر انگلیاں گردپیدا کی جاتیں۔ تو یہ فائدہ باطل ہو جاتا۔ اور کبھی آدمی کو جب وہ مکا مارنے لگے اسکی ضرورت پڑتی ہے کہ انگلیوں کو اکٹھا کرلے۔ اگر انگلیاں ایک ہی ہڈی سے بنی ہوتیں۔ تو مکا مارنے کا فائدہ حاصل نہ ہوتا۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ انسان کی مصلحت اور بہتری اسی میں تھی۔ کہ اس کی انگلیاں بہت ہڈیوں سے مرکب ہوں۔ اور یہ بھی ٹھیک تھا۔ کہ ہر ایک انگلی دو ہڈیوں سے مرکب ہو۔ کیونکہ جب آدمی کوئی چیز پکڑنی چاہتا ہے۔ تو انگلیاں دائرہ کی مانند اس چیز کے اردگرد لانی پڑتی ہیں۔ اور اگر ہر ایک انگلی دو ہڈیوں سے مرکب ہوتی۔ تو یہ مطلب آسانی سے حاصل نہ ہوتا۔ اور اسی طرح ایسا وقت بھی آجاتا ہے کہ آدمی کو یہ ضرورت پڑتی ہے کہ اپنی ہتھیلی کو پیالہ کی مانند بنالے جیسا کہ پانی پینے کے وقت ہوتا ہے۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دونوں ہتھیلیوں کو ایک دوسری سے ملانا پڑتا ہے۔ اور دونوں ملکر بڑے پیالہ کی مانند بنجاتی ہیں۔ جیسا کہ وضو کرنے کے وقت ہوتا ہے۔ جب آدمی وضو کرنے لگتا ہے۔ تو دونوں ہتھیلیوں کو ایک دوسری سے ملا لیتا ہے۔ اور ان کے ملانے سے ایک بڑا کاسہ بنجاتا ہے۔ اور اگر ہر ایک انگلی دو ہڈیوں سے مرکب ہوتی تو یہ مطلب آسانی سے نہ نکلتا۔ اور اسی طرح اگر انگلیوں کی دو دو ہڈیاں ہوتیں۔ تو مکا مارنے کے وقت ان کا اکٹھا ہونا آسانی سے حاصل نہ ہوتا پس اس بیان سے ظاہر ہے کہ یہ مناسب نہیں ہے کہ ہر ایک انگلی ایک ہی ہڈی یا دو ہڈیوں سے مرکب ہو۔ اور نہ ہی یہ جائز ہے کہ تین ہڈیوں کے سوا زیادہ ہڈیوں سے مرکب ہو کیونکہ جس چیز میں ترکیبیں زیادہ ہوں یعنے ایک جنس کی بہت چیزوں سے ملکر بنی ہو۔ وہ بہت ضعیف اور کمزور ہوتی ہے۔ اور ہاتھ کے پیدا کرنے سے مقصود یہ ہے۔ کہ اس سے بہت کام حاصل ہوں۔ پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصلحت اور بہتری اسی میں تھی۔ کہ ہاتھ کی ہر ایک انگلی تین ہی ہڈیوں سے مرکب ہو۔ اس سے کم اور زیادہ سے نہ ہو۔ اور جیسے ہر ایک انگلی تین ہڈیوں سے مرکب ہے۔ اسی طرح تمام ہاتھ بھی تین ٹکڑوں سے مرکب ہے۔ ایک بازو۔ دوسرا کلائی۔ تیسرا ہتھیلی۔ تعالیٰ مَنْ لَهُ الصُّنْعُ الْمُتْقَنُ وَالتَّالِيفُ الْعَجِيبُ بہت ہی بلند ہے وہ جس کی صنعت مضبوط اور تالیف عجیب ہے۔

دوسری قسم حکمت کی انگلیوں کی پیدائش میں یہ ہے۔ کہ چار انگلیاں تو ایک ہی صنعت پر پیدا کی گئی ہیں۔ اور پانچویں انگلی جسے انگشت نر کہتے ہیں۔ وہ اس صنعت پر پیدا نہیں ہوئی بلکہ اس کو ایسا پیدا کیا ہے کہ یہ ایک باقی چاروں کے برابر اور مقابل میں ہے یہی سبب ہے کہ اگر پانچویں انگلی پر کوئی آفت پہنچتی ہے تو ہاتھ کے اکثر کاموں میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ اور اسی حکمت کی وجہ سے انگوٹھے اور باقی چاروں انگلیوں میں جو فاصلہ ہے وہ اس فاصلہ سے زیادہ ہے جو باقی کی چاروں میں سے ہر ایک میں ہے۔ اسی واسطے جب آدمی کوئی گول چیز پکڑنی چاہتا ہے۔ تو چار انگلیاں تو ایک طرف کر دیتا ہے۔ اور پانچویں انگلی دوسری طرف پر رکھتا ہے۔ اور ان کو دائرہ کی مانند اس چیز کے گرد لاکر اسے اٹھا لیتا ہے۔ اور اگر وہ چیز بہت بڑی ہوتی ہے۔ تو دونوں ہاتھ اسکے گرد ڈال کر اس کو اٹھاتا ہے۔ اور دو انگلیوں کی چھ ہڈیاں ہوتی ہیں۔ اور اگر کوئی چیز بڑی ہوتی ہے تو دونوں ہاتھ بہ شکل دائرہ اس کے گرد میں لاکر اٹھاتا ہے جیسے اوپر کہا گیا ہے۔ اور یہ بھی چھ ہڈیاں ہوتی ہیں۔ اس میں ایک اور لطیف بات بھی ہے جو بہت بڑی عجیب ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ پکڑنے کا جو طریق بیان ہوا ہے۔ اس طریق سے جب دو انگلیاں کسی چیز کے گرد لاتے ہیں۔ تو اس سے ایک مسدس شکل پیدا ہوتی ہے۔ اور مسدس کے درمیان دائرہ۔ اور یہ عجیب مناسبت ہے پس دائرہ مسدس کے نزدیک ہے۔ اور اس شکل کا دائرہ آفات کے اثر سے محفوظ رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انگلیوں کی ترکیب بھی تین ہڈیوں سے ہوئی ہے اور ہاتھ کی ترکیب بھی تین ہڈیوں سے۔ فَتَبَارَکَ اللّٰہُ اَحۡسَنُ الۡخَالِقِیۡنَ ✦

تیسری قسم کی حکمت انگلیوں کی پیدائش میں یہ ہے کہ لمبائی اور کوتاہی میں مختلف پیدا کی ہیں۔ اور اس میں دو حکمتیں ہیں۔ پہلی حکمت جو بڑی عجیب ہے یہ ہے۔ کہ ایک وقت انسان کو حاجت پڑتی ہے کہ اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کا کاسہ بنائے۔ جیسا کہ جب آدمی اپنے ہاتھ کی ہتھیلی سے پانی پینا چاہتا ہے۔ اور ایسا تب ہی ہو سکتا ہے۔ کہ اس کی ہتھیلی میں گڑھے کی شکل بن جائے اور وہ گڑھا آہستہ آہستہ کم ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ہتھیلی کے کنارے تک ہاتھ سب طرف سے آہستگی کے ساتھ پہنچ جاتا ہے۔ جیسا کہ پیالہ کہ اسکے اندر گڑھا ہوتا ہے۔ پھر وہ گڑھا آہستہ آہستہ اوپر کو آتا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ پیالے کے کناروں تک آجاتا ہے۔ اور ایسا تب ہی ہو سکتا ہے۔ کہ انگلیاں لمبائی اور کوتاہی میں مختلف ہوں۔ اس پر دلیل یہ ہے۔ کہ جب ہاتھ کی ہتھیلی کاسہ کی طرح

بناتے ہیں۔ اور انگلیوں کے سروں کو اکٹھا کرتے ہیں۔ تو چاروں انگلیوں کے سرے برابر ہو جاتے ہیں۔ پس اس سے ثابت ہے کہ ہاتھ کی ہتھیلی کا کاسہ بنانا اُسی وقت آسان ہو سکتا ہے۔ کہ انگلیاں لمبائی اور کوتاہی میں مختلف ہوں۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ جب انگلیاں سیدھی کھڑی ہوں۔ تو اُنکے سروں کی شکل نصف دائرہ کی سی ہو جاتی ہے۔ اور ہم نے اس بات کو ثابت کر دیا ہے۔ کہ دائرہ سب شکلوں میں سے اشرف ہے +

چوتھی قسم انگلیوں کی ہڈیوں کی پیدائش میں۔ اس میں اللہ تعالٰے نے پانچ طرح کی حکمتیں رکھی ہیں پہلی یہ ہے کہ انگلیوں کی ہڈیاں بہت سخت بنائی ہیں۔ کیونکہ ان سے اکثر سخت کام کرنے پڑتے ہیں اس لئے ضرور ہوا۔ کہ یہ انگلیاں بہت سخت پیدا کی جائیں۔ دوسری حکمت یہ ہے۔ کہ انگلیوں کو گول پیدا کیا ہے۔ کیونکہ شکلوں میں سے اشرف شکل دائرہ کی ہے تیسری حکمت یہ ہے کہ وہ مجوف ہوتی ہیں۔ کیونکہ بہت سے کام انہی انگلیوں ہی سے کئے جاتے ہیں۔ اس لئے انگلیاں سبک ہونی چاہئیں۔ چوتھی حکمت یہ ہے کہ انگلیوں سے بہت کام ہوتے ہیں۔ اس واسطے یہ اکثر حرکت میں رہتی ہیں۔ اور حرکت گرمی کا باعث ہے۔ اور گرمی خشکی کا باعث ہے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے ان انگلیوں کے جوف میں مغز پیدا کر دیا ہے۔ جو روغن سے ملتا جلتا ہے تاکہ اس مغز کی چربی اس ضرر کو جو حرکت کی خشکی سے پیدا ہوتا ہے دفع کرے۔ پانچویں حکمت یہ ہے۔ کہ جب ہر ایک انگلی تین ہڈیوں سے بنی ہے تو ضرور ہے۔ کہ پہلی ہڈی دوسری کی حامل یعنے اُٹھانے والی ہو۔ اور دوسری تیسری کی۔ اور اس سے لازم آتا ہے کہ حامل محمول سے زیادہ قوی ہو یعنے اُٹھانے والی ہڈی اُن سے زیادہ مضبوط ہو جس کو اُس نے اُٹھایا ہوا ہے۔ اس واسطے پہلی ہڈی بہت قوی پیدا کی ہے۔ اور اس سے دوسرے درجہ پر دوسری اور سب سے چھوٹی تیسرے درجہ پر +

پانچویں قسم انگلیوں کی ہڈیوں کے بیان میں یہ ہے۔ کہ پیدا کرنے والے حکیم نے اس باب میں دس قسم کی اور حکمتیں رکھی ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ ان ہڈیوں کی ترکیب ایسی ہونی مناسب تھی۔ کہ ایک انگلی متحرک ہو جبکہ دوسری ساکن ہو۔ اور یہ مطلب اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے۔ کہ ایک ہڈی میں نقرہ یعنے مغاک ہو۔ اور دوسری میں لقمہ یعنے زیادتی۔ تاکہ جب یہ زیادتی مغاک میں قرار پکڑے تو وہ جوڑ ایسا ہو جائے کہ ایک انگلی کے ساکن ہونیکے دوسری کی حرکت آسانی سے ہو سکے۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ نقرہ ایک مغاک ہے۔ اور وہ ضعف کا باعث ہوتا ہے۔ اور لقمہ زیادتی ہے۔ اور زیادتی قوت کا سبب ہے۔ اور ہم نے بیان کیا ہے کہ جو ہڈی حامل یعنے دوسری کو اُٹھانے والی

ہوتی ہے۔ وہ اس سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔ جو محمول ہوتی ہے۔ اس واسطے حکمت نے ایسا ارادہ کیا کہ مناک تو حامل میں ہو اور زیادتی محمول میں۔ تیسری حکمت یہ ہے کہ ان ہڈیوں کے جوڑ ایسے ہیں کہ وہ ہمیشہ حرکت میں رہتے ہیں۔ اور جب ہمیشہ حرکت میں رہتے ہیں۔ اور جب ہمیشہ دو ہڈیاں ایک دوسری پر گھسی جائیں۔ تو اس سے ان میں شکستگی آجاتی ہے۔ اس لئے اس مطلب کے واسطے اس صانع حکیم اور رحیم خالق نے اس مناک اور زیادتی کے لئے غضروف سے ایک پردہ پیدا کیا ہے۔ کیونکہ غضروف بہت نرم ہوتی ہے۔ اس لئے حرکت کرنے کے وقت شکستہ اور ریزہ ریزہ نہیں ہوتی۔ چوتھی حکمت یہ ہے کہ غضروف سرد اور تر ہوتی ہے۔ اور جوڑ کی حرکت حرارت اور یبوست کا سبب ہے۔ اس لئے اس غضروف کے باعث اعتدال حاصل رہتا ہے۔ پانچویں حکمت یہ ہے کہ ان جوڑوں کے درمیان ایسی رطوبت پیدا کی ہے۔ جو دُھنیت رکھتی ہے تاکہ حرارت حرکت کی آسانی کا باعث ہو۔ اور حرارت سے جو یبوست پیدا ہوتی ہے۔ اس کا تدارک کرتی ہے۔ مثلاً جب ایڑی میں گرمی سے دُھنیت آجاتی ہے۔ تو حرکت کرنی بہت آسان ہو جاتی ہے۔ چھٹی حکمت یہ ہے کہ ہڈیوں کی دونوں طرف سے سخت رباطیں پیدا کی ہیں۔ اور انکو ایک دوسری سے ملا کر خوب جکڑ دیا ہے۔ اور ان رباطوں کے سبب سے جوڑ باقی رہتا ہے اور ایک ہڈی دوسری سے باہر نہیں نکلتی۔ ساتویں حکمت یہ ہے کہ اس مناک کو اس قدر فراخ بھی نہیں بنایا۔ کہ سب کچھ اُس سے باہر نکل پڑے۔ اور نہ ہی اسقدر تنگ پیدا کیا ہے۔ کہ اس میں حرکت کرنی تو آسان ہو۔ اور باہر آنا آسان نہ رہے۔ آٹھویں حکمت یہ ہے کہ جب اوپر کی ہڈیوں کو نیچے کی ہڈیوں پر ترکیب سے ترتیب دیا۔ تو چھوٹی چھوٹی ہڈیاں جوڑ کے گرد پیدا کر دیں ہیں۔ جیسا کہ انگشتری میں نگینہ رکھ کر اسکے گرد بہت سے دندانے بنا دیتے ہیں۔ تاکہ وہ دندانے اس نگینہ کو انگشتری میں مضبوط پکڑے رکھیں۔ یہاں بھی پیدا کرنے والے کامل حکیم نے جوڑ کے گرد چھوٹی چھوٹی ہڈیاں پیدا کر دی ہیں تاکہ اُن ہڈیوں کے سبب سے جوڑ مضبوط اور محکم رہے۔ نانویں حکمت یہ ہے کہ انگلیوں کی ہڈیوں کے جوڑ پیچھے سے کھلتے نہیں۔ اور نہ ہی آگے سے بند ہوتے ہیں۔ اس لئے جو ہڈیاں جوڑ کے گرد میں پیدا کی ہیں۔ اُن میں سے جو پچھلی طرف کو ہیں وہ بڑی ہیں۔ تاکہ انکی بڑائی کے سبب انگلیوں کی ہڈیاں آگے سے نہ کھلیں۔ اور جو اگلی طرف کو ہیں وہ بہت چھوٹی ہیں۔ تاکہ اُنکے چھوٹا ہونے کے سبب اکٹھا ہونے سے منع نہ کریں۔ دسویں حکمت یہ ہے کہ باوجود ان تمام احتیاطوں کے پھر اس پر ایک غشا یعنی پردہ کھینچ دیا ہے

اور اس پردہ پر تھوڑا سا گوشت پیدا کر دیا ہے۔ اور گوشت پر پتلا سا پوست پیدا کیا ہے۔ تاکہ عضو کا جوڑ مصلحت کے موافق باقی رہے۔ یہ اُن دس حکمتوں کا مجموعہ ہے جو انگلیوں کی ہڈیوں کے جوڑوں کی ترکیب میں آدمی کو معلوم ہوئی ہیں۔ اور باوجود اس کے پھر جانتا ہے۔ کہ کچھ تھوڑا سا علم حاصل ہوا ہے زیادہ نہیں ہوا جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا۔ اور نہیں دئیے گئے تم علم سے مگر تھوڑا سا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ علم ایک ناپیدا کنار سمندر ہے۔ اس میں کوئی کتنی ہی دُور تک جائے ابھی کنارہ پر ہی ہوگا۔ اور جو کچھ حاصل کریگا۔ وہ ایک قطرہ سے زیادہ نہیں ہوگا +

چھٹا فائدہ۔ ناخنوں کے فائدے کے بیان میں۔ ناخنوں میں چار وجہ سے گفتگو کی گئی ہے۔ پہلی وجہ ناخنوں کی پیدائش کے بیان میں ہے۔ اور اس میں چار حکمتیں ہیں۔ پہلی حکمت یہ ہے کہ ہاتھ کے پیدا کرنے میں سب سے بڑا مقصود چیزوں کا پکڑنا ہے۔ اور اگر انگلیوں کا سر گوشت سے خالی ہوتا۔ اور صرف ہڈی ہی ہوتی۔ تو چیزوں کا پکڑنا مشکل ہو جاتا۔ کیونکہ صرف ہڈی چیز پر سے پھسلجاتی۔ اور اس کا پکڑنا مشکل ہوتا پس اس سے ظاہر ہے۔ کہ انگلیوں کے سرے پر گوشت کا ہونا ضروری ہے۔ اور جب یہ درست ہے تو اس کے بعد ہم کہتے ہیں۔ کہ اگر انگلیوں کے سروں پر ناخن نہ ہوتے۔ اور انسان کوئی چھوٹی چیز پکڑنی چاہتا جیسے سوئی یا تل کا دانہ۔ تو اُس کو اس اُنگلی کے ایسے سرے سے پکڑنا پڑتا۔ جو مثل گوشت کے ہوتا۔ اور اُس کے پیچھے ناخن نہ ہوتا۔ اس لئے پکڑنے کے وقت وہ گوشت پچھلی طرف کو ہٹ جاتا اور کسی چیز کا پکڑنا آسان نہ ہوتا۔ لیکن جب گوشت کی پچھلی طرف کو ناخن موجود ہے اور چیز کے پکڑنے کے وقت گوشت پر زور پڑتا ہے تو ناخن گوشت کو نگاہ رکھتا ہے۔ اس کو پیچھے نہیں ہٹنے دیتا۔ اس واسطے ہر ایک چیز کا پکڑنا آسان ہوتا ہے۔ پس پاک ہے اللہ تعالیٰ جس نے آدمی کی پیدائش میں اس قدر بے شمار مصلحتیں اور حکمتیں رکھی ہیں۔ دوسری حکمت یہ ہے۔ کہ کبھی کبھی انسان کے بدن پر خارش ہوتی ہے۔ اور ناخن اس خارش کا آلہ ہوتے ہیں۔ اور یاد رکھنا چاہئے کہ اس میں بھی ایک عجیب حکمت ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جب بدن میں کہیں کھجلی ہوتی ہے۔ تو انسان فوراً اسی جگہ پر اپنا ہاتھ پہنچاتا ہے۔ اور اس میں البتہ خطا اور غلطی نہیں کرتا۔ اور بدن کے کھجانے سے موذی کا دفع کرنا مقصود ہوتا ہے اس واسطے اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت کی ہے۔ کہ جسم کی کسی جگہ سے موذی کے دفع کرنے میں توقف اور

و برنہ ہو تاکہ بقائے انسان کی مصلحت کامل رہے۔ تیسری حکمت یہ ہے۔ کہ دوسرے حیوانوں کے واسطے ناخن پھاڑنے اور ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا آلہ ہیں۔ اس لئے آدمی کو بھی یہی آلہ دیا ہے تاکہ بدن کی ہر ایک جگہ سے موذی کو بہت جلد دفع کر لے اور بقائے انسان کی بہتری پوری پوری حاصل رہے۔ چوتھی حکمت یہ ہے کہ خداوند عالم نے دوسرے حیوانوں کے لئے ناخن چیرنے پھاڑنے کا آلہ بنائے ہیں۔ اور آدمی کو بھی ناخن دیئے ہیں۔ مگر دوسرے حیوانوں سے بہت ضعیف تاکہ انسان کو معلوم ہو جائے۔ کہ اس کو رنج پہنچانے اور چیرنے پھاڑنے اور مار ڈالنے کے واسطے پیدا نہیں کیا۔ اگر آدمی کی پیدائش سے یہ مقصود ہوتا تو اس کے ناخن بھی دوسرے حیوانوں کی مانند سخت اور تیز پیدا کئے جاتے۔ دوسری وجہ ناخنوں کی بحث میں یہ ہے کہ خدا نے ان کو ایسا پیدا کیا ہے کہ ہمیشہ بڑھتے رہتے ہیں کیونکہ انسان اپنے ناخنوں کو بدن کے کھجانے اور چھوٹی چیزوں کے پکڑنے کے کام میں استعمال کرتا رہتا ہے۔ اور ہمیشہ مستعمل ہونے سے لازم آتا تھا۔ کہ گھس جائیں اور شکستہ ہو جائیں۔ اس لئے حکمت الٰہی کا تقاضا ایسا ہوا۔ کہ وہ ہمیشہ بڑھتے رہتے ہیں۔ تاکہ وہ نقصان اس زیادتی سے پورا ہوتا رہے۔ اور اصل ناخن محفوظ رہیں۔ تیسری وجہ ناخنوں کی بحث میں یہ ہے۔ کہ ہم نے اوپر بیان کر دیا ہے کہ دائرہ تمام شکلوں میں سے افضل شکل ہے۔ اور آفات کا اثر قبول کرنے سے محفوظ ہے۔ چوتھی وجہ ناخنوں کے فائدوں میں یہ ہے کہ ناخن ملا ہوا گوشت نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو کھجانا یا ایک چیز کو دوسری چیز سے اکھاڑنا باطل ہو جاتا۔ اور انگلیوں کی طرف سے گوشت کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ گوشت لطیف اور نرم عضو ہے۔ اور ناخن کثیف اور سخت ہیں۔ اور کثیف اور لطیف میں مجاورت اور ہمسائیگی کا ہونا اسکے برخلاف ہے کہ معتدل حال رہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے جو کامل حکیم اور پاک تر ہے ایسا کر دیا ہے کہ جو جگہ گوشت کے ملنے کی ہے۔ وہ ہمیشہ تنگ رہتی ہے۔ تاکہ پوست ناخنوں کا محافظ اور نرم گوشت اور سخت ناخنوں کے درمیان واسطہ رہے۔ اُن کی مثال ایسی ہی ہے جیسے نگینہ اور انگشتری کی ہے۔ جب نگینہ انگشتری میں جڑتے ہیں۔ تو انگشتری کے کناروں کو تنگ کر دیتے ہیں۔ اور ارد گرد سب طرف ایسا ہی بنا دیتے ہیں۔ بے شک اللہ تعالےٰ بیہودہ اور باطل فعل سے پاک ہے +

ساتویں قسم ہاتھ کی ہتھیلی کے فائدوں میں۔ خدا تعالےٰ کی حکمت اور رحمت یہ تھی۔ کہ تا

چیزوں کے پکڑنے کا آلہ ہو۔ اس لئے تقدیر نے ایسا کر دیا کہ ہتھیلی میں قوت لمس کامل رکھدی اور سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حیوانوں کو پانچ حسیں دی ہیں۔ چار کو تو چار عضووں میں مخصوص کر دیا ہے۔ اور پانچویں حس کو بدن کے تمام اعضاؤں میں پیدا کیا ہے۔ اور وہ حس لمس ہے۔ اور اس میں یہ حکمت رکھی ہے کہ اگر جسم کسی ایسی چیز سے ملے کہ اس میں گرمی یا سردی یا خشکی یا تری بہت قوی اور سخت ہو۔ تو اگر حیوان اس سے دور نہ ہو جائے۔ تو وہ کیفیت حیوان کے بدن پر غالب آجاتی ہے۔ اور حیوان ہلاک ہو جاتا ہے۔ اس لئے حس لمس کے پیدا کرنے میں یہ حکمت ہے کہ حیوان اس حس کے ذریعہ ہر ایک چیز کی قوی اور مضر کیفیت کو محسوس کر کے اس سے الگ ہو جاتا ہے اور ہلاک نہیں ہوتا۔ اور یہ ضرورت سب اعضاؤں کو تھی۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے لمس کی حس تمام اعضاؤں میں پیدا کر دی ہے۔ ایک ہی عضو سے اس کو مخصوص نہیں کیا۔ اور یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ اگرچہ یہ حس تمام اعضاؤں میں موجود ہے۔ مگر اس کا کمال اور پوری قوت ہتھیلی میں پیدا کی ہے۔ کیونکہ اصلی مقصود ہاتھ کے پیدا کرنے سے چیزوں کا پکڑنا ہے۔ اس واسطے ہاتھ کو بیرونی جسموں کی ملاقات دوسرے اعضاؤں کی نسبت زیادہ ہوتی ہے پس حکمت الٰہی نے ایسا چاہا کہ ہتھیلی میں قوت لمس کامل رہے۔ اور جب چھوٹی چیزوں کا پکڑنا پہلے پہل انگلیوں کے سرے ہوتا ہے۔ اس لئے حکمت الٰہی نے انگلیوں کے سروں میں جو لامسہ قوت پیدا کی ہے۔ وہ کامل قسم کی ہے۔ اور سبابہ انگلی جسے مسبحہ بھی کہتے ہیں۔ چاروں انگلیوں سے اشرف ہے۔ اس لئے اس کی حس سب سے زیادہ کامل ہے پس اللہ تعالیٰ نے مسبحہ انگلی کے سر کو حس لمس میں تمام محسوسات پر حاکم بنایا ہے۔ تاکہ جو آدمی یہ جاننا چاہے کہ کوئی سرد ہے یا گرم یا خشک مسبحہ انگلی کے سرے سے امتحان کرلے۔ اور جس کو خدا تعالیٰ نے سلیم عقل دی ہے۔ وہ جانتا ہے اسقدر طرح طرح کی حکمت کی اسقدر نوعیں پیدائش میں پیدا کرنی بے انتہا حکمتوں کا خلقت میں لحاظ کرنا حکمت اور رحمت اور تقدیر کے سوا ناممکن ہے۔

آٹھویں قسم ہتھیلی کے فائدوں میں یہ ہے۔ کہ ہتھیلی کو دو کاموں کے واسطے پیدا کیا ہے۔ ایک چیزوں کا پکڑنا۔ دوسرا بذریعہ مس چیزوں کی کیفیتوں پر حکم کرنا۔ اور یہ امر اُس وقت آسان ہوتا ہے کہ ہتھیلی پر گوشت ہو۔ کیونکہ اگر ہڈی تنہا ہو۔ تو چیزوں کے پکڑنے کے وقت ہتھیلی ان پر قادر نہ ہو۔ اور بخوبی ان کو لمس نہ کر سکے۔ پس اس مصلحت کے واسطے

لازم آیا کہ ہتھیلی پر گوشت ہو۔ اور چیزوں کی کیفیتوں پر حکم کرنا اس وقت کامل ہوتا ہے کہ پٹھے جن میں حس اور حرکت کی قوت ہوتی ہے۔ اس میں کثرت سے ہوں پس ان دونوں کے جمع کرنے میں حکمت نے ایسا چاہا۔ کہ ہتھیلی پر تھوڑا گوشت ہو تاکہ چیزوں کا پکڑنا آسان ہو جائے اور گوشت کے تھوڑا ہونے سے پٹھوں کی قوت ضعیف نہ ہو۔ اور ملموس چیزوں کی کیفیتوں پر ہاتھ کا حکم کرنا صحیح اور درست ہو اور اس طریق سے مقصود حاصل ہوتا ہے عظمت قدرت وجلت کلمتہ اس کی قدرت عظیم ہے۔ اور اسکے کلمے بلند ہیں۔ اور سمجھ لینا چاہئے کہ جو گوشت ہتھیلی پر پیدا کیا گیا ہے وہ اس واسطے ہے کہ سخت جسموں کا پکڑنا آسان ہو۔ اور انسان جو چیزیں اُٹھاتا ہے وہ ہتھیلی پر اُٹھاتا ہے ہاتھ کی پیٹھ پر نہیں اُٹھاتا اسلئے ہاتھ کی پیٹھ پر بہت تھوڑا گوشت پیدا کیا ہے اگر ہاتھ کی پیٹھ پر زیادہ گوشت ہوتا۔ تو ہاتھ بھاری ہو جاتا۔ اور بہت آسان کام اسکو کرنے مشکل ہو جاتے

باب ۳

مرکب اعضاؤں کے فائدے ہیں۔ اور اس باب کی آٹھ فصلیں ہیں +

فصل ۱

دماغ کے بعض فائدوں کے بیان میں۔ اور اس میں ہم فائدوں کو چار نوع پر بیان کرتے ہیں +

پہلی نوع یہ ہے کہ خالق عالم نے جو سب سے بلند اور پاک تر ہے۔ دماغ کو سات قسم کی محافظوں سے محفوظ کیا ہے۔ پہلی ایک باریک پردہ اسکے گرد پیدا کیا ہے۔ دوسری اسکے بعد ایک اور سخت پردہ ہے تیسری اُسکے بعد ہڈیوں کا جسم ہے۔ چوتھی ہڈیوں کے باہر پھر ایک اور پردہ پیدا کیا ہے اس کو سمحاق کہتے ہیں۔ پانچویں اسکے اوپر گوشت اور پوست پیدا کیا ہے ساتویں پوست کے اوپر بال پیدا کئے ہیں پس دماغ کے یہ ساتوں طبقے آسمان کے ساتوں طبقوں کی مانند ہوتے ہیں۔ اور ان ساتوں طبقوں کو دماغ کا محافظ بنایا ہے۔ اور دماغ سے مقصود فکر کرنا اور دیکھنا اور معرفت کا حاصل کرنا ہے +

دوسری نوع حکمت کی دماغ کی پیدائش میں یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے دماغ کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا حصہ حفظ اور خیال کا محل ہے۔ جب انسان مختلف شہروں میں جاتا اور بہت سے آدمیوں سے ملاقات کرتا ہے۔ اور پھر یہ سب کچھ اُس سے غائب ہو جاتا ہے۔ تو اُس کے دل میں اُن کی صورت باقی رہتی ہے۔ پس تخیل کا محل دماغ کا اگلا حصہ ہے۔ اور اس کے بعد دماغ کا دوسرا حصہ ہے۔ اور وہ تفکر کا محل ہے۔ اور تیسرا حصہ سر کی پچھلی طرف کو ہے۔ اور وہ

تذکر کا محل ہے۔اور یہ تقسیم اس طرح معلوم ہوتی ہے۔کہ اگر دماغ کے اگلے حصہ میں کوئی بیماری لاحق ہو تو قوت متخیلہ میں خلل آجاتا ہے۔جیسا کہ اُن لوگوں میں دیکھا جاتا ہے جن کو مرض سرسام لاحق ہو جاتی ہے۔اور اگر دماغ کے درمیانی حصہ میں کوئی بیماری لاحق ہوتی ہے۔ تو قوتِ متفکرہ میں خلل پیدا ہو جاتا ہے جیسا کہ دیوانے آدمیوں میں دیکھا جاتا ہے۔اور اگر دماغ کی پچھلی طرف میں کوئی بیماری واقع ہوتی ہے۔تو قوت متذکرہ میں خلل آجاتا ہے۔اور فراموشی آدمی پر غالب ہو جاتی ہے پس اس بیان سے معلوم ہوتا ہے۔کہ دماغ کی اگلی طرف تو قوت متخیلہ کی جگہ ہے۔اور درمیانہ حصہ قوت متفکرہ کی۔اور دماغ کا پچھلا حصہ قوت متذکرہ کی۔اور یاد رکھنا چاہیئے کہ انسان کی مصلحت پوری نہیں ہوتی۔مگر حفظ اور تخیل یعنے یاد اور خیال سے ہوتی ہے اور اس کے صحیح ہونے پر دو دلیلیں ہیں۔پہلی دلیل یہ ہے۔کہ انسان کی حاجت کلام کرنے کے بغیر پوری نہیں ہوتی۔اور کلام حرفوں سے مرکب ہوتا ہے۔اور دو یا زیادہ حرف ایک ہی دفعہ نطق میں آکر یاد نہیں رہ سکتے۔بلکہ بار بار بولنے سے موجود رہتے ہیں۔اس لئے اِنسان جب کوئی حرف بولتا ہے۔اور پھر اُسکو چھوڑ کر دوسرے حرف پر آتا ہے۔تو دوسرے حرف کے حاصل ہونے کے وقت اگر پہلا حرف موجود نہ رہا ہو۔تو اِس صورت میں ہمیشہ ایک حرف کے سوا اس سے کچھ نہیں سُنا جائیگا۔اور صرف ایک حرف کچھ فائدہ نہیں دیتا۔پس اگر قوت خیال نہ ہوتی۔تو کلام کے سننے سے کوئی مقصود حاصل نہ ہوتا۔لیکن اس خالق حکیم نے جو بزرگ اور بلند ہے خیال کو پیدا کر دیا ہے۔کہ جب ایک حرف سُن لیتا ہے تو پہلے حرف کا اثر خیال میں باقی رہتا ہے۔جب دوسرے حرف پر آتا ہے۔تو اگرچہ پہلا حرف سمع میں موجود نہیں ہوتا۔لیکن خیال میں موجود رہتا ہے۔پس اس سے ظاہر ہے کہ سمع میں ایک حرف کے سوا دوسرا حرف نہیں۔لیکن خیال سب حرفوں کو جمع رکھتا ہے۔اس لئے کلام کے سمجھنے والا خیال ہے نہ سمع۔پس معلوم ہوا کہ اگر قوت خیال نہ ہوتی۔تو آدمی کی مصلحت باطل ہو جاتی دوسری دلیل یہ ہے۔کہ جب کوئی آدمی کسی آدمی کو دیکھتا ہے۔اور اس سے غائب ہو جاتا ہے اور پھر دوسری بار اس کو دیکھتا ہے۔تو معلوم کر لیتا ہے۔کہ یہ وہی شخص ہے۔جس کو اس نے پہلے دیکھا تھا۔اور یہ مطلب تب ہی حاصل ہو سکتا ہے۔کہ اُس آدمی کی صورت دیکھنے والے کے خیال میں باقی رہی ہو۔تاکہ جب دوسری دفعہ اس کو دیکھے تو عقل جان لے کہ یہ محسوس صورت اسی متخیل صورت جیسی ہے آخر کو یقین ہو گیا۔کہ یہ وہی شخص ہے جو پہلے دیکھا تھا۔پس اگر خیال نہ ہوتا

تو یہ معرفت حاصل نہ ہوتی۔ انتظام عالم میں خلل آجاتا۔ اور کوئی آدمی کسی چیز کو نہ پہچان سکتا۔ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی حاجتیں حفظ اور خیال کے وجود سے پوری ہوتی ہیں۔ اور قوتِ متفکرہ جس کا محل دماغ کا درمیانی حصّہ ہے۔ وہ قوت ہے کہ جو صورتیں دماغ کے اگلے حصّہ میں موجود ہوتی ہیں۔ ان کو ایک دوسرے کے ساتھ ملاتی ہے۔ اور ان ترکیبوں سے عجیب صورتیں پیدا ہوتی ہیں مثلاً لعل کی صورت کو آدمی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ اور پہاڑ کی صورت کو بھی آدمی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ اور پھر قوت فکرت کے ساتھ ان دونوں صورتوں میں سے ایک کو دوسری کے ساتھ ملاتا ہے اور قوت فکر کے ساتھ لعل سے پہاڑ کی صورت کو الگ کر لیتا ہے۔ اور اگر قوت متفکرہ نہ ہوتی۔ تو آدمی کسی مجہول چیز کو معلوم نہ کر سکتا۔ اور ایسا ہونے سے چوپایہ جانوروں اور انسانوں میں کچھ فرق نہ رہتا۔ اور قوت تذکر یعنے یاد دلانے کی جو قوت ہم نے بیان کی ہے اس محل دماغ کا پچھلا حصّہ ہے۔ اُس کی خاصیت یہ ہے۔ کہ جو چیزیں بھول جاتی ہیں۔ اُنہیں دوسری دفعہ اپنی یاد میں لاتی ہے۔ اور اسی واسطے مہتر عالم ص نے فرمایا ہے کَثْرَۃُ الْحِجَامَۃِ تُوْرِثُ النِّسْیَانَ۔ حجامت کی کثرت فراموشی پیدا کرتی ہے۔ کیونکہ بہت حجامت کرانے سے سر کی پچھلی طرف سے خون بہت کھچ جاتا ہے۔ اور اس سے دماغ کا پچھلا حصّہ ضعیف ہو جاتا ہے۔ اور قوت مذکورہ جو اس میں ہے وہ بھی ضعیف ہو جاتی ہے +

تیسری نوع دماغ کی پیدائش میں خدا کی عجائب حکمتوں میں سے یہ ہے کہ خدا نے دماغ کو سرد اور تر پیدا کیا ہے۔ اور دماغ کی سردی میں حکمت یہ ہے کہ اندیشہ دماغ سے ہوتا ہے۔ اور فکر یعنے اندیشہ کرنا حرارت کا سبب ہے۔ اس واسطے دماغ کو سرد پیدا کیا ہے۔ تاکہ اس کی سردی اس حرارت کے اعتدال کا سبب ہو جو فکر سے پیدا ہوتی ہے اور دماغ جل نہ جائے۔ اور دماغ کی تری میں یہ حکمت ہے کہ صورتوں کا یاد کرنا تب ممکن ہوتا ہے۔ کہ دماغ ان صورتوں کو قبول کرلے۔ اور صورتوں کا قبول کرنا اُس وقت آسان ہوتا ہے کہ قبول کرنے والی چیز تر ہو۔ پس اس مطلب کے واسطے خدا نے دماغ کو تر پیدا کیا ہے +

چوتھی نوع دماغ کی پیدائش میں خالق عالم کی عجائبات سے یہ ہے کہ تخیل کے معنی ہیں۔ محسوس صورتوں کی حفاظت کرنا۔ اور حواس سر کی اگلی طرف میں ہیں۔ اس واسطے تخیل کا محل بھی سر کا اگلا حصہ ہے اور حفظ کے معنی ہیں مضمون اور مطلب کا محفوظ رکھنا۔ اس واسطے اسکی جگہ سر کا پچھلا حصہ ہوا ہے۔ اور فکر کے معنی ہیں صورتوں اور نیز مطالب و معانی میں تصرف کرنا۔ اس واسطے اس

قوت کا محل دماغ کا درمیانی حصّہ مقرر کیا گیا ہے تاکہ ایسا ہو۔ کہ اسکی ایک جانب تو صورتوں کا خزانہ ہو۔ اور اس کی دوسری جانب معنوں کا خزانہ ہو۔ اور وہ دونوں میں تصرف کرے +

فصل ۲

(آنکھ کی پیدائش کے عجائبات)

اس حکمت کو بھی کئی ایک نوعوں میں بیان کیا گیا ہے۔ پہلی نوع یہ ہے کہ خالق عالم نے آنکھ کے دس طبقے بنائے ہیں۔ یہ نیچے کے طبقہ کو طبقہ صلبیہ کہتے ہیں۔ اور دوسرے کو مشیمی اور تیسرے کو شبکی بولتے ہیں۔ اور اس طبقہ شبکیہ کے درمیان آنکھ ہے گداختہ آبگینہ کی مانند۔ اس کو رطوبت زجاجی کہتے ہیں۔ اور رطوبت زجاجی کے درمیان یخ کی مانند سپید اور روشن ایک جسم ہے اس کو رطوبت جلیدی کہتے ہیں۔ اور اس کے اوپر مرغ کے انڈے کی سپیدی جیسا ایک جسم اور ہے۔ اس کو رطوبت بیضی کہتے ہیں۔ اور اس کے اوپر مکڑی کے جالے کی مانند ایک بہت پتلا طبقہ ہے۔ اس کو طبقۂ عنکبوتی بولتے ہیں۔ اور اس کے اوپر ایک اور طبقہ ہے۔ اس کو طبقہ عنبی کہتے ہیں۔ اور اس کے اوپر ایک اور طبقہ ہے اسے قرنیہ کہتے ہیں۔ اور ان کے مجموعہ کا نام حدقہ ہے۔ اور اس حدقہ کے گرد سپید اور چرب گوشت ہے۔ اس کو ملتحمہ کہتے ہیں۔ اور بعض کا قول ہے۔ کہ طبقہ قرنیہ ایک طبقہ نہیں بلکہ چار طبقوں سے مرکب ہے۔ پس اس تقریر کے موافق آنکھ تیرہ طبقوں سے مرکب ہے۔ اور عالم اجسام کے بھی تیرہ طبقے ہیں۔ چار عناصر کے اور نو افلاک کے۔ اس لئے آنکھ کے طبقوں کی تعداد عالم جسمانی کے طبقوں کی تعداد کے موافق ہوئی ہے۔ اور جس طرح عالم جسمانی کے ہر ایک طبقہ کے واسطے مخصوص صفت ہے اور معین مقدار خاص چیز وہی حال آنکھ کے طبقوں کا ہے۔ پس ہر ایک طبقے کا ان خاص خاص صفتوں کے ساتھ مخصوص ہونا اس امر کی قوی دلیل ہے۔ کہ قادر مختار اور صانع حکیم کے خاص کرنے سے ہوا ہے۔ اللہ بہت بلند اور پاک ہے +

دوسری نوع آنکھ کی پیدائش کے عجائبات سے یہ ہے۔ کہ بینائی کی جو جگہ ہے۔ وہ عدس یعنے مسور کے دانہ سے کم ہے۔ اور اس تھوڑی سی جگہ میں تمام آسمانوں کی صورتیں سما جاتی ہیں۔ اور آنکھ پر کچھ غبار اور کدورت نہیں آتی۔ پھر سورج۔ چاند اور ستارے بھی اس چھوٹی سی جگہ کے ذریعے دیکھے جاتے ہیں۔ اور یہ نہایت عجیب بات ہے۔ کیونکہ یہ ایسی بڑی بڑی

صورتوں کا ایسی چھوٹی سی جگہ کے ذریعے دیکھا جانا سمجھ میں نہیں آسکتا۔ پس ظاہر ہے کہ ایسا ہونا صانع عالم تعالیٰ وتقدس کی لاانتہا قدرت کے بغیر نہیں ہو سکتا +

تیسری نوع یہ ہے کہ سفیدی نور سے مناسبت رکھتی ہے اور سیاہی ظلمت سے۔ اور خالق عالم نے بینائی کا نور سیاہی میں رکھا ہے اور نابینائی کی ظلمت سفیدی میں تاکہ معلوم ہو جائے کہ آدمی کی پیدائش طبیعت اور علت کی تاثیر نہیں بلکہ اسکی قدرت اور ارادہ کی تاثیر ہے +

چوتھی نوع یہ ہے کہ آنکھ مثل آئینہ کے ہے اور آئینہ میں اس وقت صورتیں دکھائی دیتی ہیں جبکہ خوب صاف اور صیقل کیا ہوا ہو۔ اور کچھ غبار اور کدورت اُس پر نہ ہو۔ اِس لئے خدا کی بے شمار حکمت نے ایسا بنا دیا کہ آدمی کے اختیار کے سوا ہی آنکھ کی پلکیں ہمیشہ متحرک رہیں تاکہ اس حرکت کے سبب حدقہ صاف اور بینائی کی قوت اپنے کمال پر رہے۔ اور یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ مکھی کی آنکھ خدا نے بہت چھوٹی پیدا کی ہے۔ اِس سبب سے اُس کی آنکھ متحمل نہ تھی کہ اس پر پلکیں ہوں۔ جو حدقہ کو صاف کرتی رہیں۔ اِس لئے خدا تعالیٰ نے اُس کے دو ہاتھ ایسے پیدا کر دئے ہیں جن کو ہمیشہ وہ اپنی آنکھوں پر ملتی رہتی ہے۔ تاکہ اس کی آنکھیں پاک ہوں۔ اور حدقہ صاف رہے۔ اور اس کی بینائی کی قوت اپنے کمال پر باقی رہے عظمت حکمت وجلت قدرت وعلت کلتہ۔ اسکی حکمت عظیم ہے۔ اور اس کی قدرت بزرگ ہے۔ اور اس کے کلمے کامل ہیں +

پانچویں نوع آنکھ کی پیدائش کے عجائب امور سے یہ ہے کہ جو حالت دل میں پیدا ہوتی ہے آنکھ میں بھی اس کا اثر ظاہر ہو جاتا ہے۔ اگر آدمی کے دل میں غضب ہو تو غصّہ کا اثر آنکھ میں نمودار ہو جاتا ہے۔ اور اگر دل میں ندامت ہو تو ندامت کا اثر نمایاں ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جو حالت دل کی ہو گی آنکھ میں بھی اُس کا اثر دکھائی دے گا۔ اور دانا وں نے کہا ہے کہ تمام بدن اس گھر کی مانند ہے جو مٹی سے بنایا جاتا ہے۔ اور روح اس میں مثل شمع کے ہے۔ اور جس طرح شمع کی روشنی کا اثر شیشے پر پڑتا ہے۔ اُسی طرح رُوح کے نور کا اثر اِن دو نورانی آنکھوں پر پڑتا ہے +

فصل ۳

کانوں کی پیدائش کے فائدے۔ پہلا فائدہ یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے کانوں کے

سوراخوں میں کڑوا پانی پیدا کیا ہے۔ تاکہ سونے کی حالت میں اگر کوئی کیڑا پتنگا کان کے اندر جانے کا ارادہ کرے تو اس پانی کی کڑواہٹ کے باعث اندر نہ جا سکے +

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ خدا نے دو کان پیدا کئے ہیں۔ تاکہ جو آواز کان میں پہنچے۔ اس کا کھٹکا دونوں طرف سے کانوں میں جمع ہو۔ اور اس سبب سے آواز پوری اور کامل ہو جائے۔ اور جب کانوں کو اس فائدہ کے واسطے بنایا ہے۔ تو ان کو ہڈی سے نہیں پیدا کیا۔ اگر ہڈی سے ہوتے تو کان کے بل سونے سے رنج پہنچتا۔ بلکہ غضروف یعنے نرم ہڈی سے پیدا کئے ہیں تاکہ ان سے جو فائدہ مطلوب ہے وہ حاصل ہوتا رہے۔ اور رنج دور رہے +

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ کان کے سوراخ کو سیدھا پیدا نہیں کیا۔ بلکہ ملتوی اور ٹیڑھا بنایا ہے۔ اور ایسا بنانے سے غرض یہ تھی۔ کہ کان کی گذرگاہ کا راستہ لمبا ہو جائے۔ تاکہ اگر کوئی قوی آواز کان میں پہنچے۔ تو جلدی ہی دماغ میں نہ پہنچ جائے۔ بلکہ بعد مسافت کے سبب دیر تک راستہ ہی میں رہے۔ اور دماغ میں پہنچنے سے پہلے کوشش کرے کہ اس کو کان سے دور کر دے +

چوتھا فائدہ یہ ہے کہ خدا نے دو آنکھیں تو اگلی طرف کو پیدا کی ہیں۔ اور دو کان پچھلی طرف کو۔ کیونکہ آنکھیں دلایل کو دیکھتی ہیں۔ اور پھر عقل اس سے راستہ پاتی ہے۔ اور کان دلائل کو سنتے ہیں۔ اور پھر عقل کو رہنمائی ہوتی ہے۔ اور جب آنکھوں کو کانوں پر مقدم کیا ہے۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عقلی دلائل نقلی دلائل پر مقدم ہیں +

پانچواں فائدہ کانوں کی پیدائش کے عجیب امور میں سے یہ ہے۔ کہ آنکھوں کی پلکوں کو تو آنکھوں کا پردہ بنایا ہے۔ مگر کان کے واسطے کوئی پردہ پیدا نہیں کیا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ آنکھوں کے متعلق جسموں اور رنگوں کا دیکھنا ہے۔ اور وہ ہمیشہ باقی اور موجود ہیں۔ اگر پردہ نہ ہوتا تو آنکھ ہمیشہ دیکھتی رہتی۔ اور یہ آنکھ کے ضعف کا باعث ہوتا۔ اور کان کے متعلق آوازیں ہیں۔ اور وہ ہر وقت باقی نہیں رہتے۔ اس لئے سمع کے واسطے کوئی پردہ نہیں کیا۔ کیونکہ اس کو کچھ ضرر نہیں پہنچتا +

فصل ۴

ایک جماعت کی یہ رائے ہے۔ کہ سمع بصر یعنے آنکھ سے زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ اور اس مسئلہ کے صحیح اور درست ہونے پر انھوں نے پانچ دلیلیں بیان کی ہیں +

پہلی دلیل یہ ہے کہ کان سب طرف سے سن لیتے ہیں۔ اور آنکھ ایک ہی طرف سے دیکھ سکتی ہے۔ اور جو چیز سب طرف سے سُن لے اور درک کر سکے۔ وہ اُس سے زیادہ فاضل ہوتی ہے۔ جو ایک ہی طرف سے درک کرے۔ اس لئے کان کو آنکھ پر فضیلت ہے +

دوسری دلیل یہ ہے کہ کلام کان کے ذریعہ سمجھ میں آتا ہے۔ اور کلام ہی عقل کے کمال کا باعث ہے۔ اور آنکھ رنگوں اور شکلوں کا ادراک کرتی ہے۔ اور یہ شہوات کی لذت کا سبب ہے اور حکمت کا کمال لذت کے کمال سے افضل ہے۔ اس لئے کان کو آنکھ پر فضیلت ہے +

تیسری دلیل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے کانوں کو آنکھوں پر مقدم رکھا ہے۔ فرمایا ہے۔ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ۔ مہر لگادی خدا نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔ اور جب خدا تعالیٰ نے کانوں کو آنکھوں سے پہلے یاد کیا ہے۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کان آنکھوں سے فضیلت اور بزرگی میں زیادہ ہیں +

چوتھی دلیل یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ پیغمبر اندھا ہو۔ لیکن یہ جائز نہیں کہ بہرا ہو۔ کچھ سن نہ سکے کیونکہ پیغمبر کو اُمت کی گفتگو سننے کی ضرورت ہے۔ تاکہ طالب حق کے سامنے حق کو بیان کرے اور ناحق کے پیرو کو ناحق کی پیروی پر تنبیہ فرمائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ کان نبوت کی صحت کے واسطے ایک شرط ہے۔ اور آنکھوں کا ہونا شرط نہیں۔ اس لئے کان آنکھ سے زیادہ فضیلت رکھتے ہیں +

پانچویں دلیل یہ ہے کہ کان جو کچھ سُنتے ہیں۔ وہ خدا کی ہستی پر دلیل ہے۔ اور آنکھیں جو کچھ دیکھتی ہیں۔ وہ بھی خدا کی ہستی پر دلیل ہے۔ مگر کان خدا تعالیٰ کے ناموں کو سُن لیتے ہیں۔ اور آنکھیں ان کو نہیں دیکھ سکتیں۔ اس لئے کان آنکھوں سے افضل ہیں۔ اور جو لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ آنکھ افضل ہے ۔ انہوں نے بھی اپنے قول کے درست ہونے پر دلیلیں بیان کی ہیں۔

انکی پہلی دلیل یہ ہے کہ آنکھ کا ادراک کان کے ادراک سے زیادہ کامل ہوتا ہے اِس واسطے یہ مقولہ کہا ہے لیسَ وراء العیان بیان مشاہدہ کے بعد بیان نہیں۔ اور جب آنکھوں کا ادراک کانوں کے ادراک سے زیادہ کامل ہوتا ہے تو ضرور ہے آنکھیں کانوں سے فضیلت میں بڑھی ہوئی ہوں +

دوسری دلیل یہ ہے کہ حکمائے بیان کیا ہے۔ کہ بینائی کا آلہ نور ہے۔ اور شنوائی کا آلہ ہوا۔ اور سونگھنے کا آلہ بخار۔ اور ذوق کا آلہ پانی ہے۔ اور لمس کا آلہ خاک اور ان سب سے نور زیادہ شریف ہے۔ اس لئے ضرور آنکھیں پانچوں حسّوں سے زیادہ شریف ہیں +

تیسری دلیل یہ ہے کہ قوت باصرہ کا تصرف آٹھویں آسمان پر پہنچ جاتا ہے۔ کیونکہ ثوابت یعنے ثابتہ سیارے آٹھویں آسمان پر ہیں۔ اور قوت باصرہ ان تمام کو دیکھ لیتی ہے لیکن قوت سامعہ کا ایسا حال نہیں۔ اس کے تصرف کا محل بہت تھوڑا ہے۔ اِس لئے آنکھوں کو کانوں پر فضیلت ہے +

چوتھی دلیل یہ ہے۔ کہ قوت باصرہ کے آلات بہت ہیں۔ کیونکہ اس قوت کے وجود کے واسطے تیرہ طبقے چاہئیں۔ اور اِسی طرح بہت سے عضلہ یعنے مچھلیاں ہیں تاکہ اس کا فعل کامل ہو لیکن کان کے آلات بہت تھوڑے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنکھوں کو کانوں پر فضیلت ہے +

پانچویں دلیل یہ ہے کہ آنکھوں کے مدرکات بہت کثرت سے ہیں۔ مثلاً رنگ۔ روشنیاں۔ مقداریں۔ شکلیں وغیرہ۔ اور کانوں کی مدرکات آوازیں ہیں۔ ان کے سوا اور کوئی چیز نہیں۔ اس لئے آنکھیں کانوں سے افضل ہیں +

فصل ۔ ۵

ناک کے وجود کے فائدے۔ اس میں چار حکمتیں ہیں۔

پہلی حکمت یہ ہے کہ بوؤں کے سونگھنے سے حیوانوں کو اس پر دلیل ملتی ہے۔ کہ فلاں چیز فائدہ دینے والی ہے یا ضرر پہنچانے والی ہے +

دوسری حکمت یہ ہے کہ ناک ہمیشہ سانس کے راستے سے ہوا کو اندر کھینچتا ہے اور ہوا سے دل میں خنکی پہنچتی ہے۔ اور اگر یہ سانس منقطع ہو جائے تو حیوان اُسی وقت مر جاتا ہے +

تیسری حکمت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ناک کی گندگاہ کو فراخ پیدا کیا ہے تاکہ سوراخوں میں بہت ہوا آجائے۔ اور ہوا کے بہت آنے میں تین فائدے ہیں۔

پہلا فائدہ یہ ہے کہ ہوا گلے کے راستے سے نیچے اُتر جاتی ہے۔ اور پھیپھڑے اور دل میں پہنچتی ہے۔ اور اگر کچھ لحظہ ہوا کی سردی ناک میں کم ہو جائے۔ تو پھیپھڑے اور دل کو اندر کی سوختہ ہوا سے رنج پہنچتا +

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ناک کی ہوا سے کچھ حصہ دماغ میں جاتا ہے۔ اور جب اس ہوا کی سردی کم ہو جاتی ہے تو معتدل ہو کر دماغ میں پہنچتی ہے۔ اور اس سے دماغ کو ضرر اور نقصان نہیں ہوتا۔ اور اس پر دلیل یہ ہے کہ آدمی کو سرد ہوا میں سانس لینا بہت نقصان پہنچاتا ہے +

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ جب ہوا ناک کے اندر کسی قدر گرم ہو جاتی ہے۔ تو بوؤں کے ادراک کا فعل کامل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ بوئیں حرارت کی قوت کے سوا ظاہر نہیں ہوتیں +

چوتھی حکمت ناک کے پیدا کرنے میں یہ ہے کہ ناک کی دو سوراخیں حرفوں کی سہولت کے ساتھ پیدا ہونے میں مددگار ہیں۔ اور اس کی دلیل یہ ہے۔ کہ اگر کوئی آدمی اپنی ناک پکڑ کر بند کر رکھے۔ تو بعض حروف کا بولنا اس کے واسطے مشکل ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ناک کی گندگاہ حرفوں کے پیدا کرنے میں بڑی مددگار ہے۔ اور یاد رکھنا چاہئے کہ سانس لینے کا فائدہ بہت بڑا ہے۔ کیونکہ جب حیوان ایک دفعہ ناک کے ذریعہ سانس لیتا ہے۔ تو وہ ہوا ناک کے اندر چلی جاتی ہے۔ اور پھر حلق میں جاتی ہے۔ وہاں وہ زیادہ معتدل ہو جاتی ہے۔ اگر ہوا میں کچھ غبار یا بخار ہوتا ہے۔ وہ اجزا حلق سے چمٹ جاتے ہیں۔ اور صاف اور معتدل ہوا انسان کے پھیپھڑے میں پہنچتی ہے۔ اور جتنے عرصہ میں پھیپھڑا ایک دفعہ سانس لیتا ہے۔ اسی قدر عرصہ میں دل پانچ دفعہ حرکت کر جاتا ہے اور وہ ہوا بتدریج پھیپھڑے سے دل میں پہنچتی ہے۔ اور اس معتدل ہوا کے ذریعے دل کی حرارت غریزی حد اعتدال پر رہتی ہے۔ اس کے بعد اس ہوا کی جڑیں دل سے بڑی رگوں میں چلی جاتی ہیں۔ اور پھر بڑی رگوں سے چھوٹی رگوں میں اور چھوٹی رگوں سے بدن کی تمام جزوں میں پہنچ جاتی ہیں۔ اور اس ہوا کا اثر بدن کے تمام اجزا پر ہوتا ہے۔ اور جب ہوا گرم یا فاسد بخاروں سے ملی ہوئی ہوتی ہے۔ تو پھر بھی اسی راستے سے اندر آتی جاتی

ہے۔ اور لوٹتی ہوئی بدن کے عمق سے چھوٹی رگوں میں آتی ہے اور پھر بڑی رگوں میں اور وہاں سے پھیپھڑے میں۔ پھر دل میں اور حلق اور ناک سے ہوتی ہوئی باہر نکل جاتی ہے یہ تمام حالات جو ہم نے بیان کئے ہیں۔ صرف ایک سانس کے ہیں۔ اور یہ معلوم ہے۔ کہ اگر یہ ایک سانس منقطع ہو جائے تو حیاتی باطل ہو جاتی ہے۔ اور جب یہ مقدمہ معلوم ہوگیا تو اس کے بعد ہم کہتے ہیں۔ کہ علما نے اللہ تعالٰے کی ان پر رحمت ہو۔ فرمایا ہے کہ ایک رات دن میں آدمی چوبیس ہزار سانس لیتا ہے۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ ایک رات دن میں انسان کو حیات کا ۲۴ ہزار خلعت عطا ہوتا ہے۔ اور جب یہ معلوم ہوگیا۔ تو اس سے بندے پر ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی نعمتوں کی کثرت کا حال ظاہر ہوتا ہے۔ اسی واسطے ارشاد ہوا ہے وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ اگر تم اللہ تعالٰے کی نعمتوں کا شمار کرو۔ تو اُن کو شمار نہیں کر سکو گے +

فصل ۶

مُنہ کے فائدے

آدمی بدن اور رُوح سے مرکب ہے۔ اور مُنہ ان دونوں کی مصلحت کا باعث ہے۔ اور مُنہ کا جان کے واسطے مصلحت کا باعث ہونا دو وجہ سے ہے +

پہلی وجہ یہ ہے کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ کہ جب آدمی سانس کو اندر کھینچتا ہے تو وہ اندر جا کر گرم ہو جاتی ہے۔ اور جب گرم ہو جاتی ہے۔ تو پھر اس کو باہر نکالتا ہے۔ اِس لئے پیدا کرنے والے نے جو بلند اور پاک ہے اپنی حکمت سے ایسا کیا ہے کہ سانس کے باہر آنے سے آواز پیدا ہو۔ پھر سانس کے رہ گذر میں حلق اور تالو اور زبان اور دانتوں اور لب پر اس کے اٹکنے کے مقام بنا دئے یعنی ان مقاموں پر سے اٹکتا ہوا باہر آتا ہے۔ اور ان اٹکاؤ کے مقاموں کے ہونے کی وجہ سے آواز مُقطّع ہو جاتا ہے۔ اور آواز کے مُقطّع ہونے سے حروف پیدا ہوتے ہیں۔ اور حرفوں سے کلام بنتا ہے۔ اور کلام سے ارواح اور عقول کا کمال معلوم ہوتا ہے۔ پس اس جگہ اگر اچھی طرح سے فکر کیا جائے۔ تو خدا کی بہت ہی عجیب حکمت معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ سانس لینے سے اصلی مقصود ہوا کا اندر کھینچنا ہے تاکہ حرارت غریزی کا اعتدال باقی رہے۔ لیکن جب ہوا اندر جا کر جل جاتی ہے۔ تو اس کا باہر نکالنا

اصلی مقصود نہیں ہوتا۔ بلکہ ضرورت کے واسطے ہوتا ہے پس اُس پیدا کرنے والے حکیم نے اس فضلہ کے دفع کرنے کو آواز کے حرفوں کا سبب بنا دیا ہے۔ اور سب روحانی مصلحتیں کلام کے سپرد کر دی ہیں۔ پس اس سلسلے پر نگاہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام ایک ایسا وسیع سمندر ہے۔ کہ اُس کا کوئی کنارہ نہیں۔ اور جب ایسی چیز کو کہ وہ اصلی مقصود نہیں۔ ایک ناپیدا کنار سمندر بنا دیا ہے۔ تو اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مخلوق کی پیدائش میں خدا تعالیٰ کی حکمتوں کے بھید اس قدر ہیں کہ ان کی کوئی نہایت نہیں +

دوسری وجہ آوازوں کے فائدہ کے بیان میں یہ ہے۔ کہ عالم کے پیدا کرنے والے نے جو بلند اور پاک ہے مختلف چیزیں پیدا کی ہیں۔ اور جیسے اُن میں سے دو صورتیں بھی ایک دوسری کی مانند نہیں ہوتیں۔ اسی طرح دو آواز بھی ایک دوسرے کے مشابہ نہیں ہوتے اس کی وجہ یہ ہے کہ آوازوں کا اختلاف لوگوں کی تمیز کا باعث ہوتا ہے۔ اگر کوئی اندھا بھی کسی آدمی کا آواز سُن لیتا ہے۔ تو وہ اس کو پہچان لیتا ہے۔ اور غیر سے اُسکی تمیز کر لیتا ہے اور یہ صانع عالم کی کمال قدرت اور حکمت پر ظاہر دلیل ہے جیسا کہ فرمایا ہے۔ وَاختلاف السنتکم والوانکم تمہاری زبانوں اور رنگوں کو اختلاف اور اس امر کا بیان کہ مُنہ بدن کی مصلحت کا سبب ہے یہ ہے کہ ظاہر ہے کہ بدن کو غذا کی حاجت ہے۔ اس واسطے خالق حکیم نے غذا کھانے کے سب آلے مُنہ میں پیدا کئے ہیں۔ اور اس میں بہت حکمتیں ہیں +

پہلی حکمت یہ ہے۔ کہ خدا نے دانت پیدا کئے ہیں۔ اور دانتوں کے پیدا کرنے میں دو فائدے ہیں۔ پہلا فائدہ یہ ہے کہ دانتوں کے سبب سے آواز کے مُقطّع ہونے سے بعض حروف پیدا ہوتے ہیں۔ اور حروف کلام کا مادہ ہیں +

دوسری حکمت یہ ہے کہ خدا نے اس واسطے مُنہ میں دانت پیدا کئے ہیں۔ کہ وہ غذا کے چبانے اور کاٹنے اور توڑنے کا آلہ ہوں۔ اور پھر دانتوں کی پیدایش میں کئی طرح کی حکمتیں بھر دی ہیں کیونکہ جب آدمی غذا مُنہ میں رکھنی چاہتا ہے۔ تو پہلے کسی ایسی چیز کی ضرورت پڑتی ہے۔ کہ اُس سے غذا کو کاٹے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے حیوانوں کے اگلے دانتوں کو چوڑا پیدا کیا ہے۔ اور ان کے سروں کو چاقو کی مانند تیز بنایا ہے تاکہ غذا کو اپنے دانتوں سے کاٹ سکے۔ اور ان کاٹنے والے دونوں دانتوں کے پہلوؤں پر دو اور دانت جن کو ناب کہتے ہیں پیدا کئے ہیں۔ اور ان کو گول تیز سروں والے پیدا کیا ہے۔ تاکہ ان سے چیزوں

کو توڑلے۔ ان کے بعد منہ میں اور بھی بڑے دانت پیدا کئے ہیں۔ ان دانتوں کے سرے چوڑے اور سخت ہیں۔ اور یہ اس واسطے ہیں۔ کہ طعام کو پیس لیں جیسے چکی گیہوں کو پیستی ہے۔ اور اگر ایسا ہوتا کہ چوڑے سر والے دانت مُنہ کی اگلی طرف ہوتے اور تیز سر والے دانت ان کی بجائے مُنہ کی جڑھ میں ہوتے۔ تو یہ تمام مصلحتیں باطل ہوجاتیں۔ اور دانتوں کے وجود سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوتا +

تیسری حکمت دانتوں کے وجود میں یہ ہے کہ جو اگلے دانت ہیں ان کا کام صرف کاٹنا ہی تھا۔ اور غذا کے پیسنے کی نسبت یہ عمل ضعیف ہے۔ اس واسطے یہ دانت اتنے بڑے نہیں بنائے جتنے کہ دوسرے ہیں۔ اور اُن کی جڑ بھی ایک ہی ہے زیادہ نہیں۔ اور بڑے دانت جو طعام کو پیستے ہیں۔ ان کا کام قوی تھا۔ اس واسطے اُن کو بڑا بنایا۔ اور اُن کے بڑا ہونے کی وجہ سے اُن کی جڑیں بھی ایک سے زیادہ پیدا کی ہیں۔ کیونکہ جو جسم بڑا ہوتا ہے اُس کی جڑیں بھی چھوٹے جسم کی نسبت زیادہ ہونی چاہئیں۔ تاکہ جڑوں کی کثرت کے سبب وہ زیادہ مستحکم اور مضبوط ہو۔ اور معلوم ہونا چاہیئے کہ جو دانت اوپر کی طرف ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی تین یا چار جڑیں ہوتی ہیں۔ کیونکہ نیچے کے دانت اُس چیز کے مشابہ ہوتے ہیں جو اپنی قرار گاہ میں ٹھیری ہُوئی ہوتی ہے۔ اس لئے ان کو زیادہ مضبوطی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور اوپر کے دانت اُس چیز سے مشابہ ہوتے ہیں۔ جو معلق ہوتی ہے۔ اس لئے ان کو مضبوطی کی زیادہ کی ضرورت ہوتی ہے فَسُبْحَانَهُ مَا اَعْظَمَ شَانُهُ +

چوتھی حکمت دانتوں کی پیدائش میں یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے مُنہ کو دانتوں سے زینت اور آرائش بخشی ہے۔ کیونکہ سفیدی اور صفائی میں یہ مروارید کی مانند ہیں۔ اسی واسطے دانتوں کو ایک لڑی میں اس طرح مرتب کیا ہے۔ جیسے مروارید ایک لڑی میں پروئے ہوئے ہوتے ہیں پس اس بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ دانت بولنے اور غذا کھانے کی مصلحت کے حصول کے سبب ہیں نیز زینت کے کمال کے حصول کا سبب پاک ہے وہ پیدا کرنے والا کہ جسکے ہر ایک فعل سے اسکی قدرت کی اس قدر بیشمار دلائل اور اسکی وحدانیت کے بے انتہا ثبوت ظاہر ہیں +

دوسری نوع مُنہ کی پیدائش کے عجائبات میں یہ ہے کہ منہ میں ہمیشہ شیریں رطوبت موجود رہتی ہے۔ اور اس میں بہت سی حکمتیں ہیں +

پہلی حکمت یہ ہے کہ جب غذا منہ میں رکھتے ہیں۔ تو اس کو دانتوں سے چباتے ہیں اور چبانے کے وقت وہ غذا منہ کے پانی سے ملکر تر ہو جاتی ہے۔ اور اس رطوبت کے ذریعہ منہ اور تالو میں غذا کے پہنچنے سے لذت حاصل ہوتی ہے۔ اور اگر منہ میں یہ رطوبت نہ ہوتی تو غذا سوکھی رہتی۔ اور اس کا مزا منہ میں نہ پہنچتا۔ اور اس سے کچھ لذت حاصل نہ ہوتی۔ دوسری حکمت یہ ہے اگر آدمی خشک غذا کھائے تو منہ کا پانی منہ میں اسقدر جمع ہو جاتا ہے کہ وہ اس خشک غذا کو کھالے۔ اگر انسان کے پاس دو روٹیاں ہو اور ان میں سے ایک یا دونوں کھائے تو پانی منہ میں اتنا جمع ہو جاتا ہے کہ ان کو تر کر دے اور وہ گوندھی جائیں۔ اور اگر انسان طعام نہ کھائے اور اسقدر پانی منہ میں جمع کرنا چاہئے۔ تو جمع نہیں کر سکتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالے نے اس شیریں رطوبت کو حاجت کے اندازہ کے موافق منہ میں پیدا کیا ہے اور جسقدر ضرورت ہوتی ہے اسی قدر وقت پر ظاہر کر دیتا ہے تیسری حکمت یہ ہے کہ منہ چکی کی مانند ہے اور جو پانی اس چکی کو پھراتا ہے وہ معدہ کی گہرائی سے اوپر آکر حرکت دیتا ہے اور لوگ جب اس مشہور چکی کو پھرانا چاہتے ہیں تو پانی کو چکی کے اوپر جاری نہیں کرتے۔ بلکہ چکی کے نیچے جاری کرتے ہیں۔ اور اس سے چکی پھرتی ہے۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ اس باب میں جو طبیعت کا قلب کیا ہے یعنے الٹ کیا ہے اور اوپر کا کام نیچے سے لیا ہے یہ صانع مختار کی تقدیر سے ہی ہوا ہے اسکے سوا نہیں ہوا۔ چوتھی حکمت یہ ہے کہ جس وقت طعام دانتوں میں چبایا جاتا ہے اُس وقت طعام کی بعض چیزیں دانتوں سے باہر نکل پڑتی ہیں۔ اسلئے اُس پیدا کرنیوالے حکیم نے جو بلند اور پاک ہے ایسا کر دیا ہے کہ زبان اس طرح حرکت کرتی رہتی ہے کہ غذا کی جو چیزیں چبانیکے وقت دانتوں سے باہر نکل پڑیں ان کو پھر دوسری دفعہ دانتوں میں لے آئے۔ اور زبان کی حرکت اسطرح ہوتی رہے کہ طعام کو دانتوں کے نیچے رکھے۔ اور اس کو دانتوں سے نادر حالت کے سوا کوئی صدمہ نہ پہنچے اور یہ بہت ہی عجیب حکمت ہے اور بدن انسان کی تقدیر اور تدبیر میں صانع عالم کی کامل حکمت پر دلیل ہے۔ پانچویں حکمت یہ ہے کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ اگلے دانتوں کو چوڑے اور تیز سرول والے پیدا کیا ہے تاکہ وہ چاقو کی طرح طعام کو کاٹیں۔ اور اس میں خدا نے ایک عجیب حکمت رکھی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جس وقت حیوان طعام کو کاٹنا چاہتا ہے۔ اس وقت اوپر نیچے کے دانتوں کے سرے ایک دوسرے کے برابر ہو جاتے ہیں۔ اور اس سے وہ طعام کٹ جاتا ہے۔ اور جس وقت طعام کاٹنے میں مصروف نہیں ہوتے۔ اس وقت اوپر اور نیچے کے دانتوں کے سرے

ایکدوسرے کے برابر نہیں ہوتے بلکہ نیچے کی طرف کے دانت تو پیچھے کو ہٹے ہوئے ہوتے ہیں اور اوپر کی طرف کے دانت نیچے کے دانتوں کے آگے آجاتے ہیں کہ اگر بدستور ایک دوسرے کے مقابل میں ہی رہتے تو دانتوں کے سرے گھس جاتے بلکہ ٹوٹ جاتے۔ اسلئے پیدا کرنیوالے نے اپنی کمال صحت سے ایسا بنا دیا ہے کہ ضرورت کے وقت تو ایک دوسرے کے مقابل میں رہیں۔ تاکہ وہ حاجت رفع ہو جائے۔ اور حاجت کے سوا آگے پیچھے رہیں۔ تبارک وتعالیٰ فی حکمتہ الظاہرۃ والقدرۃ القاہرۃ اپنی ظاہر حکمت اور غالب قدرت میں خدا تعالیٰ بزرگ اور بلند ہے +

فصل ۷

(انسان کے چہرہ کے عجائب امور)

خالق عالم نے جو سب سے زیادہ بلند اور پاک تر ہے تمام حواسوں کو سر میں پیدا کیا ہے اور سر کو بدن کے اوپر بنایا ہے تاکہ یہ حواس بھی بدن کے اوپر رہیں۔ وجہ یہ ہے کہ جس طرح دیدبان یعنی محافظ جب چاہتا ہے کہ دور سے کوئی چیز دیکھے تو اونچی جگہ پر چڑھ جاتا ہے۔ اسی واسطے حواس کو بھی اونچی جگہ پر پیدا کیا ہے تاکہ دور سے چیزوں کو دیکھ سکیں۔ دوسری نوع اس حکمت کے عجائبات کی یہ ہے۔ کہ ایک دن ایک آدمی نے عمر رض بن خطاب کے پاس بیان کیا کہ یہ شطرنج کی ترکیب بہت ہی عجیب ہے کیونکہ کپڑے کے اسقدر چھوٹے سے ٹکڑے میں ہزارہا قسم کی عجیب وغریب کھیلیں وقوع میں آئی ہیں۔ حضرت عمر رض نے جواب دیا کہ آدمی کا چہرہ اس سے بھی زیادہ عجیب ہے۔ کیونکہ آدمی کے چہرے کا ٹکڑا شطرنج کے ٹکڑے سے بہت ہی چھوٹا ہے۔ اور شطرنج کے سامان کی ہر ایک چیز اپنے خانے سے نکلکر مختلف خانوں میں پھرتی رہتی ہے۔ اور جو اعضا آدمی کے چہرے پر ہیں وہ اپنی جگہ سے اِدھر اُدھر حرکت نہیں کرتے۔ اور اگر شطرنج کے ٹکڑے میں بہت سی کھیلیں وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ تو چہرہ کے ٹکڑے پر ترکیبیں بہت ہی عجیب ظاہر ہوتی ہیں۔ چنانچہ مشرق سے لیکر مغرب تک جاؤ۔ ایسے دو آدمی نہیں پاؤ گے۔ جو من کل الوجوہ ایک سے ہوں۔ اور یہ خداوند تعالےٰ کی کمال قدرت اور حکمت پر ظاہر دلیل ہے +

تیسری نوع حکمت کے عجائب کی یہ ہے کہ خدا نے آنکھ میں شور اور کانوں میں کڑوا اور ناک میں ناخوش اور مُنہ میں میٹھا پانی پیدا کیا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے۔ کہ چہرہ کی سطح بہت

ہی چھوٹی ہے۔ اور اس چھوٹے سے ٹکڑے میں چار قسم کا پانی جو مزے اور طبیعت اور صفت میں ایک دوسرے سے مختلف ہے پیدا کرنا کمال قدرت اور حکمت کے سوا ناممکن ہے ۔

چوتھی نوع یہ ہے۔ کہ امیر المومنین علی رضؓ نے فرمایا ہے۔ پاک ہے وہ پیدا کرنے والا۔ جس نے بینائی کی قوت چربی کے ایک ٹکڑے میں رکھی ہے۔ اور شنوائی کی قوت ہڈی کے ٹکڑے میں۔ اور گویائی یعنے بات چیت کرنے کی قوت گوشت کے ٹکڑے کو عطاء کی ہے ۔

فصل

(خدا کی حکمت کے ساتھ آدمی کے بدن کی شباہت میں)

حکماء نے کہا ہے۔ کہ آدمی کا بدن اُس گھر کی مانند ہے۔ جس میں آدمی کی سب ضروری چیزیں موجود ہوتی ہیں۔ پس اس گھر میں بلند جگہ پر مثل دریچہ کے سات سوراخ جو سر میں ہیں وہ مثل ان روزنوں کی ہیں جو دریچے میں ہوتے ہیں اور سر کا درمیانی حصہ گھر کے ایوان کے مثل ہے اور منہ گھر کے دروازہ کی مانند ہے اور ناک اس طاق کی مثل ہے جو گھر کے دروازہ کے اوپر ہوتا ہے اور دونوں لبیں گھر کے دروازہ کے دونوں کواڑوں کی مانند ہیں۔ اور دانت ایسے ہیں جیسے دروازہ کے چوکھٹ کی دونوں طرف کی لکڑیاں۔ اور زبان دروازہ پر دربان کی مانند ہے۔ اور پیٹھ مضبوط دیوار کی مانند ہے جو در اصل گھر ہوتی ہے۔ اور چہرہ گھر کے دروازہ کے سامنے کی مانند ہے۔ اور پھیپھڑا گھر کے نگاہبان اور چوکیدار کی مانند ہے۔ اور اس میں سانس کی آمدورفت اس ٹھنڈی ہوا کی مانند ہے۔ جو گرم گھر میں سے گذرتی ہے۔ اور دل گھر کے زمستان خانہ کی مانند ہے۔ اور معدہ مثل باورچی خانہ کے ہے۔ اور جگر مع اُس خون کے جو اس میں موجود رہتا ہے۔ مثل شراب خانہ کے ہے۔ اور رگیں ان گذرگاہوں کی مانند ہیں جو گھر میں ہوتی ہیں۔ اور تلی مثل اُس مٹکے کے ہے۔ جس میں میل اور تلچھٹ جمع ہوتی رہے۔ اور پتا سلحخانہ کی طرح ہے۔ اور انتڑیاں مثل پاخانہ کی ہیں۔ اور مثانہ گھر کے آبخانہ کی طرح ہے۔ اور نجاست اور پلیدی کے نکلنے کے دونوں راستے اُن گذرگاہوں کی مانند ہیں۔ جن میں سے مکانوں کی نجاست باہر جاتی ہے۔ اور دونوں پاؤں مثل سواری کے ہیں۔ جس پر آدمی سوار ہوتا ہے۔ اور ہڈیاں اُن لکڑیوں کی مانند ہیں۔ جن پر گھر کی بنا ہوتی ہے۔ اور گوشت اُس گارے کی طرح ہے جس سے دیواروں کو لیپتے ہیں۔ اور پٹھے ان رسوں کی مانند ہیں۔ جنکے ذریعہ لکڑیوں کو ایک

دوسری سے جکڑتے ہیں۔ پس بہت ہی پاک ہے وہ خداتعالیٰ جس نے مسافر روح کے واسطے بدن کی منزل میں اسقدر مصلحتیں تیار فرمائی ہیں۔ اور جب روح انسان کے بدن میں آتا ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے جیسے بادشاہ کسی شہر میں آتا ہے۔ اور اس کی بینائی کا آلہ آنکھیں ہیں۔ اور شنوائی کا کان۔ اور سونگھنے کا ناک۔ اور ذوق کا آلہ منہ اور چھونے کا ہاتھ ہیں اور انگلیاں کاموں کے کرنے میں نفع دینے والا آلہ ہیں۔ اور پاؤں اُسکے چلنے کا آلہ ہیں۔ اور اس کے خیال کرنے کا آلہ مقدم دماغ ہے۔ اور اس کے فکر کرنے کا آلہ دماغ کا درمیانی حصہ ہے اور اس کے ذکر کرنے کا آلہ مؤخر دماغ ہے۔ اور ان تمام حکمتوں سے مقصود یہ ہے کہ رُوح اس جہان میں خدا کی محبت اور معرفت میں مشغول رہے۔ تاکہ بدن کو چھوڑنے کے وقت نیک لوگوں کے گروہ میں سے ہو۔ اور یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ انسان کے اعضا کے فوائد کے متعلق بہت اور کچھ کہا جاسکتا ہے۔ بہت اور بھی لمبی چوڑی گفتگو ہے اور ان کی تشریح میں کئی جلدیں لکھی جاتیں تو پھر بھی کافی نہ ہوتیں۔ ہم اس کتاب میں طوالت کے خوف سے اسیقدر پر قناعت کرتے ہیں ✦

باب ۴

(انسان کے روح کی معرفت اور اسکے احوال تین فصلوں میں)

فصل ۱

(روح کی حقیقت)

حکماء نے کہا ہے کہ روح ایک جوہر ہے۔ جو مقدار اور جسم سے مجرد ہے۔ اور بدن سے اس کا تعلق تصرف اور تدبیر کا تعلق ہے۔ اور اس دعوے کی تصدیق کے واسطے اُنہوں نے دلائل بیان کئے ہیں۔ جو بعض عقلی ہیں اور بعض نقلی۔ عقلی دلیلیں دس ہیں ✦

پہلی یہ ہے کہ ذات واجب الوجود تقسیم کو قبول نہیں کرتی یعنے اس کی جزئیں نہیں ہوتیں اور جب تقسیم کو قبول نہیں کرتی۔ تو یہ موصوف ہے۔ اس لئے جو چیز اس علم سے موصوف ہوگی وہ بھی ناقسمت پذیر ہوگی۔ اور جو چیز متحیز یا متحیز چیز میں حال ہوتی ہے۔ یعنے حلول کئے ہوئے وہ تقسیم کو قبول کرنے والی ہوتی ہے۔ اس لئے اس بیان سے لازم آتا ہے۔ کہ انسان کی حقیقت ایک جوہر ہے جسم اور مقدار سے مجرد ✦

دوسری دلیل یہ ہے کہ ہم دریاؤں اور پہاڑوں کی صورتوں کو ذہن میں لا سکتے ہیں۔ اور جب یہ صورتیں ذہن میں آجاتی ہیں۔ تو اُن کا محل یا جسمانی ہے یا روحانی۔ اور یہ محال ہے۔ کہ ان صورتوں کا محل جسمانی ہو۔ کیونکہ وہ صورتیں ہمارے تمام بدن کی نسبت بہت ہی بڑی ہیں اور بڑی صورت چھوٹے محل میں نہیں سما سکتی۔ اس لئے ضرور ہے کہ اُن صورتوں کا محل جسمانی نہ ہو۔ بلکہ روحانی ہو +

تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر حیات اور علم اور قدرت کا محل جسم کی جزیں ہوں۔ تو دو حال سے باہر نہیں ہوگا۔ یا تو جسم کی ہر ایک جزء کے ساتھ ایک علم مع اپنی تعریف کے قائم ہوگا۔ یا ہر ایک جزء کے مجموعہ کے ساتھ پہلی حالت باطل ہے۔ اگر باطل نہ ہو۔ تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ جسم کی جزوں میں سے ہر ایک جزء عالم اور قادر اور حیّ ہو۔ اور جب ہر ایک جزء ایسی ہے۔ تو ایک حیّ اور عالم اور قادر نہیں ہوگا۔ بلکہ بہت چیزیں حیّ اور عالم اور قادر ہونگی۔ اور یہ بدیہی عقل کے نزدیک بھی محال ہے۔ اور دوسری قسم بھی باطل ہے۔ کیونکہ اگر یہ مانا جائے۔ کہ ہر ایک جزء کے مجموعہ سے علم اور قدرت قائم ہے۔ تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ایک عرض بہت محلوں کے ساتھ قائم ہے۔ اور یہ بھی محال ہے۔ اگر کوئی سائل یہ کہے۔ کہ اس بحث میں یہ کہا جاتا ہے۔ کہ علم اور قدرت ایک جوہر فرد کے ساتھ قائم ہے۔ تو اس کا جواب ہم یہ دیتے ہیں۔ کہ جوہر فرد کا ہونا محال ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جو چیز متمیز ہوگی وہ اس کی دو جانبیں ہونگی۔ اور جو ایسی ہوگی وہ ضرور منقسم ہوگی۔ اس لئے جوہر فرد کا ہونا محال ہے +

چوتھی دلیل ہر ایک آدمی بدیہی عقل سے اس بات کو جانتا ہے کہ فلاں آدمی وہی ہے جو اس وقت سے دس سال پہلے تھا۔ اور یقینی طور پر یہ بھی جانتا ہے۔ کہ اس کے بدن کی جزیں وہ نہیں جو پہلے تھیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا بدن گرم و تر ہے۔ اور جب حرارت رطوبت میں اثر کرتی ہے۔ تو بخارات بدن سے جدا ہوتے ہیں۔ اور غذا کی جزیں ان کے قائم مقام ہوتی ہیں۔ اور یہ عمل ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ اس لئے لازم آتا ہے۔ کہ حقیقت انسان جو باقی ہے وہ جسم کی ان جزوں کے سوا ہے +

پانچویں دلیل یہ ہے کہ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی مہم کے کام میں ایسے مشغول ہوتے ہیں۔ کہ اُس وقت اپنے تمام ظاہری اور باطنی اعضا کے احوال سے غافل ہو جاتے ہیں لیکن اپنی حقیقت سے غافل نہیں ہوتے۔ کیونکہ اس حال میں جب۔ یہ کہتے ہیں۔ میں گیا۔

یں نے کہا۔ میں نے دیکھا میں نے سُنا۔ تو اس سے ظاہر ہے۔ کہ وہ اپنے آپ سے غافل نہیں۔ اور جب یہ ٹھیک ہے۔ کہ آدمی جس وقت اپنے اعضاء اندرونی بیرونی سے غافل ہوتا ہے۔ اُس وقت بھی اپنے آپ کو جانتا ہے۔ تو اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ آدمی کے جوارح اور اعضا کے سوا اس کی حقیقت ایک چیز اور ہی ہے +

چھٹی دلیل یہ ہے۔ کہ چالیس سال کے بعد آدمی کے تمام اعضا میں نقصان آجاتا ہے۔ اگر انسان کی عقلی قوت جسمانی ہو۔ تو لازم آتا ہے کہ چالیس سال کے بعد اس میں بھی نقصان آنے لگ جائے۔ اور جب یہ معلوم ہوا ہے۔ کہ عقلی قوت بڑھتی ہے۔ تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عقلی قوت۔ جسمانی نہیں +

ساتویں دلیل یہ ہے کہ جس جسم میں کوئی نقش ظاہر ہو۔ جب تک اُس میں وہ نقش باقی رہتا ہے۔ کوئی دوسرا وہاں نہیں آسکتا۔ اور عقلی قوت کا حال اُسکے برخلاف ہے کیونکہ عقل میں جب کوئی عقلی نقش آتا ہے۔ تو عقل کو باوجود موجود ہونے دوسرے نقشوں کے اسکا قبول کرنا زیادہ آسان ہو جاتا ہے۔ پس اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ قوت عقلی جسمانی نہیں +

آٹھویں دلیل یہ ہے کہ انسان اپنے تمام اعضاء کی اپنی طرف مضاف کرتا ہے۔ اور کہتا ہے میرا سر۔ میرے پاؤں۔ میرا دماغ۔ پس اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انسان کی ذات کی حقیقت جسکی طرف وہ اپنے تمام اعضا مضاف کرتا ہے۔ ان اعضا کے سوا اور ہی ہے +

نانویں دلیل یہ ہے کہ فکر کرنا گرمی اور خشکی کا باعث ہے۔ اور فکر نفس کے کمال کا باعث ہے۔ اور گرمی او خشکی سے جسم تحلیل پاتا ہے۔ پس اگر نفس اور جسم ایک ہی چیز ہوتی۔ تو اس سے یہ لازم آتا۔ کہ فکر ایک ہی چیز کے کمال کا باعث ہو۔ اور اسی کے نقصان کا موجب اور ایسا ہونا محال ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس جسم کے سوا ہے +

دسویں دلیل یہ ہے کہ خواب جسمانی قوتوں کے نقصان کا باعث ہے۔ کیونکہ نیند کے وقت قوت باصرہ اور سامعہ وغیرہ معطل اور بیکار رہ جاتی ہیں۔ لیکن نیند روحانی قوتوں کے قوی ہونے کا موجب ہے۔ کیونکہ جب آدمی سو جاتے ہیں۔ تو ان کے ارواح کو زیادہ قوت حاصل ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ تمام عالم پر مطلع ہو جاتا ہے۔ پس اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ روحانی قوتیں جسمانی نہیں +

گیارھویں دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کی پیدائش میں سات مرتبے بیان کئے ہیں۔ ان میں سے چھ تو جسمانی عالم سے علاقہ رکھتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا ہے لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ تا فَکَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا۔ پیدا کیا ہم نے انسان کو سلالہ مٹی کے خلاصے سے۔ پھر بنایا ہم نے اس کو نطفہ محفوظ جگہ میں۔ پھر بنایا ہم نے نطفے کو علقہ۔ پھر بنایا ہم نے علقے کو مضغہ۔ پھر بنایا ہم نے مضغہ کو ہڈیاں۔ پھر پہنایا ہم نے ہڈیوں کو گوشت مٹی سے۔ ان مرتبوں میں سے پہلا سلالہ ہے۔ دوسرا نطفہ۔ تیسرا علقہ۔ چوتھا مضغہ۔ پانچواں ہڈیاں۔ چھٹا گوشت ہے۔ اور ساتواں مرتبہ جو روح کا پھونکنا تھا۔ اسکی نسبت فرمایا ثُمَّ اَنْشَاْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ پھر پیدا کیا ہم نے اس کو ایک دوسری پیدائش۔ اور اگر حیات اس صفت سے مراد ہوتی جو جسم میں حادث ہوتی ہے تو اسکو خلقاً آخر نہ کہا جاتا۔ پہلے چھ مرتبوں میں جسم کے احوال کے تغیرات سے مقصود تھا۔ اس لئے ان مرتبوں میں کسی کی نسبت یہ نہیں فرمایا ثُمَّ اَنْشَاْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ اور جب روح کے پھونکنے کے وقت یہ فرمایا ہے ثُمَّ اَنْشَاْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روح عالم جسمانی سے نہیں +

بارھویں دلیل یہ ہے کہ حدیثوں میں آیا ہے کہ جبریل علیہ السلام کے کئی ہزار پر ہیں اور یہ بھی وارد ہے۔ کہ جبریل علیہ السلام روحانی چیز ہے۔ جسمانی نہیں۔ اور کبھی بڑے جسم کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے۔ کبھی چھوٹے کے ساتھ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ روح عالم جسمانی سے نہیں +

فصل ۲

اس بیان میں کہ روح کا پہلا متعلق دل ہے۔ اور پھر دل کے ذریعہ تمام دوسرے اعضا کے ساتھ متعلق ہوتا ہے

ایک جماعت کی رائے یہ ہے۔ کہ آدمی کے جسم میں تین نفس ہیں۔ ایک فکر کرتی ہے۔ یعنے فکر کرنے والا اس کا محل دماغ ہے۔ دوسرا غصبی ہے۔ اس کا محل دل ہے۔ تیسرا شہواتی ہے اس کا محل جگر ہے۔ اور حق مذہب پہلا قول ہے۔ اور اس کی صحت پر ہمارے پاس بہت سی دلیلیں ہیں +

پہلی دلیل یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں فرمایا ہے۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ جو شخص جبریل علیہ السلام کا دشمن ہے اس کو کہدو کہ تحقیق اس نے اسکو تیرے دل پر نازل کیا ہے۔ اور سورہ طسم میں فرمایا ہے۔ وَإِنَّهُ لَتَنزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ۔ اور تحقیق وہ جہانوں کے رب کا نازل کرنا ہے اُتارا ہے اس کو روح الامین نے تیرے دل پر۔ اِن دونوں آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ تنزیل دل پر ہوتی ہے اور بس +

دوسری دلیل یہ ہے۔ فرمایا ہے إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ۔ تحقیق اس میں ذکر ہے اُس شخص کے واسطے کہ وہ دل رکھتا ہے۔ یہ آیت بھی اس پر صاف دلیل ہے کہ فہم اور ادراک دل سے ہوتا ہے۔ دل کے سوا نہیں ہوتا +

تیسری دلیل یہ ہے لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَٰكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ۔ نہیں پکڑیگا تم کو اللہ تعالیٰ تمہاری لغو قسموں کے بدلے لیکن پکڑیگا تم کو بسبب اُسکے بدلے جو تمہارے دلوں نے کسب کیا اور کمایا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ مواخذہ دل کے فعل پر ہے پس معلوم ہوا کہ فاعل دل ہے +

چوتھی دلیل یہ ہے کہ فرمایا ہے أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ۔ وہ لوگ ہیں کہ جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے واسطے آزمالیا ہے۔ پس اس سے بھی ظاہر ہے کہ پرہیزگاری دل میں ہے +

پانچویں دلیل یہ ہے کہ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا۔ تحقیق کان اور آنکھیں اور دل ان سب سے سوال کیا جائیگا۔ اور سننے اور دیکھنے سے مقصود دل کی معرفت ہے۔ پس یہ آیت اس پر دلیل ہے کہ خطاب اور عذاب ثواب سب دل کے متعلق ہے +

چھٹی دلیل یہ ہے کہ جس جگہ قرآن میں ایمان کا ذکر کیا ہے۔ وہاں دل کی طرف اس کی اضافت کی ہے۔ فرمایا ہے مِنَ الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِن قُلُوبُهُمْ۔ اُن لوگوں میں سے جو اپنے مُنہ سے کہتے ہیں ایمان لائے ہم اور نہیں ایمان لائے اُن کے دل۔ اور فرمایا ہے إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ۔ اور فرمایا ہے وَكَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ۔ اور لکھا گیا اُن کے دلوں میں ایمان۔ اور فرمایا ہے وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِهِمْ۔ اور ابھی ایمان اُنکے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ اِن آیات

سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ علوم کا محل دل ہے۔ اور جب علوم کا محل دل ہے۔ تو ارادہ کا محل بھی دل ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ارادہ علم سے مشروط ہوتا ہے۔ اور جب ایسا ہے۔ تو فاعل دل ہے +

ساتویں دلیل یہ ہے کہ عقل کا محل دل ہے۔ اس لئے مکلف دل ہونا چاہیئے۔

اور اس امر کی دلیل کہ عقل کا محل دل ہے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَکُوْنَ لَھُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِھَا۔ کیا زمین میں چلتے پھرتے نہیں پس ان کے دل ایسے ہوں۔ کہ ان کے ذریعے سمجھیں۔ اور فرمایا ہے وَلَھُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ بِھَا اور اون کے دل ہیں کہ ان سے نہیں سمجھتے۔ اور اسی طرح علم اور معرفت کی ضدوں کو بھی دل کی طرف مضاف کیا ہے۔ اور فرمایا ہے فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ۔ ان کے دلوں میں مرض ہے۔ اور فرمایا ہے خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ۔ اور مہر لگادی اللہ نے ان کے دلوں پر اور فرمایا ہے اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا۔ کیوں قرآن میں فکر نہیں کرتے۔ کیا ان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں۔ پس یہ تمام آیتیں اس امر کی ظاہر اور روشن دلیل ہیں۔ کہ عضو رئیس ہی مکلف ہے اسکے سوا اور کوئی مکلف نہیں +

آٹھویں دلیل یہ ہے۔ کہ نبیوں کے سردار پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے اِنَّ فِیْ جَسَدِ بَنِیْ اٰدَمَ لَمُضْغَۃً۔ آدمی کے بدن میں گوشت کا ٹکڑا ہے۔ اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ بِھَا سَائِرُ الْبَدَنِ۔ جب وہ گوشت کا ٹکڑا اصلاح پذیر ہوتا ہے۔ تو باقی بدن بھی اصلاح پذیر ہوتا ہے وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ بِھَا سَائِرُ الْجَسَدِ۔ اور جب اس گوشت کے ٹکڑے میں فساد واقع ہوتا ہے تو تمام بدن میں فساد آجاتا ہے اِلَّا وَھِیَ الْقَلْبُ خبردار وہ گوشت کا ٹکڑا دل ہے۔ پس اس بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آدمی کے بدن میں رئیس مطلق دل ہے۔ اور دوسری روائتوں میں آیا ہے کہ آسامہ بن زید نے ایک کافر کے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ اس وقت اس کافر نے کہا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اسامہ نے اس کو مار ڈالا مصطفےٰ صلعم نے پوچھا۔ تو نے اس کو کیوں مارا۔ جواب دیا اے اللہ کے رسولؐ اس کافر نے یہ کلمہ تلوار کے خوف سے کہا ہے۔ نبیوں کے سردار نے فرمایا ھلا شققت عن قلبہ تو اس کے دل سے کیوں نہیں ڈرا۔ جب تو نے اس کے دل کے حال کو نہیں دیکھا۔ تو تُو کس طرح جانتا ہے۔ کہ اس نے یہ کلمہ خوف سے کہا ہے یا اخلاص سے۔ اور یہ حدیث اس پر دلیل ہے کہ ایمان کا محل دل ہے۔ اور دوسری حدیث میں ہے۔ کہ مصطفےٰ صلعم ہمیشہ کہا کرتے تھے۔

یا مقلب القلوب ثبت قلبی علیٰ دینک - اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھ - اور یہ اس پر ظاہر دلیل ہے کہ تمام فعلوں کا مبداول ہے +

فصل ۳

(روح کے مرتبے

اکابر حکماء کی جماعت نے کہا ہے - کہ انسان کے روح ماہیت میں برابر ہیں - اور صفتوں اور فعلوں کا جو اختلاف ہے - وہ مزاجوں کے سبب سے ہے - اور ہماری رائے یہ ہے کہ انسان کی رُوح ایک جنس ہے - اور اس کے ماتحت بہت سے انواع ہیں - اور قرآن اور حدیث اور فقہ تینوں سے ہمارے قول پر دلیلیں موجود ہیں - قرآن سے اس مطلب پر یہ دلیل ہے - فرمایا ہے واللہ اعلم حیث یجعل رسالة - اور یہ ظاہر دلیل ہے - کیونکہ جب تک روح کو یہ منصب حاصل نہ ہو کہ وہ رسالت کے قابل ہو - اس کو رسالت نہیں عطا فرماتے - اور اگر اس قابلیت کا حاصل ہونا عطا سے ہو - تو اُس عطا کا حاصل ہونا بھی دوسری اہلیت اور قابلیت سے ہوگا - اور اس سے تسلسل پیدا ہو جاتا ہے - اور اگر وہ قابلیت ماہیت کے لازموں میں سے ہو تو اس سے لازم آتا ہے - کہ ارواحوں کی ماہیتیں مختلف ہوں - اور حدیث سے اس مقصود پر دلیل یہ ہے - کہ عالم کے سردار نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ الناس معادن کمعادن الذھب والفضة - آدمی کانیں ہیں مثل سونے اور چاندی کی کانوں کے - اور دوسری جگہ فرمایا ہے الارواح جنود مجندة فما تعارف منھا ائتلف وما تناکر منھا اختلف - یہ دونوں حدیثیں اس بات کی ظاہر دلیل ہیں - کہ بشری ارواح ماہیت میں مختلف ہیں - اور عقلی دلیل یہ ہے کہ ہم دو آدمیوں کو دیکھتے ہیں - ان میں سے ایک تو بہت کوشش کرتا ہے - اور بڑی محنت سے کچھ علم حاصل کرتا ہے - اور دوسرا تھوڑی سی کوشش سے بہت سا علم پیدا کر لیتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے - کہ یہ فرق اصلی پیدائش کے فرق کے باعث سے ہے - اور اسی واسطے فرمایا ہے فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ اللہ کی فطرت وہ ہے جس پر آدمیوں کو پیدا کیا ہے - اور اللہ کی فطرت میں تبدیلی نہیں - اور جب یہ معلوم ہو گیا تو اُس کے بعد ہم کہتے ہیں - کہ انسانی ارواح کو دو قوتیں حاصل ہیں - ایک قوت نظری ہے -

اور دوسری عملی۔ نظری قوت وہ قوت ہے۔ کہ آدمی کا روح اس کے ذریعہ جسموں میں تصرف کرتا ہے۔ اور ان دونوں قوتوں کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کی بہت آیتوں میں بیان کیا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ہے رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ۔ اے رب مجھے حکمت عطا کر۔ اور مجھ کو صالح لوگوں میں شامل کر۔ اس مقولہ میں یہ قول هَبْ لِي حُكْمًا نظری قوت ہے۔ اور وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ عملی قوت ہے۔ اور حق تعالیٰ نے موسیٰ کو فرمایا ہے اِنَّنِيْ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِيْ تحقیق میں اللہ ہوں اور میرے سوا کوئی اللہ نہیں۔ اس لئے میری ہی عبادت کر۔ اس میں یہ قول لا الٰہ الا انا۔ نظری قوت کا کمال ہے۔ اور فَاعْبُدْنِيْ عملی قوت کا کمال ہے اور عیسیٰ سے حکایت کی ہے کہ انہوں نے کہا۔ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ۔ تحقیق میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے دی ہے مجھ کو کتاب اور بنایا مجھ کو نبی۔ اور بنایا مجھ کو مبارک جہاں ہوں میں۔ یہ تمام بیان قوتِ نظری کا کمال ہے اور اس کے بعد کہا ہے وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ۔ اور وصیت کی مجھ سے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی اور یہ تمام قوت عملی کے حال کا کمال ہے۔ اور مہتر عالم یعنے عالم کے سردار کو فرمایا ہے فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پس جان لے کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ یہ نظری قوت کا کمال ہے۔ اس کے بعد کہا ہے وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ۔ اور اپنے گناہوں کی واسطے بخشش طلب کر۔ اور یہ قوت عملی کا کمال ہے۔

نظری قوت کے موافق ارواحوں کے مرتبے ہیں۔ اور عملی قوت کے موافق بھی تین ہیں قوت نظری کے مرتبے یہ ہیں۔ روح کی حالت یا تو ایسی ہوگی۔ کہ وہ حق کے اعتقاد حقہ کو حاصل کریگی یا باطلہ کو۔ اور اگر اعتقاد حقہ حاصل ہونگے۔ تو وہ یا تو مکاشفہ کے طریق سے یا استدلال کے ذریعے یا تقلید کی راہ سے حاصل ہونگے۔ اور مکاشفہ کا طریق یہ ہے۔ کہ جب روح بڑی صفائی اور قوت میں ہوتا ہے۔ اور عقلی صورتوں کے قبول کرنیکی پوری پوری قابلیت رکھتا ہے تو عالم غیب کا نور اس میں بلکہ جلوہ دکھاتا ہے۔ اور عالم قدسی کے انوار اس میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ایسا آدمی بغیر تعلیم پانے اور کوشش کے دانا ہو جاتا ہے۔ اور دانائی میں اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ گویا وہ سب کچھ دیکھتا ہے۔ اور جب یہ مسئلہ معلوم ہوگیا ہے تو اب قوتِ نظری میں روح کے تین مرتبوں کو سمجھنا چاہیئے۔ فرمایا ہے وَاَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ دائیں طرف والے اور بائیں طرف والے اور مقربانِ خدا دو قسم کے ہیں۔

ایک تو خواص کہلاتے ہیں یعنے خاص لوگ ۔ یہ وہ ہیں جن کے ارواح اصل فطرت میں ہی نورانی ربانی اور علوی ہیں ۔ اور خدا تعالیٰ کی کرامتوں کے ساتھ مشرف ۔ جسموں سے ان روحوں کا تعلق بہت ہی ضعیف ہوتا ہے ۔ اور تھوڑے سے مجاہدوں سے ہی حدوث کا غبار دور ہو جاتا ہے ۔ اور قدسی نور اس میں چمک جاتا ہے ۔ پس اس گروہ کے لوگوں کو اصحاب مکاشفہ کہتے ہیں ۔ اور دوسرے گروہ کے مقرب عام مقرب کہلاتے ہیں ۔ یہ وہ ہیں جو نظر اور فکر اور دلیل سے اللہ تعالیٰ کی معرفت کو حاصل کرتے ہیں ۔ اور حق کی طلب میں حد درجہ کی کوشش ظاہر کرتے ہیں ۔ اور یاد رکھنا چاہیئے ۔ کہ پہلے مقام میں کسب کا بہت اثر نہیں ہوتا ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مجاہدوں اور ریاضتوں کا اثر کدورت اور غبار کے دور کرنے میں ہوتا ہے اس کی مثال صیقل کی ہے جو زنگار کو لوہے سے دور کرتا ہے ۔ جو چیز زنگار کے نیچے ہوتی ہے وہ کامل لوہا ہوتا ہے ۔ جو صیقل کرنے کے بعد اس سے نکل آتا ہے ۔ اس لئے صیقل کی تاثیر زنگار کے دور کرنے میں ہوتی ہے ۔ لوہے کے جوہر کے تبدیل کرنے میں نہیں ہوتی ۔ یہی مجاہدہ کے صیقل کی تاثیر کا حال ہے ۔ اسکی تاثیر سے روح کی حقیقت کا قلب نہیں ہوتا ۔ بلکہ اس سے بشریت کے غبار کا ازالہ اور طبیعت کا رفع ہوتا ہے ۔ پس اگر روح اصل ماہیت میں علوی شریف روح ہوتا ہے ۔ تو اس کو اپنے کمالات حاصل کرنے کے واسطے تھوڑا ہی سا مجاہدہ کافی ہوتا ہے ۔ اور اگر روح اصل ماہیت میں روح کثیف سفلی اور غلیظ ہوتا ہے ۔ تو ریاضت کرنے سے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ۔ اور اس کی حالت اور جبلت متغیر نہیں ہوتی ۔ اور اصحاب الیمین کا مرتبہ بھی دو قسم پر ہے ۔ پہلے گروہ کے وہ لوگ ہیں ۔ جنہوں نے دلائل کے ساتھ نقلیہ کے ساتھ نہیں ۔ تصورات اور تصدیقات کے عقلی مقصدوں اور روحانی مقاموں کے مطابق کر لیا ہے ۔ یہ جماعت خواص اصحاب الیمین کی ہے ۔ اور دوسرے گروہ کے وہ لوگ ہیں ۔ کہ ان کو نہ تو حق کی تصدیقات اور تصورات حاصل ہوتے ہیں اور نہ ہی باطل کے بلکہ ان کے نفوس تمام نقوش سے محفوظ ہوتے ہیں ۔ یہ جماعت عوام اصحاب الیمین کی ہے ۔ اور اصحاب الشمال کے بھی دو گروہ ہیں ۔ ایک تو وہ ہیں ۔ جو خود بھی گمراہ ہیں ۔ اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں ۔ یہ خواص مبطل ہیں ۔ دوسرے وہ جو خود گمراہ ہیں لیکن دوسروں کو گمراہ نہیں کرتے ۔ یہ عوام مبطل ہیں ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قوت نظری کے لحاظ سے ارواح کے مرتبے چھ ہیں ۔ اور یاد رکھنا چاہئے کہ معلومات کے مرتبے بیشمار ہیں ۔ اور

بشریہ ارواح کی استعداد کے مراتب بھی استعداد کی قوت اور اس کے ضعیف کے لحاظ سے بے انتہا ہیں۔ اس لئے بشری ارواح کے مراتب معارف کے درجوں کے لحاظ سے بھی بے نہایت ہیں۔ اور بشریہ ارواح کی جب یہ خاصیت ہے کہ ایک حالت اور صفت سے دوسری حالت اور صفت کی طرف منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ تو اس واسطے قدسی درجوں کے مقامات میں ان کے نزول اور عروج کی بھی کوئی حد اور نہایت نہیں۔ لیکن ارواح کی قوت عملی کے کل تین مرتبے ہیں۔ پہلے وہ کہ ان کے اعمال اور اخلاق موافق ہوں مصلحت عالم کے اور موافق ہوں اس شخص کی مصلحت کے۔ ان کو نفوس خیرہ کہتے ہیں۔ دوسرے وہ ہے کہ ان کے اقوال اور افعال اس شخص کے مصلحت کے برخلاف ہوں۔ ان کو نفوس شریرہ کہتے ہیں۔ تیسرے وہ جن کے ارواح ان دونوں قسموں کی صفات سے خالی اور عاری ہوں۔ ان کو نفوس ساذجہ کہتے ہیں۔ اور جب اعمال اور اخلاق کے مرتبے نوع اور نیز صفت اور نیز شخص کے لحاظ سے بے انتہا ہیں اسی واسطے قوت عملی میں بھی ارواحوں کے درجے بے نہایت ہیں یہ ہے مختصر ذکر بشریہ ارواح کا۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین۔ پس اللہ تعالےٰ احسن الخالقین بڑی برکت والا ہے ۔

فصل ۴

اس بیان میں کہ صانع حکیم کی حکمت اور قدرت کے کمال پر جسموں سے ارواح کا تعلق کامل اور روشن دلیل ہے۔ ارواح کا تعلق جو جسم سے ہے وہ اللہ جلشانہ کی ہستی پر دو وجہ سے دلیل ہے ۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ ارواح کا احوال ہر طرح سے جسموں کے برخلاف ہے کیونکہ حکماء کے قول کے موافق ارواح مجرد جوہر ہیں اور جسم مجرد نہیں۔ وہ اس صفت کے برخلاف ہیں ارواح علوی اور قدسی اور لطیف اور نورانی ہیں۔ اور اجسام سفلی اور کثیف اور ظلمانی ہیں ارواح کو معرفتوں اور مکاشفوں سے قوت حاصل ہوتی ہے۔ اور جسموں کو محسوس چیزوں اور خواہشوں کی لذت سے۔ اور اس کے سوا یہ بھی ہے۔ کہ بدن کی کوئی جزو روح کی تاثیر سے خالی نہیں۔ اور باوجود اس کے روح محسوس نہیں ہوتا۔ اس سے ظاہر ہے کہ جسم اس عالم میں

موجود ہے اور روح معدوم لیکن عالم عقل میں اسکے برخلاف ہے۔ کیونکہ عالم عقل میں جسم معدوم ہے اور رُوح موجود۔ اور جسم مقہور ہے اور روح قاہر۔ اور جسم مغلوب ہے اور روح غالب۔ پس اس بیان سے ظاہر ہے کہ جسموں اور روحوں کے درمیان ضدیت ہے۔ اور ایکدوسرے کے برخلاف ہیں۔ اور ان دونوں جوہروں کا جمع ہونا جو ایک دوسرے کی ضد ہیں اس پیدا کرنے والے اور قادر حکیم کے سوا نہیں ہو سکتا +

دوسری وجہ دلیل کی اجسام اور روحوں کے تعلق سے خدا کی ہستی پر یہ ہے۔ کہ ہر ایک شخص کو ایسا جسم دیا گیا ہے۔ جو اس کی ذات کے لائق تھا۔ بعض کی رائے ہے۔ کہ حالات کا اختلاف بدن کے آلات کے اختلاف کی وجہ سے نہیں۔ اور یہ باطل ہے۔ کیونکہ اگر ہم تین انڈے لیں۔ ایک عقاب کا دوسرا بط کا تیسرا سانپ کا۔ اور معتدل گرمی میں اُن کی پرورش کریں۔ تو کچھ عرصہ کے بعد انڈے پھٹ جائینگے۔ ایک سے عقاب کا بچہ پیدا ہوگا دوسرے سے بط کا اور تیسرے انڈے سے سانپ کا۔ اور جب کچھ روز گذر جائینگے۔ اور ان کے جسموں میں کچھ تھوڑی سی طاقت آجائے گی۔ تو عقاب کا بچہ تو ہوا میں اڑنے کا ارادہ کریگا۔ اور بط کا بچہ پانی میں تیرنے کا اور سانپ کا بچہ زمین کے اندر گھسنے کا۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر ایک حیوان کو ویسا ہی جسم دیا ہے۔ جو اس کی ذات کے موافق ہے۔ اور اس ترتیب کی حفاظت اور رعایت کامل قدرت اور نہایت روشن حکمت کے سوا ناممکن ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ ارواح کا اجساد کے ساتھ اتصال اس خالق تعالٰی کی ہستی اور اسکی رحمت حکمت اور قدرت پر واضح دلائل میں سے ایک دلیل ہے +

باب ۵

(نفسانی قوتوں کے بیان میں)

نفسانی قوتیں تین قسم کی ہیں۔ پہلی قسم کی وہ قوتیں ہیں۔ جن میں انسان نباتات کے ساتھ برابر ہوتا ہے۔ اُنہیں نباتاتی قوتیں کہتے ہیں۔ دوسری وہ قوتیں ہیں۔ جن میں آدمی حیوان کے ساتھ برابر ہوتا ہے۔ ان کو حیوانی قوتیں کہتے ہیں تیسری وہ قوتیں ہیں۔ جو آدمی کا ہی خاصہ ہیں۔ اور اُن میں اس عالم کی مخلوقات کی کوئی نوع آدمی کیساتھ برابری نہیں کرتی پہلی جنس جو نباتی قوتیں ہیں وہ دو طرح کی ہیں۔ ایک مخدومہ کہلاتی ہیں۔ دوسری خادمہ۔ پھر مخدومہ

کی چار قسمیں ہیں۔ پہلی غاذیہ ہے اور وہ ایک قوت ہے کہ جب بدن کی حرارت کے بدن کی رطوبت میں تاثیر کرنے سے بدن کی بہت سی جزیں تحلیل ہو جاتی ہیں۔ وہ دوسری جزیں ان تحلیل شدہ جزوں کی قائم مقام ہوتی ہیں۔ پس جس قوت کے ذریعہ یہ عمل صادر ہوتا ہے۔ اس کو قوت غاذیہ کہتے ہیں۔ دوسری نامیہ قوت ہے۔ وہ یہ ہے جس کے ذریعے اجسام کا نشو ونما ایک خاص نسبت اور خاص اعتدال کے ساتھ ہوتا ہے۔ تیسری قوت مولدہ ہے۔ یہ وہ ہے جو ماں اور باپ کے بدن سے ایک ایک جز ایسی الگ کرے جن میں یہ استعداد ہو۔ کہ ان سے ایک شخص اپنے اصل کی مانند ظاہر ہو جائے۔ چوتھی قوت مصوّرہ ہے۔ طبیب کہتے ہیں۔ یہ وہ قوت ہے۔ جس کے ذریعہ خدا تعالےٰ اعضاء کی شکلیں اور صورتیں پیدا کرتا ہے یہ ہیں نباتی قوتیں جو مخدومہ کہلاتی ہیں +

خادمہ قوتیں بھی چار ہیں پہلی قوت جاذبہ ہے۔ یہ وہ قوت ہے جو غذا کو جذب کرتی ہے یعنے اندر کو اعضاء کی طرف کھینچتی ہے۔ دوسری قوت ماسکہ ہے۔ یہ وہ قوت ہے جو غذا کو اس قدر عرصہ تک رکھتی ہے کہ اس میں ہاضمہ اپنا عمل کر سکے۔ تیسری قوت ہاضمہ ہے یہ وہ ہے جو غذا میں تصرف کرتی ہے۔ اور اس کو اپنے اصلی حال سے نکال کر اس قابل بنا دیتی ہے کہ وہ بدن کی تحلیل شدہ جزوں کے قائم مقام ہو۔ چوتھی دافعہ ہے۔ یہ وہ قوت ہے جو غذا کے ایسے اجزاء کو جن میں بدن کے تحلیل شدہ اجزا کے قائم مقام بننے کی صلاحیت نہ ہو جسم سے باہر نکال دیتی ہے۔ یہ ہے مجموعہ نباتی خادمہ اور مخدومہ قوتوں کا۔ جاننا چاہئے کہ بدن میں جس قدر ہڈیاں ہیں۔ ان کی تعداد معلوم ہے۔ اسی طرح مچھلیوں دماغی اور نخاعی پٹھوں۔ رباطات۔ اوتار۔ غضاریف اور شریانات کی تعداد بھی معلوم ہے اور ان سب اعضاء کا مجموعہ تین ہزار کے قریب ہے۔ خالق تعالیٰ و تقدس نے ان اعضا میں سے ہر ایک کے اندر ان آٹھوں نباتی قوتوں کو پیدا کیا ہے۔ پس معلوم ہونا چاہئے۔ کہ جب آدمی روٹی کا ایک لقمہ کھاتا ہے۔ تو یہ آٹھوں نباتی قوتیں حیوان کے بدن کی مصلحت کے واسطے صانع حکیم اور خالق رحیم کی تقدیر کے مطابق اس میں عمل کرتی ہیں۔ بلکہ اگر اچھی طرح سے غور کیا جائے تو معلوم ہوگا۔ کہ بدن کی جتنی جزیں خواہ چھوٹی ہوں خواہ بڑی ان میں سے ہر ایک کے اندر آٹھوں نباتی قوتیں موجود ہیں۔ اس واسطے ان قوتوں کی تعداد خدا کے سوا اور کسی کو معلوم نہیں ہو سکتی۔ اور اس مقام پر انسان کی کمال عاجزی اور اللہ جل جلالہ کی کمال قدرت

اور حکمت معلوم ہوتی ہے +

حیوانی قوتوں کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک محرکہ۔ دوسری مدرکہ۔ اور محرکہ قوتیں دو قسم پر ہیں۔ ایک قدرت دوسری ارادت۔ پہلی جو قدرت ہے وہ ایک ایسی صفت ہے جس کے بغیر کام کرنا ناممکن ہے۔ اور سمجھ لینا چاہئے کہ علمِ طب میں یہ ثابت ہوا ہے۔ کہ اعضا کو حرکت میں لانا عضلات یعنی مچھلیوں کے سوا حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے اس خالق حکیم نے آدمی کے بدن میں پانسو انتیس عضلات یعنی مچھلیاں پیدا کی ہیں۔ اور ہر ایک عضلہ یعنی مچھلی کو ایک ایسی، معین شکل اور ایک ایسی معین مقدار کے ساتھ جو اس فعل کی مصلحت کے موافق ہو حاصل کیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ کمال قدرت اور حکمت کے سوا ایسا ہونا ممکن نہیں۔ اور ارادہ بھی ایک صفت ہے جو فعل کے عدم کو اس کے وجود پر یا اس کے برخلاف یعنی اسکے وجود کو عدم پر ترجیح دیتی ہے۔ اور یہ ارادے تصورات کے بمطابق ہوتے ہیں۔ کیونکہ جب کوئی چیز تصور میں آتی ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیز موافق ہے۔ یا مضر۔ اگر موافق ہوتی ہے تو اس سے کام کرنے کا اور اگر مضر ہوتی ہے تو اُس کے ترک کرنے کا ارادہ ظاہر ہوتا ہے۔ اور اگر چیزوں کے موافق یا مضر ہونے کا علم نہ ہو۔ تو اس صورت میں نہ کام کے کرنے کا ارادہ پیدا ہوتا ہے اور نہ اس کے ترک کرنے کا۔ اور مدرکہ قوتیں دو نوع پر ہیں۔ ایک مدرکہ قوتیں ظاہری ہیں۔ اور وہ پانچ ظاہری حسیں سمع۔ بصر۔ شم۔ ذوق۔ لمس ہیں۔ اگر ان کے منافع اور خواص میں کئی جلدیں بھی لکھی جائیں۔ پھر بھی پورے بیان نہیں ہونگے۔ اور قوائے مدرکہ باطنی بھی پانچ ہیں۔ کیونکہ باطنی مدرکہ قوتیں یا تو بے تصرف ہونگی یا باتصرف۔ مدرکہ قوتیں جو بے تصرف ہیں۔ اُن کی چار قسمیں ہیں۔ کیونکہ یہ مدرکہ قوتیں یا تو صورتوں کی مدرک ہونگی یا معنوں کی۔ صورتوں کی مدرک قوتوں کو حس مشترک کہتے ہیں۔ دوسری وہم ہے اور معانی کی مدرکہ قوتوں کو وہم کہتے ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کے واسطے ایک خزانہ ہے۔ حس مشترک کا خزانہ خیال ہے۔ اور قوتِ وہم کا خزانہ حافظہ۔ پس چار قسمیں پوری ہوگئیں۔ دوسری قسم مدرکہ باطنی کی جو تصرف رکھتی ہے۔ اس کو مفکرہ کہتے ہیں۔ یہ ہے باطنی مدرکہ قوتوں کی تشریح +

تیسرے مرتبہ کی قوتیں جو انسان کے سوا دوسرے کو حاصل نہیں ہوتیں۔ وہ دو قسم کی ہیں۔ پہلی قسم کو عملی قوت کہتے ہیں۔ اور عملی قوت وہ ہے جس کے ذریعہ بدن کی تدبیر احسن اور اصلح وجہ

کے ساتھ کرتا ہے۔ دوسری قسم کو قوتِ نظری کہتے ہیں۔ اور نظری قوت وہ ہے جس کے ذریعہ جوہر روح ان قدسی صفایوں اور عقلی صورتوں کے قبول کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ جن کا فیضان مفارقات اور مجردات کی طرف سے اس پر ہوتا ہے اور یاد رکھنا چاہیئے کہ قوتِ نظری کے اہل کے چار مرتبے ہیں۔ پہلا مرتبہ یہ کہ تمام تعلقات اور ادراکات سے خالی ہو۔ اس مرتبے میں روح ایسا ہوتا ہے جیسے لڑکوں کے ارواح ہیں۔ دوسرا مرتبہ وہ ہے کہ اس میں علوم بدیہی حاصل ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ سمجھ لے کہ نفی اور اثبات جمع نہیں ہوتے۔ اور کل اپنی جزو سے بڑا ہوتا ہے۔ تیسرا مرتبہ وہ ہے کہ اس میں علوم بدیہی کو ایک دوسرے کے ساتھ ترکیب دیا جاتا ہے۔ اور اس ترکیب سے فکری اور کسبی علوم حاصل ہو جائیں۔ لیکن دل میں حاضر نہ ہوں۔ بلکہ اس طرح ہوں۔ کہ اگر چاہے تو حاضر کر سکے۔ چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ علوم دل میں حاضر رہیں۔ اور روح مکاشفے اور مشاہدہ کے مقام میں ہو۔ اور جب بشری روح اس مقام میں پہنچ جاتی ہے۔ تو اُس وقت وہ انسانی مدارج کے آخری اور ملکی مدارج کے ابتدائی درجے پر پہنچ جاتی ہے جو عاقل اور دانا آدمی ان حالات میں فکر اور غور کریگا۔ وہ سمجھ لیگا۔ کہ اس ترتیب کی رعایت کا ہونا تمام رحم کرنے والوں میں سے زیادہ رحم کرنے والے اور تمام حاکموں میں سے اعلیٰ حاکم کی تقدیر کے سوا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ ترتیب اس طرح پر ہے کہ ابتداء میں محض جسمانی ترکیب ہوتی ہے۔ اور پھر آہستہ آہستہ جسمانی سے روحانی ترکیب کی طرف مائل ہوتی ہے۔ اور روحانی صفتیں بڑھتی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ جب انسان کی آخری حالت کو پہنچتے ہیں۔ تو اُس وقت وہ اس حالت کو پہنچی ہوئی ہوتی ہیں۔ کہ جب روح کی جسم سے مفارقت ہوتی ہے۔ تو وہ محض روحانی ہوتا ہے۔ اور ملائکہ کی جنس میں شمار کیا جاتا ہے جیسا کہ فرمایا ہے یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي۔ یہ عجیب ترتیب اور غریب تالیف اور جسمانیات سے روحانیات کی طرف انتقال۔ مدبر حکیم اور رحیم خالق کی تقدیر اور تدبیر کے سوا ناممکن ہے۔ یہ ہے تتمہ اُس خالق تعالیٰ و تقدس کی ہستی کے ثبوت میں دلیلوں کا اور اس کو بخوبی سمجھ لینا چاہیئے کہ اس واجب الوجود کی ہستی کے تمام دلائل کا بیان کرنا بشر کی طاقت سے باہر ہے۔ کیونکہ عالم ارواح اور عالم علوی اور سفلی میں ایسا کوئی ذرہ نہیں۔ جو اپنی ذات اور صفات

سے اُس حضرت ذوالجلال اور معبود کی کبریائی کے کمال پر روشن اور ظاہر دلیل نہ ہو۔ جیساکہ فرمایا ہے وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ وَلٰکِنۡ لَّا تَفۡقَہُوۡنَ تَسۡبِیۡحَہُمۡ یعنے کوئی ایسی چیز نہیں ہے۔ جو اُسکے حمد کی تسبیح نہ پڑھتی ہو۔ اور پاکی سے اس کو یاد نہ کرتی ہو۔ لیکن اس کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ جس قدر یہ بیان لکھا گیا ہے۔ جو دانا اس میں فکر کریگا اس کو کسی قدر نظر حاصل ہو جائے گی۔ اور ممکن ہے۔ کہ خدا کی توفیق کی مدد سے باقی دلیلوں میں فکر کرسکے۔ واللہ اعلم +

تمام شُد

کتب خانہ
کلیہ جامعہ عثمانیہ

ج ت ث   ۲۹۷۶۸۱

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔